آئمہ اثنا عشر

امیر المومنین علیؑ
امام حسنؑ
امام حسینؑ
امام زین العابدینؑ
امام محمد باقرؑ
امام جعفر صادقؑ
امام موسیٰ کاظمؑ
امام علی رضاؑ
امام محمد تقیؑ
امام علی نقیؑ
امام حسن عسکریؑ
امام مہدیؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئمہ اثنا عشر

از

جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ

مکتبہ کاظمیہ، شاہدرہ ٹاؤن لاہور

قیمت سفید کاغذ ... آٹھ روپے

" نیوز پرنٹ ... چھ روپے

عرضِ ناشر

ہم قبلہ مولانا سید علی حیدر صاحب کی مشہور تصنیف "ائمہ اثنا عشریہ" شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں قبلہ مولانا نے ائمہ علیہ السلام کی مکمل سوانح حیات اس اختصار اور جامعیت سے درج فرمائی ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

زبان ایسی سلیس اور سادہ ہے کہ اہلِ علم اور عوام مساوی طور پر استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلوب اتنا دلکش کہ کتاب تمام کیئے بغیر چھوڑنے کو طبیعت نہ چاہے۔ حوالہ جات معہ اسناد کتب درج کیئے گئے ہیں تاکہ قاری کو اطمینان مزید حاصل ہو اور شک شبہہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

افرادِ ملت سے ہماری استدعا ہے کہ وہ اس کتاب کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں تاکہ ہم مزید دینی کتب کی اشاعت کا اہتمام کر سکیں جو کہ فی الاصل دینی خدمت کے مترادف ہے۔

ناشر

جدول ولادت وشہادت چہاردہ

مرتبہ مولانا نذر حسین صاحب ظفر

نمبر شمار	اسمائے گرامی	کنیت	والد بزرگوار	والدہ ماجدہ	تاریخ ولادت	سال ولادت
۱	محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ابوالقاسم	عبداللہ	آمنہ بنت وہب	۱۷ ربیع الاول	عام الفیل ۵۷۰ء
۲	علی مرتضیٰ علیہ السلام	ابوالحسن	ابوطالب عمران	فاطمہ بنت اسد	۱۳ رجب	۳۰ سال بعد عام الفیل ۵۹۹ء
۳	فاطمہ زہرا علیہا السلام	ام الائمہ	پیغمبر اسلام	خدیجۃ الکبریٰ	۲۰ جمادی الثانیہ	۵ سال بعد بعثت ۸ سال قبل ہجرت
۴	حسن مجتبیٰ علیہ السلام	ابو محمد	علی بن ابی طالب	فاطمہ زہرا	۱۵ ماہ رمضان	۳ ہجری ۶۲۴ء
۵	حسین سید الشہداء علیہ السلام	ابوعبداللہ وابو الائمہ	علی بن ابی طالب	فاطمہ زہرا	۳ شعبان	۴ ہجری ۶۲۵ء
۶	علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام	ابو محمد	سید الشہداء حسین بن علی	شاہ زنان شہر بانو	۱۵ جمادی الاولیٰ	۳۶ ہجری ۶۵۸ء
۷	محمد باقر علیہ السلام	ابو جعفر	علی بن الحسین	فاطمہ بنت الحسن	یکم رجب المرجب	۵۷ ہجری ۶۷۶ء
۸	جعفر صادق علیہ السلام	ابوعبداللہ	محمد باقر علیہ السلام	ام فروہ	۱۷ ربیع الاول	۸۳ ہجری ۷۰۲ء
۹	موسیٰ کاظم علیہ السلام	ابو ابراہیم	جعفر صادق علیہ السلام	حمیدہ بربریہ	۷ صفر	۱۲۸ ہجری ۷۴۶ء
۱۰	علی رضا علیہ السلام	ابوالحسن	موسیٰ کاظم علیہ السلام	نجمہ خاتون	۱۱ ذی القعدہ	۱۴۸ ہجری ۷۶۵ء
۱۱	محمد تقی الجواد علیہ السلام	ابو جعفر	علی رضا علیہ السلام	سبیکہ خاتون	۱۰ رجب المرجب	۱۹۵ ہجری ۸۱۱ء
۱۲	علی نقی علیہ السلام	ابوالحسن	محمد تقی علیہ السلام	سمانہ خاتون	۱۵ ذی الحجہ	۲۱۲ ہجری ۸۲۹ء
۱۳	حسن عسکری علیہ السلام	ابو محمد	علی نقی علیہ السلام	حدیث خاتون	۱۰ ربیع الثانی	۲۳۲ ہجری ۸۴۶ء
۱۴	امام المنتظر علیہ السلام محمد صاحب زمان	ابوالقاسم	حسن عسکری علیہ السلام	نرجس خاتون	۱۵ شعبان	۲۵۵ ہجری ۸۶۹ء

معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین

مکان ولادت	مدت امامت	تاریخ وفات	سال وفات	سبب وفات	مدت عمر	بادشاہ وقت بوقت وفات	مدفن
شعب ابی طالب (مکہ معظمہ)	نبوت ۲۳ سال	۲۸ صفر	۱۱ ہجری سنہ ۶۳۲ء	زہر دادن یہودیہ خیبریہ	۶۳ سال	......	مدینہ منورہ حجرہ طیبہ
خانۂ کعبہ در زمانہ علم بلند شد پیدا	۳۰ سال خلافت ۵ سال ظاہری	۲۱ ماہ رمضان	۴۰ ہجری سنہ ۶۶۰ء	ضربت شمشیر زہر آلود ابن ملجم	۶۳ سال	معاویہ	نجف اشرف
مکہ معظمہ	......	۳ جمادی الثانیہ	۱۱ ہجری سنہ ۶۳۲ء	ضربت بر پہلو	۱۸ سال	ابوبکر	بقیع مدینہ
مدینہ منورہ	دس سال چار ماہ تین دن خلافت ظاہری	۲۸ صفر	۵۰ ہجری سنہ ۶۷۰ء	زہر دادن جعدہ بنت اشعث	۴۷ سال	معاویہ	بقیع مدینہ
مدینہ طیبہ	۱۱ سال	۱۰ محرم	۶۱ ہجری سنہ ۶۸۰ء	شمر ملعون سر جدا کرد بحکم یزید	۵۷ سال	یزید لعین	کربلا معلی
مدینہ منورہ	۳۴ سال	۲۵ محرم	۹۵ ہجری سنہ ۷۱۳ء	زہر دادن ولید بن عبد الملک	۵۷/۵۸ سال	ولید بن عبد الملک بن مروان	مدینہ بقیع
مدینہ منورہ	۱۹ سال	۷ ذی الحجہ	۱۱۴ ہجری سنہ ۷۳۱ء	زہر دادن ہشام بن عبد الملک	۵۷/۵۹ سال	ہشام بن عبد الملک	جنت البقیع
مدینہ منورہ	۳۴ سال	۱۵ شوال	۱۴۸ ہجری سنہ ۷۶۵ء	زہر دادن منصور دوانقی	۶۳/۶۵ سال	منصور دوانقی	جنت البقیع
ابواء موضع میان مدینہ و مکہ	۳۵ سال	۲۵ رجب	۱۸۳ ہجری سنہ ۷۹۹ء	زہر دادن ہارون	۵۴/۵۵ سال	ہارون بن مہدی	کاظمین
مدینہ طیبہ	۲۰ سال	۲۳ ذی القعدہ	۲۰۳ ہجری سنہ ۸۱۸ء	زہر دادن مامون	۴۹ سال چھ ماہ	مامون	مشہد مقدس
مدینہ مشرفہ	۱۷ سال	۲۹ ذی القعدہ	۲۲۰ ہجری سنہ ۸۳۵ء	زہر دادن معتصم عباسی	۲۵ سال	معتصم بن ہارون	کاظمین
موضع صریا نزدیک مدینہ	۳۳ سال چند ماہ	۳ رجب	۲۵۴ ہجری سنہ ۸۶۸ء	زہر دادن معتز عباسی	۴۱ سال چند ماہ	معتز عباسی	سر من رائے
مدینہ منورہ	۶ سال	۸ ربیع الاول	۲۶۰ ہجری سنہ ۸۷۴ء	زہر دادن معتمد	۲۸/۲۹ سال	معتمد	سر من رائے
سر من رائے	الی آخر الزمان	العلم عند اللہ	واللہ اعلم	واللہ اعلم	وقت غیبت صغریٰ ... سال غیبت کبریٰ [illegible] سال	......	......

فہرست مضامین

اَبُوالحسَن
حَضرتْ علیؑ علَیہ السَّلام
اَمیرُالمُومِنیْن

پہلا باب

حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نسب جناب عبدالمطلب تک حضرت علیؑ کا نسب وہی ہے۔ جو حضرت رسول خدا صلعم کا ہے۔ جناب عبدالمطلب کے دو بیٹے (ایک ہی بیوی سے) جناب عبداللہ اور جناب ابوطالب ہوئے۔ جناب عبداللہ کے صاحبزادے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور جناب ابوطالب کے فرزند حضرت علیؑ ہیں۔ آپ کی مادرِ گرامی جناب فاطمہ بنت اسد تھیں۔

آپ کا نور کب خلق ہوا حضرت رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ کنت انا و علی نوراً بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق اٰدم باربعۃ عشر الف عام فلما خلق اٰدم قسم ذالک النور جزئین فجزء انا و جزء علی۔ جب خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ اس سے چودہ ہزار برس پہلے میں اور علیؑ خدا کے سامنے ایک نور ہی تھے۔ پھر جب خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ تو اس نور کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ میں ہوں اور دوسرا حصہ علیؑ ہیں۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۶۴)

تاریخ ولادت ۳۰ عام الفیل (غالباً ۵۹۸ء یا ۶۰۰ء) میں جب کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال کی تھی۔ ۱۳ ارجب کو جمعہ کے دن حضرتؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرتؑ کے والد

یا والدہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ اور حضرت نے بھی کبھی بت کو نہیں مانا۔ اسی وجہ سے جب حضرت علیؑ کا نام آتا ہے۔ تو کرم اللہ وجہہ (خدا نے ان کے منہ کو ہمیشہ بتوں کے سجدے سے پاک رکھا) کہتے ہیں۔ (نور الابصار ص۷۶) اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے۔ واخرج ابن سعد عن الحسن بن زید قال لم یعبد الاوثان قط لصغرہ ای ومن ثم یقال فیہ کرم اللہ وجھہ۔ حضرت علیؑ نے کبھی بھی کسی بت کو نہیں پوجا اسی وجہ سے آپ کا نام لے کر لوگ کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ (صواعق محرقہ ص۲۷)

جائے ولادت یہ حضرت علیؑ کی عظیم الشان اور مخصوص فضیلت ہے کہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے (مروج الذہب جلد ۵ ص۱۷۵ ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۲۵۱ و مطالب السؤل ص۳۷ وغیرہ)

نام نامی آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام حیدر و اسد جناب ابو طالب نے زید اور خدا نے علی رکھا۔

کنیت آپ کی کنیتیں متعدد ہیں مثلاً ابو الحسنؑ۔ ابو السبطین۔ ابو الریحانتین ابو تراب۔ ابو محمد۔

القاب بھی بہت ہیں مثلاً صدیق اکبر۔ فاروق اعظم۔ امیر المومنین۔ امام المتقین یعسوب المسلمین۔ قائد الغر المحجلین۔ المرتضیٰ۔ اسد اللہ۔ ولی اللہ بیضۃ البلد۔ الوصی۔ سید الوصیین۔ قسیم النار و الجنۃ۔ حیدر کرار۔ خاتم الوصیین امام البررہ۔ قاتل الفجرہ۔ حجۃ اللہ۔ وارث رسول اللہ۔ خلیفۃ رسول اللہ۔ صالح المومنین مولی المومنین۔ قاتل الناکثین والقاسطین والمارقین۔ الصفی۔ نفس الرسول۔ سیف اللہ۔ خیر البشر۔ الساقی۔ ساقی کوثر۔ شہید اللہ۔ حبیب بالخلق الی اللہ وغیرہ۔

پرورش علامہ زمخشری نے خصائص عشرہ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت رسول

خدا صلعم ہی نے حضرت علیؑ کا یہ نام رکھا۔ اور آپ ہی اپنے لعاب دہن سے حضرت علیؑ کو بہت دنوں تک غذا دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی ماں جناب فاطمہ بنت اسد بیان کرتی تھیں۔ کہ جب علیؑ پیدا ہوئے تو حضرت رسول خدا صلعم نے ان کو لیا ان کا نام علیؑ رکھا، ان کے منہ میں دہن مبارک کا لعاب دیا پھر آپ کے منہ میں اپنی زبان مبارک دیدی جس کو حضرت علیؑ چوستے سو گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو ہم لوگوں نے علیؑ کے لیے دایہ کی تلاش کی مگر علیؑ نے کسی عورت کا پستان منہ میں نہیں لیا۔ تب پھر ہم لوگوں نے حضرت محمدؐ کو بلایا۔ آپ نے پھر اپنی زبان مبارک علیؑ کے منہ میں دی جس کو چوستے چوستے علیؑ سو گئے۔ اسی طرح بہت دنوں تک ہوتا رہا (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صـ ۲۶۸ وغیرہ) اس طرح حضرت علیؑ کی پرورش بھی جناب رسول خدا صلعم ہی کے نور سے ہوتی رہی۔

بچپن کا زمانہ

حضرتؑ کے بچپن کا زمانہ بھی حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ ہی گزرا۔ جس کا واقعہ مورخین و محدثین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ پر خدا کی جو نعمتیں تھیں اور اس نے آپ کو جو فضیلتیں مرحمت فرمائیں ان میں یہ بھی تھی کہ جب آپ بالکل بچے تھے۔ قریش میں سخت قحط پڑا۔ جناب ابوطالب کے عیال ماشاءاللہ کثرت سے تھے۔ یہ خیال کر کے حضرت رسول خداؐ نے اپنے چچا جناب عباس سے جو اس وقت خاندان بنی ہاشم میں سب سے زیادہ خوش حال اور فارغ البال تھے فرمایا کہ آپ کے بھائی ابوطالب کے عیال بہت ہیں اور اس وقت لوگوں پر قحط کی جو مصیبت پڑی ہے آپ دیکھتے ہیں۔ اس سبب سے میری رائے ہے کہ میں اور آپ ان کے پاس چلیں اور ان کے عیال کا بوجھ ان سے کچھ ہلکا کر دیں۔ اس طرح کہ ان کے بیٹوں سے ایک کو میں اپنے ذمہ لے لوں اور ایک کو آپ لے لیں اور ان

دونوں کے بار سے ہم لوگ اُن کو ہلکا کر دیں۔ جناب عباس نے کہا تمہاری رائے بہت مناسب ہے۔ غرض دونوں بزرگ گئے اور جناب ابوطالب کے پاس پہنچ کر کہا کہ جب تک لوگوں میں قحط کی مصیبت رہے ہم چاہتے ہیں آپ کے بوجھ کو کچھ تقسیم کر لیں۔

جناب ابوطالب نے کہا اچھا میرے پاس عقیل کو چھوڑ دو اور جس کو چاہو تم لے جاؤ۔ حضرت رسولِ خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو لے کر اپنے سے ملا لیا اور جناب عباس نے جناب جعفر طیار کو لیا اور اپنے ساتھ رکھا۔ اُس وقت سے حضرت علیؑ برابر حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ خدا نے حضرتؐ کو پیغمبر بنایا تو حضرت علیؑ فوراً حضرتؐ کے پیرو ہو گئے آپ پر ایمان ظاہر کر دیا اور آپ کی پوری تصدیق کی۔ اور جناب جعفر برابر جناب عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ مسلمان ہوئے اور اپنا بار خود اُٹھانے لگے۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۱۳ و تاریخ کامل جلد ۲ صـ۳۰ و سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صـ۲۶۸ وغیرہ)

اظہار اسلام

تمام مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ سب سے پہلے کون شخص مسلمان ہوا مگر تحقیق کی جائے تو حضرت علیؑ کو اس میں رکھنے کی گنجائش ہی نہیں نکلے کیونکہ یہ بحث تو اُن لوگوں میں ہے جو پہلے کافر تھے بعد کو آں حضرتؐ پر ایمان لائے یا اسلام ظاہر کیا۔ لیکن حضرت علیؑ تو کبھی کافر تھے ہی نہیں۔ کبھی کسی بت کو پوجا ہی نہیں۔ چنانچہ اوپر مورخین کی عبارت نقل کی گئی کہ جس وقت حضرت رسولِ خدا صلعم کو خدا نے پیغمبر مقرر کیا۔ اسی وقت حضرت علیؑ نے اپنا ایمان ظاہر کر دیا اور چونکہ اس وقت آپ کی عمر دس برس کی تھی۔ اس سبب سے اس کے قبل کسی دوسرے مذہب کے اختیار یا ظاہر کرنے کا موقع ہی نہیں پیدا ہوا۔ علماء محققین نے بتصریح لکھا ہے کہ واما علی ابن

ابی طالب فلم یکن مشرکا باللہ ابدالانہ کان مع رسول اللہؐ فی کفالتہ
کاحد اولادہ یتبعہ فی جمیع امورہ فلم یحتج ان یدعی
للاسلام فیقال اسلم۔ حضرت علیؑ تو کبھی کافر رہے ہی نہیں۔
کیونکہ آپ شروع سے حضرت رسول خدا صلعم کی کفالت میں اس طرح رہے
جس طرح خود حضرتؐ کی اولاد رہتی کہ کل امور میں حضرتؐ کی پیروی کرتے
رہتے تھے۔ اس سبب سے اس کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کہ آپ کو اسلام
کی طرف بلایا جائے جس کے بعد کہا جائے کہ آپ مسلمان ہوئے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱
صفحہ ۲۶۹) نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کبھی کافر نہیں تھے۔
حضرت علیؑ بھی کافر نہیں رہے۔ اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کے بارے
میں یہ نہیں کہا جاتا کہ مسلمان ہوئے اسی طرح حضرت علیؑ کے بارے میں بھی
یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ مسلمان ہوئے۔ محمد بن کعب قرظی سے پوچھا گیا کہ سب
سے پہلے کون اسلام لایا۔ حضرت علیؑ یا حضرت ابوبکر۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ!!!
حضرت علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے۔ لوگوں کو شبہہ صرف اسی سبب سے
ہوا کہ حضرت علیؑ نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۳)
یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ آپ اسلام کے سوا کبھی کسی دین پر تھے ہی نہیں
اس وجہ سے ظاہر ہی نہیں کیا کہ میں بھی مسلمان ہوگیا۔ جو لوگ پہلے سے مسلمان
نہیں تھے وہ کہتے تھے کہ میں مسلمان ہوگیا لیکن جو لوگ بچپن سے مسلمان ہی
تھے وہ یہ بات کیسے کہتے۔ اسی وجہ سے حضرت رسولِ خدا صلعم فرماتے تھے۔
کہ فرشتے میرے اور علیؑ کے لئے سات برس تک دعا مانگتے اور وجہ یہ
تھی کہ اس زمانے میں سوائے علیؑ کے کسی نے نماز نہیں پڑھی۔ علامہ محقق
و مورخ جلیل مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کے اسلام کے بارے میں لوگوں

نے اختلاف کیا ہے۔ اکثر لوگوں کا تو یہ قول ہے کہ حضرت علیؑ نے کبھی شرک کیا ہی نہیں پھر وہ نیا اسلام کیوں قبول کرتے کیونکہ وہ تو شروع سے اسلام پر تھے۔ اس لئے کہ آپ اپنے کل کاموں میں حضرت رسولِ خداؐ کے تابع اور پیرو تھے۔ اور اسی حالت میں حد بلوغ تک پہنچے اور خدا نے آپ کو معصوم بنایا اور رسیدھی راہ پر قائم رکھا۔ اور آپ کو اس بات کی توفیق دی کہ برابر حضرت رسولِ خدا صلعم کی پیروی کرتے رہیں۔ کیونکہ دونوں بزرگ (حضرت رسولِ خدا اور حضرت علیؑ) اس دین کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے نہ اُن سے کوئی زبردستی کی گئی تھی کہ خدا کی اطاعت ہی کے کام کریں بلکہ ان حضرات کو پورا اختیار اور ہر طرح کی قدرت دی گئی تھی کہ جو راہ چاہیں اختیار کریں۔ تو دونوں حضرات نے خدا کی اطاعت اور اس کے احکام کی پابندی اور اُس کی منع کی ہوئی باتوں سے بچتے رہنے ہی کو اختیار کیا۔ اور بعض علماء کی تحقیق ہے کہ حضرت علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے اور حضرت رسولؐ نے آپ کو ایمان کی طرف دعوت دی تھی۔ (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۶۸) خود حضرت امیر المومنینؑ فرماتے تھے کہ میں اس امت میں کسی کو نہیں جانتا۔ جس نے مجھ سے پہلے خدا کی عبادت کی ہو۔ بیشک میں نے پانچ یا سات سال پہلے سے خدا کی عبادت کی اور میں ہی سب سے پہلا شخص ہوں جس نے رسولِ خدا صلعم کے ساتھ نماز پڑھی۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۶۲) حضرت کا مشہور شعر ہے

سبقتکم الی الاسلام طراً غلاماً ما بلغت اوان حلمی

میں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا جب میں لڑکا تھا اور حد بلوغ تک نہیں پہنچا تھا (ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۲) اور حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے ثلاثة ما کفروا باللہ قط مومن آل یٰسین و علی ابن ابی طالب و آسیة امرأة فرعون والذی فی العرائس (و ی) عن النبی انه قال سباق الامم ثلاثة لم یکفروا باللہ طرفة عین علی

مومن آل فرعون وحبیب النجار صاحب یسین وعلی ابن ابی طالب و
هو افضلهم حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے تین آدمی کبھی کافر ہے ہی
نہیں - مومن آل یسین - علی ابن ابی طالب اور آسیہ زوجہ فرعون - اور عرائس
میں حضرت رسول خدا صلعم سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کل امتوں پر سبقت
کرنے والے تین آدمی ہوئے جنہوں نے کبھی خدا کا انکار نہیں کیا - نہ ایک سکنڈ
کو کافر ہوئے - ایک حزقیل مومن آل فرعون - دوسرے حبیب النجار صاحب یسین -
تیسرے حضرت علیؑ اور یہ سب سے افضل ہیں - (سیرۃ حلبیہ جلد ا صنہ ۲۷ وغیرہ)
اور علامہ رازی نے لکھا ہے عن رسول اللہؐ انہ قال الصدیقون ثلاثۃ
مومن آل یسین ومومن آل فرعون والثالث علی وهو افضلهم
حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے - صدیق تین ہیں - مومن آل یاسین ومومن
آل فرعون اور علیؑ اور ان سب میں افضل علیؑ ہی ہیں - (تفسیر کبیر جلد ۸ صنہ ۲۱۷)
حضرت امیر المؤمنین فرماتے تھے انا عبد اللہ واخو رسولہ انا الصدیق
الاکبر لا یقولہا بعدی الا کاذب مفتر صلیت مع رسول اللہ
قبل الناس بسبع سنین - میں بندۂ خدا و برادر رسول ہوں - میں ہی صدیق اکبر
ہوں - اس بات کو میرے سوائے کوئی نہیں کہے گا مگر وہ شخص جو بڑا جھوٹا
اور مفتری ہو گا - میں نے سب لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی (تاریخ
کامل جلد ۲ صنہ ۲۰) حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں خدا کا بندہ . . . .
. . اور رسول خدا کا بھائی ہوں - میں ہی صدیق اکبر ہوں - یہ دعویٰ نہ
مجھ سے پہلے کسی نے کیا اور نہ میرے بعد کوئی کر سکتا ہے - جو ایسا دعویٰ
کرے وہ جھوٹا مفتری ہے - میں نے سب لوگوں سے سات برس قبل نماز پڑھی
ہے - (میزان الاعتدال جلد ۲ صنہ ۱۱) مگر کسی شخص نے حضرتؑ کے بارے میں آپ کے

سامنے یا غیبت میں یہ نہیں کہا کہ حضرت علیؑ (معاذ اللہ) غلط فرماتے ہیں البتہ بندۂ خدا اور برادر رسولؐ ہونے کا غلط دعویٰ ایک شخص نے کیا تو خدا کی طرف سے سزا بھی پا گیا۔ علامہ علی متقی وغیرہ نے لکھا ہے "الیہ بجیلی کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؑ کو سنا کہ فرماتے تھے میں خدا کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں۔ میرے بعد اس دعوے کو کوئی نہیں کرے گا مگر وہ جو جھوٹا ہوگا لیکن ایک شخص نے ایسا کہہ دیا تو فوراً پاگل ہو گیا"۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۶)

حلیہ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ "حضرت علیؑ کا رنگ گندمی تھا۔ آنکھیں بڑی اور کشادہ تھیں، شکم پر بال نہ تھے۔ میانہ قد تھا خضاب نہیں لگاتے تھے۔ داڑھی بڑی تھی۔ دونوں شانے پر گوشت تھے، جو دور سے دیکھتا کہتا کہ کھلتا ہوا گندمی رنگ ہے اور جو قریب سے دیکھتا کہتا کہ گندمی رنگ سے کچھ روشن رنگ ہے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ حضرتؑ کی کہنیاں اور پنڈلیاں بھی پر گوشت تھیں۔ میں نے حضرتؑ کو جاڑے میں خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت حضرت ایک قمیص اور ایک قطری پہنے اور کسی بنے ہوئے کپڑے کا عمامہ باندھے تھے۔ . . . .

. . . . ابو الحجاج نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علیؑ کو خطبہ پڑھتے ہوئے سنا۔ حضرتؑ نہایت حسین تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرتؑ کی صورت خوب اچھی طرح کمالِ صنعت بنائی گئی ہے۔ سفید بالوں میں خضاب نہیں لگاتے تھے۔ بہت ہلکی چال چلتے تھے۔ دانتوں پر مسکراہٹ سی تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۲) بڑھاپے سے آپ کی ہئیت میں کچھ بھی تغیر نہیں ہوا تھا۔ بڑے ہنس مکھ اور خوبصورت تھے، سینہ پر بال بہت۔ ہاتھ پاؤں کے پٹھے زبردست، کندھوں کی ہڈیاں چوڑی اور شیر کے

کندھوں کی ہڈیوں ایسی تھیں۔ ہتھیلیاں سخت تھیں۔ گردن مثل ایک چاندی کی صراحی کے تھی۔ داڑھی اس قدر گھنی کہ کندھوں کے دونوں طرف جھکی ہوئی تھی۔ کسی کی کلائی پکڑ لیتے تو اس کا دم گھٹنے لگتا۔ جنگ کو جاتے تو تھلتے دل اطمینان سے دوڑ کر۔ ایسے بہادر تھے کہ جس سے لڑتے ضرور فتحیاب ہوتے۔ (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۵۸ و استیعاب جلد ۲ ص ۴۶۲)

دین اسلام کی حمایت

حضرت ابھی ۱۳ سال کے ہونے پائے تھے کہ اسلام کو ایک حامی اور رسول خداؐ کو ایک ناصر کی ضرورت ہوتی اور آپ اس کے لئے تن تنہا آمادہ ہو گئے جس کی تفصیل پہلے (ص۔ وص۔ میں) گذر گئی۔ آپ نے اس موقع پر جو کہا تھا عمر بھر وفا ہی کرتے رہے۔ شب ہجرت آپ نے جو جاں نثاری کی اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ عاجز ہے۔ حضرت رسول خداؐ نے دو مرتبہ صحابہ میں مواخاۃ کرائی اور دونوں مرتبہ اپنے کو حضرت علیؑ ہی کا اور حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بھائی قرار دیا۔ ۲ھ میں جناب سیدہؑ سے آپ کی شادی خود خدا کے حکم سے کی گئی۔ اس وقت حضرتؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد کے سوائے کوئی قریبی رشتہ دار حضرت کے گھر میں نہ تھا۔ نہ کوئی لونڈی غلام خدمت کرنے والا تھا۔ حضرت علیؑ نے یہ انتظام کیا کہ باہر کے کام مثلاً پانی لانا وغیرہ خود انجام دیتے اور کچھ آپ کی والدہ کرتیں اور گھر کا کام مثلاً چکی پیسنا۔ آٹا گوندھنا۔ روٹی پکانا وغیرہ جناب سیدہؑ کرتیں۔ اس زہد اور سادگی کو حضرتؑ نے زندگی بھر نباہا۔ جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیتے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر جنگ آپ ہی کی وجہ سے فتح ہوئی۔ ان سب کی تفصیل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالات میں گذر چکی ہے۔

کسب حلال کی کوشش

حضرت امیرالمومنینؑ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کسب

کر کے رزق مہیا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے ایک مرتبہ مدینہ میں مجھے بھوک لگی تو مزدوری کی تلاش میں نکلا۔ دیکھا کہ ایک عورت کو گارا بنانے کے لئے پانی کی ضرورت ہے۔ میں نے اس کام کو قبول کر لیا۔ ایک ڈول پانی کی اُجرت ایک دانہ کھجور قرار پائی۔ میں نے ابھی سولہ ڈول پانی نکالے تھے کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ مجبوراً کام چھوڑ دیا۔ اس عورت نے سولہ کھجوریں دیدیں۔ میں لے کر حضرت رسول خدا صلعم کے پاس واپس آیا اور واقعہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے بھی وہ کھجوریں میرے ساتھ تناول فرمائیں (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۶۷) حضرتؑ کی زندگی میں ایسے واقعات بہت کثرت سے ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس کوئی مشکل مسئلہ آیا۔ آپ نے بہت کوشش کی کہ اس کا جواب کسی طرح آپ کو معلوم ہو جائے اور آپ سائل کو بتا دیں۔ مگر کامیاب نہیں ہوئے تو حضرت علیؑ کو تلاش کرنے نکلے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ایک زمین کی طرف گئے ہیں۔ آپ وہیں پہنچے دیکھا کہ حضرت علیؑ اپنے ہاتھ سے زمین کی مٹی برابر کر رہے ہیں۔ خلیفہ دوم نے اس مسئلہ کو پیش کر کے حضرتؑ سے اس کا حکم دریافت کیا۔ حضرتؑ نے فوراً اس کا جواب دے دیا۔ خلیفہ دوم صاحب وہاں سے خوش خوش واپس آئے اور کہتے آتے تھے

اللھم لا تنزل بی شدیدۃ الا و ابو حسن الی جنبی۔ اے خدا تو میرے اوپر کوئی مصیبت نازل نہ کرنا مگر اس وقت جب حضرت علیؑ میرے پاس ہوں تاکہ اس کو وہ دفع کر دیں۔ ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۹۴)

ایک مرتبہ حضرت رسول خدا صلعم نے کسی ضروری امر کے لئے فرمایا کہ میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جس کو خدا کبھی رسوا نہیں کرے گا اور وہ اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے۔ آں حضرتؐ کی اس بات پر صحابہ نے گردن اونچی کر کر کے حضرت کو دکھانا شروع کیا (اس مطلب سے کہ حضرتؐ

انہیں کو بھیج دیں) مگر آں حضرتؐ نے پوچھا علیؑ کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا وہ تو چکی میں آٹا پیس رہے ہیں۔ حضرتؐ نے آپ کو بلایا۔ اور وہ کام آپ کے سپرد کر دیا (ریاض نضرۃ جلد ۲ ص ۲۰۳) علامہ محب طبری لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے کسی کا باغ سینچنے کی مزدوری لی۔ اور یہ طے ہوا کہ رات بھر حضرتؑ اس کو سینچیں گے تو باغ کا مالک جَو کی ایک مقدار اس کی اجرت حضرت کو دے گا۔ غرض حضرت رات بھر اس میں پانی چلاتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو جَو لے کر گھر آئے اور اس کو پیس کر اس کے ایک ثلث کی روٹی پکائی۔ جب روٹی طیار ہوئی تو ایک مسکین آیا اور سوال کیا۔ حضرتؑ نے وہ روٹیاں اس کو کھلا دیں۔ پھر دوسرے ثلث کی روٹیاں پکائیں۔ جب وہ طیار ہوئیں تو ایک یتیم آیا اور سوال کیا۔ حضرتؑ نے وہ روٹیاں بھی اس یتیم کو دے دیں۔ پھر تیسرے ثلث کی روٹیاں پکائیں۔ وہ جب طیار ہوئیں تو ایک اسیر آیا اور سوال کیا۔ ان حضرتؑ نے وہ روٹیاں بھی اس کو دیدیں۔ اور اسی طرح شور رہے۔ جس کے بعد ان حضرتؑ کی شان میں خدا نے یہ آیت نازل کی ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۲۰۷) اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ حضرتؑ اپنے ہاتھ سے باغ

۱؎ حضرات اہلبیتؑ کی فضیلت کا یہ مشہور واقعہ ہے۔ علامہ محب طبری نے اس کو مختصر کر کے لکھا۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جناب ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام بیمار ہوئے تو حضرت رسول خدا صلعم کچھ لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے۔ اور جناب امیرؑ سے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے لڑکوں کی صحت کی واسطے نذر کرتے۔ یہ سنتے ہی جناب امیرؑ فاطمہ زہراؑ اور فضہ نے تین تین روزے کی نذر کی۔ غرض جب دونوں صاحبزادے اچھے ہوئے اور نذر کے پوری کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ تھا نہیں۔ جناب امیرؑ نے شمعون یہودی سے تین صاع جو قرض

سینچا کرتے تھے اور اس میں کچھ بھی شرم نہیں کرتے تھے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اپنے ہاتھ سے اپنی اور حضرت رسول خدا صلعم کی جوتی بھی ٹانک لیتے تھے۔ (دیکھو اس کتاب کا صفحہ)

خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کے ذریعہ سے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان صاف سنہ ۲ بعثت ہی میں کرا دیا تھا اور اس کے بعد حضرت رسولِ خدا صلعم شبِ ہجرت میں غزوہ تبوک کے وقت اور غدیر خم میں بھی اس کی تاکید کرتے رہے۔ مگر حضرتؐ کے انتقال کے وقت حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے غسل دینے، کفن پہنانے اور دفن کرنے میں مشغول رہے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ وغیرہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہونچ کر نئی خلافت کا انتظام

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۹)

لئے کہ اس کے عوض فاطمہؑ اون کات دیں گی۔ پھر جناب سیدہ نے ایک صاع جو پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کو ان روٹیوں سے روزہ افطار کرنا ہی چاہتے ہیں کہ ایک سائل نے آواز دی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ میں ایک مسلمان مسکین ہوں۔ مجھے کھانا دو۔ خدا انہیں جنت کے خوان عطا کرے گا۔ یہ آواز سنتے ہی سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں دے دیں اور فقط پانی پی کر سو رہے۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا۔ حسب دستور جناب سیدہؑ نے ایک صاع آٹے کی پھر پانچ روٹیاں پکائیں اور سب حضراتؑ روزہ افطار کرنے بیٹھے ہی تھے کہ ایک یتیم نے آواز دی اور سب نے اپنی اپنی روٹی اس کو دے دی اور صرف پانی سے افطار کیا۔ تیسرے روز پھر باقی آٹے کی روٹیاں پکائیں اور کل حضرات روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے۔ کہ ایک قیدی نے آواز دی اور تیسرے دن پھر سب بزرگوں نے اپنی اپنی روٹی اس سائل کو دے دی اور خود پانی سے افطار کر کے اس رات کو بھی سو رہے۔ چوتھے دن صبح کو جناب امیرؑ نے صاحبزادوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آں حضرتؐ

کرلیا۔ اور حضرت علیؑ کو اس سے علیحدہ کردیا۔ چونکہ حضرت رسول خدا صلعم نے رحلت کے قبل حضرت علیؑ سے وصیت کردی تھی کہ میرے بعد تم کو سخت صدمات پہونچیں گے۔ چاہیئے کہ تم دل تنگ نہ ہونا اور صبر کا طریقہ اختیار کرنا اور جب دیکھنا کہ میرے صحابہ نے دنیا اختیار کرلی تو تم آخرت اختیار کئے رہنا" (روضۃ الاحباب جلد ا صفحہ ۵۵۹ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۱ وغیرہ) اس سبب سے حضرت علیؑ صبر کئے رہے اور فتنہ و فساد کو پسند نہیں کیا۔ نہ خلافت کی کوئی کوشش کی۔

حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کے متعلق بعض عیسائی محققین کی رائیں

مصر کے مشہور عیسائی مورخ علامہ جرجی زیدان نے لکھا ہے "علی کی حالت کیا بیان ہو۔ زہد و تقویٰ کے متعلق آپ کی حکایتیں اور واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ اصول اسلام کی پابندی کرنے میں آپ بہت سخت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰)

کی نظر ان پر پڑی کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں تو فرمایا میں تم لوگوں کو کس درجہ تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر خود اُٹھے اور سب کے ساتھ جناب سیدہؑ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ فاطمہ زہرا محراب عبادت میں کھڑی ہیں اور ان کی پیٹھ پیٹ سے مل گئی ہے۔ اور آنکھیں دھنس گئی ہیں۔ آں حضرت صلعم چیخ اُٹھے اور فرمایا واغوثاہ یا اللہ۔ اہل بیت محمد یموتون جوعا۔ اُف فوہ۔ کیسی مصیبت ہے۔ اے اللہ کیا محمدؐ کے اہل بیت بھوک سے مر ہی جائیں گے۔ اسی وقت جناب جبریلؑ نازل ہوئے۔ اور کہا یا حضرت اس تحفہ کو قبول فرمایئے جسے خدا نے آپ کے اہلبیتؑ کی شان میں بھیجا ہے حضرت نے پوچھا وہ کون تحفہ ہے۔ جبریلؑ نے سورہ ھل اتیٰ پڑھی کہ یہی ہے (تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۳۹ تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۹۲) اس سورہ سے حضرات اہلبیتؑ

اور اپنے ہر قول فعل میں نہایت شریف اور آزاد تھے۔ رجل فریب۔ دھوکہ۔ مکر کو آپ جانتے تک نہیں تھے۔ اور اپنی زندگی کے مختلف زمانوں سے کسی حالت میں بھی آپ نے چال رحیلہ۔ غداری وغیرہ کی طرف ذرہ برابر بھی رُخ نہیں کیا۔ آپ کی تمام تر ہمت محض دین کے متعلق رہتی تھی۔ اور آپ کا کل اعتماد اور بھروسہ صرف سچائی اور حق پر تھا۔ چنانچہ آپ کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی مثالوں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ آپ نے جس وقت رسولؐ کی بیٹی فاطمہؑ سے شادی کی تو آپ کے پاس فرش کی قسم سے کوئی چیز نہیں تھی سوائے دُنبہ کی ایک کھال کے کہ اسی پر دونوں (میاں بیوی حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ) شب کو پڑ کر سو رہتے اور دن کے وقت اسی چمڑے پر اپنے اونٹ کو دانہ کھلاتے تھے۔ آپ کے پاس۔ ایک ملازم بھی نہیں تھا جو آپ کی خدمت کرتا۔ آپ کی خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ اصفہان سے (خراج کا) کچھ مال آیا تو آپ نے اس کو سات حصوں پر تقسیم کر دیا۔ پھر اس میں ایک روٹی ملی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کئے (اور خراج کے ہر حصے پر اس روٹی کا ایک ٹکڑا بھی رکھ دیا) آپ ایسے کپڑے کا لباس پہنتے تھے جو کچھ بھی سردی سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ بعض لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے اوڑھنے کی چادر میں کھجوریں اٹھا کر خود لا رہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جن کو ایک درہم (۳۰ ریسیہ) میں خریدا تھا۔ تو عرض کی کہ اے امیر المومنینؑ یہ ہمیں دے دیں کہ پہونچا دیں۔ آپ نے جواب دیا

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۱)

کی وہ عظیم الشان فضیلت ثابت ہوتی ہے اور ان کے خالص اعمال خصوصًا جود و سخا کا وہ کارنامہ ظاہر ہوتا ہے۔ جو قیامت تک کے لئے یادگار ہو گیا۔ ۱۲ منہ

کہ جس کے عیال میں بہتر ہے۔ کہ وہی ان کے بوجھ کو اٹھائے۔ آپ کے زریں اقوال سے یہ جملہ بھی ہے۔ جس میں آپ نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہیئے۔ مسلمان اتنا کم کھائیں کہ بھوک سے ان کے پیٹ ہلکے رہیں اور اتنا کم پئیں کہ پیاس سے ان کے ہونٹ سوکھے رہیں۔ اور خدا کے خوف سے اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں زخمی رہیں۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۰۴) اور آپ کے عدل و انصاف کے واقعات سے یہ بھی ہے کہ آپ نے (ظاہری خلافت کے زمانہ میں) اپنی زرہ کسی کے پاس دیکھی تو (اس کو اس سے لے نہیں لیا بلکہ) آپ اور وہ شخص قاضی شریح کے پاس اس کا فیصلہ کرانے کے لئے گئے۔ وہاں آپ صرف اصول انصاف کی پابندی اور مساوات کا لحاظ کرانے کے لئے اس عدالت میں اس شخص کے مقابلہ میں کھڑے رہے (اور بہ حیثیت خلیفہ ہونے کے بیٹھنے کی خواہش نہیں کی حالانکہ اس وقت بھی کہ علم و تہذیب کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی معزز شخص عدالت میں جاتا ہے۔ تو اسے کرسی ملتی ہے۔ جس پر وہ بیٹھتا ہے۔ مگر حضرت علیؑ وہاں بیٹھے نہیں اور اس طرح اپنے ہر فعل سے لوگوں کو عدل و مساوات برتنے کی تعلیم دیتے رہے۔) حضرت کا معمول یہ تھا کہ جب اپنی فوج کو کسی لڑائی میں بھیجتے تو ہر شخص کو وصیت فرماتے کہ بھائی! دیکھو فریق مقابل سے نرمی اور نیکی کا برتاؤ کرنا۔ عورتوں کی پوری حفاظت کرنا اور ان کو اذیت و پریشانی سے بچانا۔ باوجود اس رحم دلی کے آپ مسلمانوں کے مال کی نگرانی کرنے میں ایسے سخت تھے کہ اپنے ماتحت کام کرنے والوں، تحصیلداروں اور عاملوں سے ایک ایک پیسہ کا حساب لیتے اور اس میں بہت شدت کرتے صرف اس وجہ سے کہ آپ کو عدل اور حق قائم کرنے کی بڑی فکر رہتی تھی۔ اگر حضرت عمر کے زمانے میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور رسالت کی ہیبت قائم تھی اور سچا تدین باقی تھا۔ حضرت علیؑ ہی خلیفہ اور

مسلمانوں کے حاکم مقرر ہوتے تو آپ کی حکومت اور سیاست کہیں بہتر اور اعلیٰ ثابت ہوتی اور آپ کے کاموں میں ذرہ برابر بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا لیکن (افسوس!) آپ کے پاس خلافت کی خدمت اُس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں فاسد ہو گئی تھیں اور انتظامات ملکی و اصول حکمت کے متعلق آپ کے والیوں اور ماتحتوں کے دلوں میں حرص و طمع پیدا ہو گئی تھی اور ان سب سے زیادہ طماع اور مکار معویہ بن ابوسفیان تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی حکومت جمانے کے لئے لوگوں کو دھوکہ فریب دے کر ان کے ساتھ مکر و حیلہ کر کے اور مسلمانوں کا مال بے دریغ لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کر لیا تھا۔ اس کے برعکس حضرت علیؑ کی یہ حالت تھی۔ کہ اپنے عمال اور سرداران فوج سے چھوٹی چھوٹی رقم تک کا باقاعدہ حساب لیتے۔ اور دین کی پابندی عدل وحق کی محافظت اور امور تقویٰ و تقدس کی تاکید کرتے رہنے کی وجہ سے لوگوں کو اپنے سے علیحدہ کرتے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر صحابہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے چچازاد بھائی (اور شاگرد) عبداللہ بن عباس بھی آپ سے الگ ہو گئے۔ یہ حضرت علیؑ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے ابوالاسود دئلی نے حضرت علیؑ کے پاس ان کی شکایت لکھ بھیجی (کہ ابن عباس خیانت کر رہے ہیں) حضرت علیؑ نے جناب ابن عباس کو لکھا کہ مجھ تک تمہاری شکایت پہونچی ہے مگر اس خبر دینے والے کا نام نہیں ظاہر کیا۔ ابن عباس نے حضرت کو جواب دیا کہ آپکو جو شکایت پہونچی ہے۔ وہ سب غلط ہے اور میں اپنے فرائض بہت پابندی اور خوبی سے انجام دے رہا ہوں۔ اور ہر بات کی پوری نگرانی کر رہا ہوں آپ بدگمانوں کے شبہ اور افتراء پردازوں کی بات کا کوئی خیال نہ کریں لیکن حضرت علیؑ نے اس کو نہیں مانا بلکہ اُن کو پھر لکھا کہ مجھے تفصیلاً مطلع کرو تم نے جزیہ کی کس قدر رقم وصول کی ہے۔ کہاں کہاں سے لی ہے۔ اور اس کو کہاں رکھا یا کن کاموں میں خرچ کیا ہے۔ اس کے جواب میں

ابن عباس نے حضرت علیؑ کو لکھا کہ آپ کا خط پہونچا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ اس طرف والے میری مخالفت میں جو شکایتیں آپ کو لکھتے ہیں انکو آپ بہت اہمیت دیتے ہیں اس وجہ سے میں اب یہاں رہ نہیں سکتا آپ صوبہ کی حکومت کے لئے اور جس شخص کو پسند کریں بھیج دیں۔ کہ میں اب یہاں سے روانہ ہو جاتا ہوں والسلام یہ خط لکھ کر ابن عباس نے اپنے ننہال کے قبیلہ بنی ہلال بن عامر والوں کو بلا بھیجا۔ جس پر ان کے پاس پورا قبیلہ قیس جمع ہو گیا۔ تب ابن عباس بکثرت مال لے کر وہاں سے روانہ ہو گئے اور ظاہر کیا کہ یہ سب وہ مال ہے

جو میرے مشاہرہ سے بچتا گیا تھا۔ بصرہ والوں نے مکہ تک ان کو پہنچایا اور ان سے اور ان کے ساتھیوں سے حضرت علیؑ کوئی نفع نہیں اٹھا سکے (کیونکہ باقاعدہ حساب کی گرفت کرنے سے ابن عباس بھی چھوٹ گئے۔ اگر حضرت علیؑ ان سے مسلمانوں کے مال کے متعلق باز پرس نہ کرتے اور خوف خدا کو بالائے طاق رکھ دیتے تو ابن عباس بھی برابر آپ کے ساتھ ہی رہتے) یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ وہی کیا جو حضرت عمر اپنے عمال کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن زمانہ بدل گیا تھا۔ حالتیں متغیر ہو گئی تھیں اور دوسری طرف صوبہ خزانہ کا منہ کھولے ہوئے اور آنکھ بند کر کے روپیہ اشرفی لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کرتا جاتا اور لشکروں کے سرداروں کو بھی اپنے مکروفریب سے اپنی جانب کھینچتا جاتا تھا۔ (اس حالت میں حضرت علیؑ کی حکومت کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے)۔ (تاریخ التمدن الاسلامی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۳۷)

مسٹر کارلائل نے لکھا ہے۔ "یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا۔ کہ ضرور ہے۔ ہر شخص اس کو پسند ہی کرے۔ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھر پور اور ایسا بہادر شخص تھا۔ جس کی آگ جیسی تیز و تند جرأت کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اس شخص کی طبیعت میں عجیب طور کی بھلائی

مردی تھی، شیر سا نو بہادر تھا، مگر باوجود اس کے مزاج میں الیسی نرمی، رحم دلی سچائی اور محبت تھی کہ ایک عیسائی دیندار جواں مرد کے شایاں ہونی چاہیئے۔ (کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دوم)

مصنف انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی رائے ہے کہ علیؑ تقریباً سنہ ۶۰۰ء میں بمقام مکہ پیدا ہوئے۔ علیؑ لڑکپن ہی میں اول شخص تھے جنہوں نے پیغمبر صاحب کی غرض اور غایت کو اعانت اور بہت ناموری حاصل کی جس کے عوض پیغمبر صاحب نے علیؑ کو اپنا جانشین کیا اور چند سال کے بعد اپنی دختر فاطمہؑ کا نکاح علیؑ کے ساتھ کر دیا۔ علیؑ نے اپنے کو ایک بہادر اور وفادار سپاہی ثابت کر دکھایا۔ جب محمدؐ صاحب نے انتقال فرمایا تو علیؑ بیں مذہب اسلام کے مسلم الثبوت سردار ہونے کے حقوق معلوم ہونے تھے۔ لیکن دوسرے تین صاحب ابوبکر و عمر و عثمان نے بجائے خلافت پر قبضہ کر لیا اور علی ملقب بہ خلیفہ نہ ہوئے مگر بعد عثمان سنہ ۶۵۶ء میں علیؑ کے عہد خلافت میں سب سے پہلا کام طلحہ و زبیر کی بغاوت کا فرد کرنا تھا جنہیں بی بی عائشہ نے بہکایا تھا۔ عائشہؓ علی کی سخت دشمن تھیں اور خاص انہیں کی وجہ سے علیؑ اب تک خلیفہ نہ ہو سکے تھے۔ علیؑ ایک بہادر، شریف، سخی اور سابقین میں مذکور ہیں اور ان سب میں لائق ترین اب فقط علیؑ ہی تھے۔ چونکہ خود پیغمبر صاحب کی صحبت سے جوش مذہبی حاصل کر کے آخر عمر تک آنحضرتؐ سادہ مثال کی پیروی کرتے رہے۔ علیؑ علم و عقل میں مشہور تھے اور اب تک کچھ مجموعے ضرب الامثال اشعار کے ان سے منسوب ہیں خصوصاً مقالات علیؑ جس کا انگریزی ترجمہ ولیم یول نے سنہ ۱۸۳۲ء میں بمقام اڈنبرا شائع کرایا ہے۔ (مہذب مکالمہ صفحہ ۳۴)

مسٹر ڈیون پورٹ نے لکھا ہے محمدؐ صاحب نے مخالفین کی مخالفت کا کچھ خوف نہیں کیا اور دوبارہ لوگوں کو جمع کر کے اپنی تقریر اس درخواست کے ساتھ ختم کی کہ تم میں سے کون شخص میرے اس بار گراں کے برداشت کرنے میں میری مدد کرے گا تاکہ وہی میرا وزیر اور خلیفہ ہو جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ

کے وزیر و خلیفہ تھے۔ کل مجمع تعجب کے ساتھ سکوت میں ہو گیا۔ اور کسی کو اس مجوزہ خطرناک عہدے کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن نوجوان بہادر علیؑ نے اٹھ کر اور للکار کر کہا کہ اے رسولؐ میں آپ کی مدد کروں گا۔ اگرچہ میں در حقیقت ان لوگوں سے کم سن ہوں اور میری طاقتیں ان لوگوں کے مقابلے میں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ اے رسولؐ میں ان لوگوں پر آپ کا خلیفہ ہوں گا۔ یہ سن کر محمدؐ صاحب نے اپنا ہاتھ اس نوجوان علیؑ کی گردن پر رکھ کر اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر باآواز بلند کہا کہ دیکھو میرے بھائی وزیر اور خلیفہ کو۔ اس طرح آغاز کر کے محمدؐ صاحب نے عام طور پر مکہ میں وعظ کہنا شروع کیا اور روز بروز اپنے معتقدین کی تعداد کو زیادہ کرتے رہے۔
(کتاب اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن مولفہ ڈیون پورٹ)

مسٹر واشنگٹن ایرونگ نے لکھا ہے۔ محمدؐ صاحب نے باوجود اپنی پہلی کوشش میں ناکامیاب ہونے کے دوبارہ لوگوں کو جمع کیا اور کہا جس خدا نے تم لوگوں کو افضل ترین نعمتیں عطا کی ہیں۔ اُسی کے نام سے میں تم لوگوں کے پاس دنیا کی برکتیں اور آئندہ کی خوشیاں لایا ہوں۔ تم میں سے کون شخص میرا بھائی، میرا خلیفہ اور وزیر ہو گا؟ یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے۔ بعض تعجب کرتے تھے اور بعض بے اعتقادی اور تمسخر سے ہنستے تھے۔ آخر کار علیؑ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبر کے حضور میں عرض کیا کہ میں موجود ہوں۔ محمدؐ صاحب نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کی گردن میں ڈالا اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر باآواز بلند فرمایا کہ میرے بھائی، میرے وزیر اور میرے خلیفہ کو تم سب لوگ دیکھ لو۔ اور تم لوگ اسکی ہر بات ماننا اور اس کی فرمانبرداری کرتے رہنا۔ نوجوان علیؑ کی جرأت اور مستعدی پر قریشیوں نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر اس کم سن خلیفہ کے باپ (ابو طالب) کو اپنے لڑکے کے سامنے جھکنے اور اُس کی فرمانبرداری کرنے پر چوٹ کی۔" (کتاب

محمد اینڈ ہز سکسر ز مولفہ واشنگٹن ایر ڈنگ)

مشہور مورخ ایڈورڈ گبن نے لکھا ہے۔ محمدؐ صاحب اعلان دعوت میں تامل کرتے رہے لیکن چھٹے برس انہوں نے اعلان اپنی رسالت کی طرف عام دعوت فرمائی اور تصدیق وحدانیت کا نور پھیلانے کے خیال سے انہوں نے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا اور ان کے کھانے کے لئے سامان ضیافت مہیا فرمایا بعدہٗ اُن لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ اے دوستو۔ اے عزیزو میں تم لوگوں کے لئے افضل ترین نعمتیں اور دنیا و آخرت کا خزانہ لایا ہوں جس کو میرے سوائے دوسرا شخص نہیں دے سکتا۔ خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اُس کی جناب کی طرف بلاؤں۔ پس کون تم میں سے میرے اس کام میں میرا رفیق۔ وزیر ہوگا۔ مگر آپ کی اس بات کا جواب کچھ نہ دیا گیا یہاں تک کہ وہ حقارت، رشک اور تعجب کا سکوت حضرت علیؑ کی جرأت سے دفع ہوا جو ایک چہاردہ سالہ جوان تھے۔ انہوں نے عرض کی اے نبیؐ میں ہر طرح اس کام میں آپ کی نصرت و رفاقت کے لئے حاضر ہوں۔ میں مخالفین کی آنکھیں نکال لوں گا۔ اُن کے دانت توڑ ڈالوں گا۔ ان کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ اے نبیؐ میں حضور کی وزارت کے لئے حاضر ہوں۔ محمدؐ صاحب نے علیؑ کی درخواست کو جوش کے ساتھ قبول فرمایا۔ اور حاضرین نے ابوطالب کو اپنے لڑکے کے اس اعلیٰ عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے۔" (ڈکلائن آف رومن امپائر از مسٹر گبن)

مسٹر ٹامس لائل سابق اسسٹنٹ ڈائرکٹر آپوڈ مجسٹریٹ بغداد نے لکھا ہے۔ وفات رسولؐ پر اس بزرگ ہستی کے ساتھ جس میں نبرد آزمائی کے جوہر موجود تھے۔ قدیم اختلافات اور رشک و عناد جلد ظاہر ہونے لگے ابوبکرؓ کا خلیفہ ہو جانا۔ اتحاد کو قائم نہ رکھ سکا۔ وہ خود اور ان کے جانشین لوگوں میں یک جہتی پیدا نہ کر سکے۔ ان کی خلافت میں کوئی غیبی مدد شامل نہیں

تھی اور اُن میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ معمولی انسانوں سے زیادہ سمجھے جاتے سوائے اُن کے بعض خاص واقعات کے۔ اب ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو سب سے اعلیٰ ہو اور بلاشبہ عام طور پر ہادی تسلیم کر لی جائے اور جس پر ہر کہ ومہ کی نظر پڑے۔ بالآخر ایسا ہادی امام علیؑ کی صورت میں ان کو مل گیا۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک امت جس کو خدا نے کامل وحی کے ساتھ مخصوص کیا ہو جو انہیں میں سے ایک خدائی پیغمبر کے ذریعہ سے پہونچتی رہی ہو۔ اب بالکل کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دی جائے اور معمولی آدمی ان کی ہدایت کریں۔ علاوہ بریں سیاسی اختلافات اور باہمی بغض وعناد کی وجہ سے ضرورت تھی کہ کوئی ہادی خدا کا منتخب کردہ ان لوگوں کو ملے۔ لیکن بالآخر اس خواہش کا خاتمہ ان واقعات نے کر دیا۔ جو قتل علیؑ وحسنؑ اور میدانِ کربلا میں شہادتِ حسینؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ اگر اسلام کا پیشوا حسب ہدایت خدا کام کرنے والا ہو تو وہ پیغمبر کے خاندان کا ممبر ہونا چاہیئے علیؑ کی ذاتی شہرت میدان کارزار میں بہادری پیغمبرؐ کی اطاعت اور سب سے بالاتر پیغمبرؐ سے رشتہ داری (کیونکہ وہ پیغمبرؐ کے داماد اور چچا زاد بھائی تھے) ان تمام باتوں نے ظاہر کر دیا۔ کہ وہ خدائی منتخب کردہ امام۔ نمونہ رسولؐ۔ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ تھے۔ اور ان کے جانشین اسی قسم کے خدا والے ہونے چاہئیں۔ اس اصول کی ترقی قابلِ ذکر تھی۔ اس کا تدریجاً پتا لگانا ممکن نہیں تھا۔ لیکن امام کی جو صفت آج شیعوں کے نزدیک ہے۔ اس سے یہ مطلب بخوبی واضح ہو سکتا ہے۔" (مسٹر موصوف کی کتاب النس اینڈ وائس آف میسور پوٹیمیا مطبوعہ ۱۹۲۳ء)

مسٹر واشنگٹن ایروِنگ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے۔ قریب کی فتح نے عائشہ کی سازش یا اتفاق کو توڑ دیا۔ اور مملکت مصر۔ عرب و فارس پر بالکل علیؑ کا قبضہ ہو گیا۔ تاہم اُس کا نہایت مہیب دشمن غیر مغلوب باقی رہا۔

معویہ بن ابو سفیان نے شام کے دولت مند اور آباد صوبہ پر اپنی حکومت قائم رکھی اور اُس کے پاس بے انتہا خزانہ تھا اور اُس کے زیر حکم قومی فوج تھی۔ اہلِ شام اُس کے طرفدار تھے۔ کیونکہ معویہ نے اُن کو یہ تعلیم دے کر کہ قتلِ عثمان علیؑ کے اشارے سے ہوا علیؑ کی خلافت سے انکار کر دیا تھا۔ تاہم اپنے آپ کو سلطنت کے زور سے مستحکم کرنے کے علاوہ اُس نے عمرو عاص سے عہد و پیمان کر لیا جس کو کہ علیؑ نے صوبہ مصر سے معزول کر دیا تھا۔ اور ناراض ہو کر اس وقت فلسطین میں مقیم تھا۔ یہ امر قرار پاگیا کہ علیؑ کی معزولی میں عمرو عاص معویہ سے متفق رہے تو انعاماً اپنے سابق عہدہ پر بحال کیا جاوے۔

عمرو عاص نے ایک جاں نثار فوج کے ساتھ دمشق جانے میں جلدی کی اور عوام الناس کو موافق مقصد پختہ دل پا کر فوجی مجمع کے روبرو معویہ کی اطاعت قبول کر لی اور ہجوم کی آوازوں سے اُس کو خلیفہ مشہور کیا۔ علیؑ نے جب اس کے عہد و پیمان کو سُنا اُسے جملہ دل پسند ذرائع سے (یعنی رضامندی سے) بے فائدہ معویہ کے حسد کو روکنے کا قصد کیا اور کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ جب نوّے ہزار فوج کے ساتھ لڑائی کے واسطے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ عرب جو کہ عادتاً عجائب و غرائب کے شائق ہوتے ہیں حسب عادت شگون لے کر حدودِ شام میں داخل ہوئے۔ علیؑ نے اپنی فوج کو بجائے بے آب میں ٹھہرا کر ایک عیسائی راہب کو جو قریب کے دیر میں رہتا تھا حکماً بلایا اور اُس سے پانی کا کنواں بتلانے کی استدعا کی۔ راہب نے بیان کیا۔ کہ یہاں صرف ایک حوض ہے جس میں تین ڈولچی آب باراں بھی نہیں رہتا ہے۔ علیؑ نے بیان کیا کہ یہاں زمانہ سابق میں چند انبیاء بنی اسرائیل کے مکان تھے۔ اور انہوں نے یہاں ایک کنواں کھودا تھا۔

راہب نے جواب دیا کہ بے شک یہاں ایک کنواں موجود ہے۔ مگر وہ مدت دراز سے بند ہے۔ اور اس کے تمام نشان غائب ہو گئے ہیں۔ اور اب وہ اُس کے ہاتھ سے کھولا جائے گا۔ جس کو خاص خدا نے مقرر کیا ہے۔ اور یدُاللّٰہ سے ظاہر ہو گا۔ عرب کی حدیث یہاں بیان کرتی ہے۔ کہ اس کے بعد ... اس نے ایک لپٹی ہوئی چمڑے کی وصلی نکالی جس میں کہ شمعون بن صفا نے جو کہ جیسس کرائسٹ (حضرت عیسیٰؑ) کے بارہ حواریّین میں سے تھا یہ پیشین گوئی لکھی تھی کہ محمدؐ آخری پیغمبر تشریف لائیں گے اور ان کا شرعی وارث اور حقیقی خلیفہ اس کنویں کو پھر کھول کر ظاہر کرے گا۔ علیؑ نے مناسب تعظیم سے اس پیشین گوئی کو سُنا۔ اس کے بعد حضار کی طرف متوجہ ہو کر اور ایک جگہ کا نشان دیکر کہا کہ یہاں کھودو۔ ان لوگوں نے کھودا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑا پتھر برآمد ہوا جس کو بمشکل علیحدہ کیا گیا اور وہ کنواں معجزہ سے ظاہر ہوا جس سے فوج نے بر محل کافی ذخیرہ پانی کا مہیا کیا اور جو کہ جائز خلافت (رسول اللہؐ) کے دعوے کا ایک بلا اعتراض ثبوت تھا۔ معزز راہب کو اعتقاد ہو گیا وہ علیؑ کے قدموں پر گر پڑا اور اُن کے زانو سے لپٹ گیا اور اس کے بعد علیؑ سے جُدا نہیں ہوا۔" (تاریخ سکسز آف محمدؐ مطبوعہ لندن ولیم کلوز اینڈ سنز لیمیٹڈ اشام فورڈ اسٹریٹ اینڈ چار جنگ کراس ص ۱۸۰ و ۱۸۱)

مسٹر اوکلی نے لکھا ہے "محمدؐ تین سال تک لوگوں کو مخفی طور پر حلقہ اسلام میں داخل کرتے رہے لیکن اس عرصہ کے بعد انہیں حکم ملا (آیتہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھائیں۔ چنانچہ آپ نے علیؑ سے ارشاد کیا کہ اپنے رشتہ داروں کو جن کی تعداد قریب با چالیس کے تھی، دعوت میں بلائیں اور ان کے سامنے ایک بھنا ہوا بھیڑی کا بچہ اور دودھ کا برتن رکھیں۔ جب وہ

لوگ کھانے پینے سے فارغ ہوئے تب محمدؐ نے وعظ فرمانا شروع کیا لیکن ابولہب کے بات کاٹ دینے پر آپ نے پھر سب کو دوسرے روز دلیسی ہی ضیافت کے لئے دعوت دی اور جب اس سے فراغت ہوئی۔ تو آپ نے ان الفاظ میں اُن لوگوں کو مخاطب کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ جو تحفہ میں تمہارے لئے لایا ہوں عرب میں کوئی شخص اس سے بہتر ہدیہ پیش کر سکتا ہے۔ میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت دونوں کی بہتری پیش کرتا ہوں خدا نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ تمہیں اُس کی طرف بلاؤں۔ بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں وزیر میرا بھائی اور میرا خلیفہ ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ایک مہرِ سکوت تھی جو سب کے لبوں پر لگی رہ گئی کہ دفعتہً علیؑ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا۔ اس خدمت کو میں انجام دوں گا۔ جو لوگ آپ کی مخالفت کریں گے۔ میں اُن سب کے دانت اکھاڑ ڈالوں گا۔ اُن کی آنکھیں نکال لوں گا۔ اُن کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ اُن کے پاؤں توڑ ڈالوں گا۔ ان زحمات میں آپ کا وزیر (ہاتھ بٹانے والا) میں ہوں گا۔ اس جواب پر خدا کے رسولؐ نے علیؑ کو گلے سے لگا لیا۔ اور پکار کر کہہ دیا۔ کہ دیکھو یہی میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے۔ تم سب لوگ اس کی اطاعت کرنا (تاریخ عرب از مسٹر اوکلی صفحہ ۱۵ و ۱۶)

مورخ گلمن نے لکھا ہے۔ اب محمدؐ نے جیسا کہ حدیث اور سیرۃ کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے کی غرض سے اہل قریش کو کھانے پر بلایا۔ جس سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے انہیں مخاطب فرما کر یہ ارشاد کیا کہ کسی عرب نے کبھی اپنے لوگوں کو ایسے بیش بہا فوائد عطا نہیں کئے ہیں۔ جیسے میں تمہیں پیش کرتا ہوں۔ یعنی اس دنیا میں مسرت اور آخرت کی دائمی عافیت۔ اللہ نے مجھے مامور کیا ہے۔ کہ لوگوں کو اُس کی طرف بلاؤں۔ اب تم میں سے کون ہے جو اس مقدس کام میں

میری شرکت کرے گا اور وہی میرا بھائی اور خلیفہ ہوگا۔ تمام مجمع میں ایک سناٹا چھا گیا۔ یہاں تک کہ علیؑ جو اُن سب میں چھوٹے تھے۔ جوش میں بول اُٹھے۔ اے اللہ کے رسولؐ میں حاضر ہوں۔ میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔ اس جواب پر محمدؐ نے علیؑ کو گلے سے لگا لیا۔ اور لوگوں سے پکار کر کہا دیکھو یہی میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم لوگ ان کی باتیں بغور سُننا اور ان کے احکام ماننا کرنا۔ (تاریخ عرب از گلمن ص ۸۲-۸۳)

مسٹر ایرونگ نے دوسری جگہ لکھا ہے۔ "تتمہ کلام میں ہم علیؑ کے اعلیٰ خصائل اور مکارم اخلاق پر کسی رائے زنی کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ آپ کے لکھے ہوئے تمام سوانح زندگی میں اس پر پوری بحث اور اس کی کافی وضاحت ہو چکی ہے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ بہترین اور سب سے افضل تھے۔ انہیں خود پیغمبر صاحب کی صحبت اور رفاقت نے دین کے نشہ سے سرشار کر دیا تھا۔ اور اپنی زندگی کے آخر وقت تک رسولؐ کی سادہ اور زاہدانہ معاشرت کی پیروی کرتے رہے۔ آپ کا بہت عزت و احترام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے علوم و فنون کی بڑی حمایت اور حفاظت فرمائی۔ آپ کو خود بھی شعر گوئی کا پورا مذاق تھا۔ اور آپ کے بہت سے حکیمانہ مقولے اور ضرب المثلیں اس وقت تک لوگوں کے زبان زد ہیں۔ اور مختلف زبانوں میں اُن کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے (کتاب خلفاء رسولؐ از ایرونگ ص ۱۸۷)

مسٹر اوکلی نے اور ایک جگہ لکھا ہے "تمام مسلمانوں میں بالاتفاق علیؑ کی عقل و دانائی کی شہرت ہے۔ جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے "صد کلمات" ابھی تک محفوظ ہیں۔ جن کا عربی سے نثر کی اور فارسی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ ماسوائے اس کے آپ کے اشعار کا دیوان بھی ہے۔ جس کا نام انوار الاقوال ہے۔ اور بوڈلین لائبریری (کتب خانہ) میں آپ کے اقوال کی ایک بڑی کتاب

موجود ہے جس کا نمونہ اس تاریخ میں شامل ہے۔ لیکن آپ کی مشہور ترین تصنیف "جفر و جامعہ" ہے جو ایک وصلی پر ایک بعید الفہم خط میں جس کے ساتھ اعداد و ہندسے بھی شامل ہیں لکھی ہوئی ہے یہ ہندسے ان تمام عظیم الشان واقعات کو جو ابتدائے اسلام سے رہتی دنیا تک ہونے والے ہیں۔ یا ان پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ وصلی جو آپ ہی کے خاندان میں بطور امانت رہی ہے اس وقت تک پڑھی نہیں جا سکی ہے۔ البتہ امام جعفر صادقؑ اس کے کچھ حصہ کی تشریح و تفسیر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے مطالب کا مکمل حل بارھویں امامؑ کے لئے مخصوص ہے جن کا لقب آپ کے فضل و کمال کے باعث مہدی (بڑے ہدایت کرنے والے) ہے۔ علاوہ ان کتابوں کے جن کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں، متعدد مصنفین کی کتابوں میں ہم کو بہت جملے اور کلمات حکمت علیؑ کے نام سے ملتے ہیں۔۔۔ اس جلیل القدر کی خاص خاص یادگار زمانہ داستانیں ہیں۔ اگر ان تمام خارق عادت لکھے ہوئے قصوں سے جو آپ کے بارے میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ قطع نظر بھی کر لی جائے۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ اور آپ کا صرف آپ کی جرأت و ہمت۔ خصلت۔ مزاج۔ پرہیزگاری اور فہم و دانست سے اندازہ کیا جا سکے جب بھی اُس قوم عرب میں جو عظیم الشان شخصیتیں گزری ہیں اُن میں آپ سب سے ممتاز تھے (تاریخ عرب از مسٹر اوکلی صفحہ ۳۳۲ تا صفحہ ۳۳۴)

مورخ گبن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے۔ وہ حضرت علیؑ اس لحاظ سے بھی قابل احترام ہیں۔ کہ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ تھے۔ جنہوں نے علم اور فن کی کتابت کی پرورش کی اور حکمت سے مملو اقوال کا ایک بڑا مجموعہ آپ کے نام سے منسوب ہے۔ اگر وہ واقعی آپ ہی کی عقل و فکر اور علم و دماغ کے نتائج ہیں تو یقیناً آپ کا قلب و دماغ ہر شخص سے خراج تحسین وصول کرتا رہے گا۔ آپ کے متعلق بہت

سے دلچسپ اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات لکھے ہوتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا قلب و دماغ مجسم نور تھا۔ جب ہم زوج فاطمہؑ کے حسرت ناک انجام پر پہنچتے ہیں تو اپنے جذبات سے مجبور ہو جاتے ہیں کہ تھوڑی دیر توقف کر کے ان کی گزشتہ زندگی پر ایک نگاہ ڈالیں اُس روز سے جب عنفوان شباب میں علیؑ نے محمدؐ کے پیرو ہونے کا مسلم ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اور غور کریں۔ اس استقلال مزاج پر جس کے ذریعہ آپ اُس مقصد پر اڑے رہے۔ جو محض وقتی آمد کا نتیجہ معلوم ہوتا تھا۔ ہم یاد کرتے ہیں اُس امداد کو جو آپ نے ہجرت کے وقت محمدؐ کو دی۔ وہ شجاعانہ جنگی کارنامے جو بعد اس کے وقوع پذیر ہوئے ابوبکر کی بیعت خلافت کو خود قبول کرنے میں پس و پیش کو جانتے تھے کہ اس عہد کی عزت ان کا حق تھی اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی زندگی حسرت و آلام و شکست سے مملو تھی۔ آپ نرم دل، متحمل مزاج، دنیوی لذت و عافیت سے بے پروا اور بے فکر تھے۔ مخالفت اور انتقام کو طرح دینے کے عادی تھے۔ صلاح و مشورہ میں آپ کی دانائی اور پر مغز نکتہ سنج ضرب المثال کے ایجاد میں آپ کی مسلم اور مشہور فراست بہت ہی اعلیٰ پایہ کی تھی۔" (تاریخ عرب از گبن ص ۲۸۶، ۲۸۷)

مورخ گبن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے "امیر شام (معویہ) بھاگنے کی تدبیر سوچنے لگا تھا لیکن علیؑ کے قبضہ سے بہ سبب ان کے سپاہیوں کی نافرمانی اور جوش و خروش کے فتح جو یقینی تھی نکل گئی۔ معویہ نے قرآن مجید کے نسخوں کو نیزوں پر بلند کر کے لوگوں کو سنجیدگی سے اُن کی طرف رجوع کیا۔ اس سے ان کے قلوب مرعوب ہو گئے۔ اور اس طرح علیؑ کو ایک نامعقول اہانت آمیز مہلت جنگ اور عیارانہ مصالحت پر مجبور کر دیا گیا۔ وہ جناب غم و غصہ سے بھرے ہوئے کوفہ کی جانب

واپس چلے آئے۔ (تاریخ زوال سلطنت روم از گبن جلد ۳ ص ۵۲۲)

مورخ ایر دنگ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے۔ مالک اشتر معویہ کے خیمہ گاہ تک پہونچ کر اپنی فوج کو بڑھا رہے تھے۔ معویہ کی امیدیں منقطع ہو گئی تھیں۔ کہ دفعتہً عمرو عاص نے ایک ایسی تدبیر سوچ لی جو مسلمانوں کے مذہبی توہمات پر مبنی تھی۔ دفعتہً شامیوں نے قرآن کو اپنے نیزوں پر بلند کر لیا اور چلا اٹھے خدا کے کلام کی طرف دیکھو اور آؤ اسی سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کر لیں۔ اس کے سنتے ہی علیؑ کے سپاہیوں نے فوراً اپنے ہتھیاروں کی نوکوں کو نیچے کر لیا۔ اور علیؑ کا یہ کہنا کہ یہ سب فریب ہے اور کوشش کرنا کہ انہیں آگے بڑھائیں بالکل بے سود ثابت ہوا۔ وہ لوگ چلانے لگے کہ کیا آپ کلام خدا کے فیصلہ پر راضی ہونے سے انکار کرتے ہیں؟ علیؑ نے دیکھا کہ اپنی بات پر اصرار کرنے سے اُن کے جوش عصبیت سے اور تصادم ہوگا۔ اور ایک طوفان اپنے سر پر بپا ہو جائے گا۔ اس لئے چار و ناچار آپ نے پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا لیکن مالک اشتر کو واپس بلانے میں متواتر جھکولوں کی ضرورت پیش آئی اور جب یہ آئے تو خنجر سے خون ٹپک رہا تھا اور گویا خود ہی اپنی بوٹیاں نوچ رہے تھے کہ ایک عظیم الشان فتح عیاری کے ہاتھوں چھین لی گئی۔ (تاریخ خلفاء محمد ص ۱۸۲ و ۱۸۳)

مورخ مذکور نے دوسری جگہ لکھا ہے "علیؑ محمدؐ کے ابن عم اور رسولؐ کی اکلوتی بیٹی فاطمہؑ کے شوہر تھے۔ قرابت کے لحاظ سے خلافت علیؑ ہی کا حق تھا۔ آپ کے فضائل و مناقب اور آپ کی اسلامی خدمات آپ کو اس عہدہ کا بدرجہ اتم مستحق ثابت کر رہی تھیں۔ آپ کی عالی ہمت سرگرمی اور جوش کے پہلے ہی بار پھوٹ پڑنے (اظہار) پر جب کہ دین اسلام تمسخر اور ایذا دہی کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ محمدؐ نے آپ کو اپنا بھائی اور اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اور اُسی وقت سے آپ نے قول و فعل سے

اپنی ذات کو رسولؐ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور اسلام کو اپنی بلند ہمتی اور اولوالعزمی سے اتنی ہی عزت بخشی جتنی اپنی بہادری سے اُس کی حفاظت کی۔ پھر لکھا ہے۔ بہر کیف جب کہ علیؑ اور آپ کے دوست خانۂ فاطمہؑ میں سرگرم مشورہ تھے ان کو بالکل بے خبر رکھ کر بہت سے سربرآوردہ مسلمان ایک جگہ مجتمع ہوئے تاکہ خلافت کے مسئلہ کو آپس میں طے کر ڈالیں۔ اس مجمع میں سب سے ممتاز دو شخص ابوبکر اور عمر تھے۔ اس مجمع کا پہلا کام اس امر کا اعلان کرنا تھا۔ کہ اسلام کی حکومت موروثی نہیں بلکہ انتخابی ہونا چاہیئے۔ اور اس طرح علیؑ کے حقوق کو جو قرابت پر بھی مبنی تھا۔ فوراً ضائع کر دیا۔ اور معاملہ خلافت کو لوگوں کے انتخاب پر چھوڑ دیا۔ اس کی توجیہہ خاندان قریش کی شاخ عبدالشمس کے حسد سے کی گئی ہے۔ ان کو خوف تھا کہ اگر علیؑ کے حقوق تسلیم کر لئے گئے تو حکومت کا اقتدار مانند کعبہ کی محافظت کے ہاشم کے مغرور خاندان میں ہمیشہ کے لئے مخصوص ہو جائے گا۔ بعض لوگ اس امر میں عائشہ کی پر فتن معاندانہ اثر کو دیکھنے کے لئے مدعی ہیں۔ اس کے بعد عمر یکایک اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوبکر کی طرف بڑھے اور یہ کہہ کر ان کا خیر مقدم کیا کہ آپ ہی سب سے پہلے سب سے بہتر سب سے زیادہ جانے بوجھے ہوئے۔ پیغمبر کے پیرو ہیں اور آپ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے بیعت کے طور پر ابوبکر کا ہاتھ چوما اور بادشاہ سمجھ کر اطاعت کرنے کی قسم کھائی۔ عمر کا اتباع فوراً دوسروں نے کیا۔ اور اس طرح ابوبکر سردار تسلیم کر لئے گئے۔ عمر اس کے بعد منبر پر گئے۔ اور بولے کہ اس کے بعد اگر کوئی شخص بلا عوام کی آواز کے شاہی اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینے کی جسارت کرے گا۔ تو اُس کی سزا موت ہوگی۔ اور علی ہذا القیاس اُن سب کی جو ایسے شخص کو مقرر کرے گا۔ یا اس کی پاسداری کرے گا۔ یہ بات مدعب نے فوراً مان لی اور اس طرح کسی دوسرے امیدوار کی کوششوں میں رکاوٹ ڈال دی گئی۔ اس پوری کارروائی میں

عمر نے جو پالیسی برتی وہ اگرچہ سرسری نظر میں ان کی عالی ظرفی کا دھوکا دیتی ہے لیکن (غائر نظر والوں میں) اس کی سخت نکتہ چینی کی گئی ہے اس بنا پر کہ یہ سب مکاری اور خود غرضی کی چالیں تھیں۔ تاڑنے والے اس کو سمجھ گئے کہ ابوبکر کا سن بہت ہو چکا تھا۔ کیونکہ پیغمبرؐ کی عمر کو تو وہ پہونچ ہی چکے تھے اغلب تھا کہ وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہتے۔ اس لئے اسی وقت عمر کو تھوڑے ہی دنوں بعد بر سر حکومت ہو جانے کا یقین تھا۔ اُن کی اس آخری کارروائی نے علیؑ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ علیؑ جو ان کے سب سے بڑے (رقیب) تھے جو اپنے دوستوں کے ساتھ خانۂ فاطمہؑ میں بند رہ کر اُس جلسہ کا کچھ علم نہیں رکھتے تھے جس میں آپ کی توقعات اس طرح پائمال کر دی گئیں پھر لکھتے ہیں کہ محمدؐ کی خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق امیدوار علیؑ تھے۔ جن کا دعویٰ سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم اور جن کا حق سب سے زیادہ فطری تھا۔ کیونکہ یہ محمدؐ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اور فاطمہؑ سے اُن کی جو اولاد تھی۔ صرف وہی رسولؐ کی یادگار رہ گئی تھی (تاریخ خلفاء، محمدؐ از ایرونگ صفحہ ۱۶۵)

آنریبل مسٹر ٹاٹیلر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ محمدؐ نے خود اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا تھا۔ لیکن آپ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنی سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔ (ایلیمنٹس آف جنرل ہسٹری مطبوعہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۲۲۹) انسائکلوپیڈیا برٹانیکا میں یہ بھی ہے کہ رسولؐ کے بعد اسلام کی سرداری کا دعویٰ علیؑ کو زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا۔" (منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۶)

مسٹر سٹڈیو نے لکھا ہے اگر قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول علیؑ کے موافق مانا جاتا تو وہ برباد کن جھگڑے پیدا ہی نہیں ہوتے جنہوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا۔ (اسپرٹ آف اسلام از مسٹر سٹڈیو

مورخ فرانس منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صـ۲۶)

مصنف بریف سروے نے لکھا ہے "علیؑ ۶۵۵ء میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے جو حقیقت کے لحاظ سے ۲۴ سال قبل رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی ہونا چاہیئے تھا۔ (بریف سروے آف ہسٹری منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صـ۲۶)

مورخ گبن نے ایک اور جگہ لکھا ہے۔ اگرچہ قاتل دروازے پر نگہبانی کر رہے تھے۔ مگر وہ دھوکے میں آ کر علیؑ کو محمدؐ سمجھے ہوئے تھے جو رسولؐ کے بستر پر ان کی سبز چادر اوڑھے سو رہے تھے۔ صرف قبیلہ قریش ہی کے لوگوں نے اس نوجوان ہیرو (علیؑ) کے اس اعلیٰ درجے کے کام کو جس سے ثابت ہو گیا کہ اُس کے دل میں اپنے چچازاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے قابل قدر خیال نہیں کیا بلکہ خود اُس کے چند اشعار جو اب تک مشہور ہیں اُس قومی یقین کی جو اُس کو اپنے مذہب کا تھا۔ نیز اس فکر و تردد کی جو اُس کو اپنے مذہب کے متعلق تھا۔ اور نیز اس فکر و تردد کی جو اُس کو اپنے چچازاد بھائیؐ کے باب میں تھا۔ ایک دلچسپ تصویر ہیں۔ (منقول از اعجاز التنزیل صـ۴۸)

بمبئی ہائی کورٹ کے فاضل جج مسٹر آرنولڈ نے ایڈووکیٹ جنرل بنام محمد حسین خوجہ کے مشہور مقدمہ میں جو ایک نہایت عالمانہ فیصلہ لکھا تھا۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے "الغرض علیؑ کی شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ عظیم پڑ گیا۔ علیؑ کو سب لوگ دل سے دوست رکھتے تھے اور وہ اسی قابل تھے۔ اس زمانے میں بھی جب کہ شجاعان عرب شہرۂ آفاق تھے ضرغام آلِ ابوطالب اسد اللہ الغالب اُن کا لقب تھا۔ اور ان کو اشجع العرب کہتے تھے۔ شجاعت۔ حکمت۔ ہمت۔ عدالت۔ سخاوت۔ زہد اور تقویٰ میں علیؑ کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔" (لاء رپورٹ بمبئی

جلد دوازدہم ۔ منقول از امجاز التنزیل ص ۲۶)

اور مسٹر ڈیون پورٹ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے ۔ ان دو فرقوں سُنّی اور شیعہ میں سے ایک نے محمدؐ کے عم زاد بھائی اور داماد علیؑ سے جیسا کہ مقتضائے مزید انصاف و حمیت ہے تولا رکھی ۔ بایں نظر کہ آن حضرتؐ ان سے ہمیشہ محبت و الفت علانیہ رکھتے تھے ۔ اور چند مرتبہ ان کو اپنا خلیفہ بھی ظاہر کر دیا تھا ۔ علی الخصوص دو موقعوں پر (۱) جب آنحضرتؐ نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علیؑ نے باوصف تمسخر و توہینِ کفار اپنا ایمان لانا ظاہر کیا ۔ حضرتؐ نے اپنی باہیں اس جوان کے گلے میں ڈال کر چھاتی سے لگا کے باآواز بلند کہا ۔ دیکھو میرے بھائی ، میرے وصی اور میرے خلیفہ کو " اور (۲) دوسرے جب آنحضرتؐ نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا ۔ بحکمِ خدا جس کو جبریل آں حضرتؐ کے پاس لائے تھے ۔ اور یوں کہا تھا ۔ ۔ ۔ کہ اے پیغمبرؐ میں خدا کی طرف سے آپ پر صلوات و رحمت لایا ہوں اور اس کا حکم آپ کے پیرووں کے نام جس کو آپ بغیر تاخیر کے سنا دیجئے ۔ اور شریروں سے کوئی خوف نہ کیجئے ۔ اس واسطے کہ وہ خدا توانا ہے اور آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا ۔ بموجب اس حکم کے آں حضرتؐ نے انس سے کہا کہ لوگوں کو جمع کرے ۔ جس میں آنحضرتؐ کے پیرو اور یہودی اور نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوں ۔ یہ جمعیت ایک گاؤں کے پاس جمع ہوئی جسے غدیر خم کہتے ہیں ۔ جو نواح شہر جحفہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے ۔ پہلے اس مقام کو کل موانع سے صاف کیا گیا اور ۱۰ اپریل ۶۳۱ء کو آنحضرتؐ ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کے لئے نصب کیا گیا تھا اور جب کہ ہزاروں حاضرین نہایت توجہ سے سُنتے تھے ایک خطبہ حضرتؐ نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے " ۔ تمام حمد و ثنا

اُس یکتا خدا کو ہے جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کا علم گزشتہ و حال و آئندہ کو شامل ہے۔ اور اُس کو آدمیوں کے کل پوشیدہ اسرار معلوم رہتے ہیں۔ اس لئے کہ اُس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اگرچہ وہ بے قیاس بعید ہے تاہم سب سے قریب ہے۔ وہی وہ ہے۔ جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کیا۔ وہی ایک غیر فانی ہے اور جو کچھ ہے۔ سب اُس کی قدرت و اختیار کے تابع ہے۔ مگر اس کی رحمت و فضل سب کو شامل ہے جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے اس میں ضرور مصلحت ہوتی ہے۔ وہ گنہگاروں کے عقاب میں تاخیر کرتا ہے۔ اُس کا سزا دینا بھی رحمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اُس کی ذات کا بھید ممکنات کو معلوم ہی نہیں ہے۔ اور ہمیشہ غیر معلوم ہی رہے گا۔ آفتاب و ماہتاب اور باقی اجرام سماوی اُسی کے حکم سے اپنی راہ پر جو اُسی نے مقرر کر دی ہے چلتے ہیں۔ بعد حمد خدا واضح ہو کہ میں خدا کا صرف ایک بندۂ محکوم ہوں۔ مجھ کو حق تعالیٰ کا حکم ہوا ہے اور میں اس کی تعمیل میں بسر نیاز بکمال خضوع و ادب جھکاتا ہوں۔ تین دفعہ جبرئیلؑ میرے اوپر نازل ہوئے اور تینوں دفعہ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے سب پیروؤں سے خواہ وہ گورے ہوں خواہ کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علیؑ میرے خلیفہ اور وصی اور امام ہیں اور میرے گوشت و خون ہیں اور میرے ایسے ہیں جیسے موسیٰؑ کے ہارونؑ تھے۔ اور میری وفات کے بعد وہی تمہارے ہادی ہوں گے۔ جب میں اس دُنیا سے رحلت کر جاؤں تو میرے پیروؤں کو ان کی فرمانبرداری ایسی کرنی چاہیے۔ جیسی اطاعت میری کرتے تھے جب کہ میں تم میں موجود تھا۔ جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اُس نے درحقیقت خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی۔ اے دوستو! یہ خدا کے احکام ہیں۔ سب وحیاں جو وقتاً فوقتاً مجھ پر آئی ہیں علیؑ نے مجھ سے سیکھ لی ہیں۔ جو اس حکم کو نہ مانے گا اور علیؑ کا حکم نہ بجا لائے گا۔ اللہ کی دائمی لعنت اُس کے سر پر

مزور ہے گی۔ خدا نے قرآن کے ہر سورہ میں علیؑ کی تعریف کی ہے - میں دوبارہ کہتا ہوں کہ علیؑ میرے چچا کے بیٹے اور میرے گوشت اور خون ہیں اور خدا نے ان کو نہایت نادر خوبیاں عنایت کی ہیں - علی کے بعد ان کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ اور ان کے جانشین ہوں گے ۔

اس خطبہ کے تمام ہوتے ہی ابوبکر، عمر، عثمان، ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے علیؑ کے ہاتھ چومے اور ان کو رسولؐ کے خلیفہ مقرر ہونے کی مبارکباد دی اور اقرار کیا کہ اُن کے کل احکام کو سچے طور سے بجا لائیں گے - سنہ ۶۳۲ء میں صرف تین دن قبل اپنے انتقال کے آں حضرتؐ نے پھر اپنے تابعین کو قسم ان عقیدوں کی بزرید تاکید اس بات پر دی کہ آپ کی آل سے زیادہ تر خاص کر ہمیشہ محبت رکھیں اور اُن کی عزت و توقیر کریں - بڑے شدومد سے یوں فرمایا جو مجھ کو مولا مانتا ہو وہ علیؑ کو بھی اپنا مولا سمجھے - اللہ تائید کرے ان کی جو دوستی رکھتے ہیں علیؑ سے اور غضبناک ہو اُن پر جو ان کے دشمن ہیں - ایسے مکرر اور مصرح بیانات سے جو خود رسولؐ کے لبوں سے ادا ہوئے تھے - ایک وقت تک تو امر خلافت سے شک و شبہ بالکل دور رہا - مگر آخر میں سب کو مایوسی ہو گئی کیونکہ ابوبکر کی بیٹی اور آنحضرتؐ کی دوسری زوجہ عائشہ نے کچھ اپنے ساز باز کر کے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ لوگوں سے مقرر کرالیا - بلکہ الموت کے انتظار میں آں حضرتؐ کا عائشہ کے حجرہ میں جانا خواہ آپ کی مرضی سے ہوا ہو یا بی بی عائشہ کے حکم سے خاص کر ان کے مفید مطلب بات ہو گئی کہ آں حضرتؐ کا حکم دربارہ خلافت علیؑ لوگوں کے کانوں تک نہ پہونچنے پاتے - پس علی العموم یہ سمجھا گیا کہ رسولؐ نے بغیر اپنے خلیفہ کے متعلق آخری وصیت کیے ہوئے انتقال کیا اور اس طرح یہ بات ہوئی کہ تین خلیفوں نے پیہم رائج کیا قبل اس کے کہ علیؑ اپنے حق کو پہونچیں جیسے وہ اس قدر مستحق تھے نہ صرف بلحاظ قرابت و زوجیت فاطمہؑ دختر رسولؐ

کے بلکہ نیز بلحاظ اُن بے شمار اور بڑی خدمتوں کے جو انہوں نے مذہب اسلام کی کیں۔ یہ بھی یقین ہے کہ شاید بی بی عائشہ کی اس تدبیر کے باعثوں میں سے ایک خاصیت فرزندی ہو کہ اپنے باپ کے خلیفہ ہونے میں اعانت کی۔ مگر بے شک و شبہ نہایت قوی باعث اس کا علیؑ کی طرف سے پُرانا بغض و کینہ تھا جس کا سبب قصہ افک تھا۔ اس میں علیؑ کی یہ رائے کہ بی بی عائشہ کی تحقیقات کی جائے اس کو وہ کبھی نہیں بھولیں اور کبھی درگزر نہیں کی بلکہ اس کے عوض ہمیشہ علیؑ کو ستایا کیں۔ اور ایسا انتقام لیا کہ مثل اس کے کسی نے نہ لیا ہو گا۔

اس کے بعد ڈیون پورٹ نے سقیفہ میں حضرت ابو بکر کے خلیفہ بننے کی روایت ...... اور حضرت عمر کے حضرت فاطمہؑ کا گھر پھونکنے کے لیے دھمکی دینے کا حال ذکر کر کے لکھا ہے کہ عمر کے اس طرح جری بلکہ بیباکانہ کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابو بکر چونکہ سن رسیدہ ہیں وہ بعد رسولؐ غالباً بہت دن زندہ نہیں رہیں گے انہوں نے امید کی کہ ٹھیک ترکیب سے وہ خود ابو بکر کے خلیفہ ہو جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس عہدہ سے علیؑ کو خارج کر سکیں۔ کہ وہی ایک ان کے مقابل تھے۔ جس سے ان کو کسی وجہ سے خوف کرنا پڑتا تھا۔ (کتاب خلافت منقول از تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵)

مورخ گبن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے علیؑ کی ولادت فضیلت خاندان اور قرابت انہیں اپنے ہم وطنوں سے زیادہ بلند مرتبہ ٹھہراتی تھی۔ اور عرب کے خالی تخت کے لئے اُن کا حق جائز ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ رسولؐ اب زندہ نہ تھے لیکن فاطمہؑ کا شوہر ان کے باپ کی میراث اور دعا کی امید کر سکتا تھا۔ عرب اکثر اوقات عورتوں کی حکومت سے راضی رہے ہیں۔ رسولؐ نے اپنے دونوں نواسوں کو گود میں

پالا تھا اور منبر سے لوگوں کو دکھایا تھا۔ کہ یہ سرداران جوانان بہشت اور میری زندگی کی امیدیں ہیں۔ علیؑ میں شاعر، سپاہی اور ولی ہونے کی صفتوں کا مجموعہ تھا۔ اس کی عقل اب تک اخلاقی ضرب الامثال سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا ہر دشمن تلوار سے لڑے یا زبان سے اُس کی جرأت وفصاحت سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ اسلام کے شروع سے تجہیز وتکفین کے آخری کام تک اس عالی ہمت دوست نے رسولؐ کو نہیں چھوڑا۔ رسولؐ نے اُسے خوشی سے اپنا بھائی خلیفہ اور دوسرے موسیٰؑ کا ہارون کہا۔ ابن ابی طالبؑ کو لوگوں نے آخر میں طعنہ دیا۔ کہ اپنے فائدہ کے لحاظ کے لیے اپنے حق کا اظہار نہیں کیا۔ جس سے کل رقابت ختم ہو جاتی اور حکم خدا سے خلافت پر مہر ہو جاتی ہے[1]۔ لیکن اُس غیر متوہم مرد میدان کو اپنے اوپر بھروسا تھا۔

---

[1] حکم خدا سے تو خلافت پر مہر ہو ہی چکی تھی۔ خدا نے قرآن مجید میں صاف فرما دیا ہے۔ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ میں ہی زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (پ ۱ رکوع ۴) یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض اے داؤد تم کو زمین میں خلیفہ میں نے مقرر کیا ہے (پ ۲۳ ع ۱۱) حضرت ابراہیمؑ سے بھی خدا نے فرمایا۔ انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین میں ہی تم لوگوں کو امام بناؤں گا۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا ہاں مگر میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں مل سکتا (پ ۱ ع ۱۵) غرض جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہو سکتا بالکل اسی طرح انسان کے انتخاب سے کوئی شخص نہ خلیفہ رسول ہو سکتا ہے نہ امام زمانہ۔ یہی عقل کا حکم ہے اور خدا کا فیصلہ بھی اُس نے صاف کہہ دیا ہے۔ ما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم

سلطنت کا حسد اور مخالفت کا خوف ممکن تھا۔ کہ رسول کے ارادہ کو معلق رہنے دیتا کیونکہ رسول کے بسترِ علالت کو پُر فن عائشہ نے جو علیؑ کی دشمن اور ابوبکر کی بیٹی تھیں محصور کر رکھا تھا۔ (زوال سلطنت روم منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۲۶)

اس قسم کی تحریریں بہت کثرت سے ہیں۔ باوجود ایسی واضح حقیقت کے جب آپ نے لکھا ہے کہ قولِ رسول کے مطابق صحابہ کبار دنیا کی طرف متوجہ ہو گئے اور خلافت پر قبضہ کر لیا تو حضرت نے وصیت رسول کے مطابق صبر کر لیا۔ مگر اس پر بھی وہ لوگ راضی نہیں ہوئے بلکہ آپ پر بیعت کے لئے نہایت سختی کی۔ حضرتؑ کو گھر سے نکالنے کی کوشش کی حضرت عمرؓ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴

الخیرۃ من امرھم۔ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی امر طے کر دیں۔ تو کسی کو اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے امور کے لئے کسی کا انتخاب کرے۔ (پ ۲۲ ع ۵/۲) ربک یخلق مایشاء و یختار۔ ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ تعالیٰ عما یشرکون۔ تمہارا رب ہی پیدا کرتا اور جس کو چاہتا ہے۔ (نبوت اور خلافت کے لئے) منتخب کر لیتا ہے۔ کیونکہ انتخاب کا اختیار خدا نے لوگوں کو نہیں دیا ہے۔ یہ لوگ جو خدا کے کاموں میں شریک ہونا یا شریک کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ اس سے برتر ہے (پ ۲ ع ۷/۱) ان آیات کی وجہ سے بھی خدا کا فرض تھا کہ حضرت رسول خدا کا خلیفہ وہی مقرر کرے۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق حضرت رسولِ خدا نے نبوت کے چوتھے ہی سال پورے مجمع میں اعلان کر دیا کہ یہی علیؑ میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب لوگ ان کی اطاعت کرتے رہنا (دیکھو ص) خدا نے قرآن مجید میں بھی حضرت علیؑ کی خلافت ذکر کر دی ہے فرمایا ہے۔

نے آگ لکڑی منگائی اور کہا خدا کی قسم تم نہیں نکلو گے تو اس گھر کو اور جو
لوگ اس میں ہیں سب کو پھونک ڈالوں گا۔ کسی نے کہا اے عمر اس گھر
میں تو فاطمہ بھی ہیں، کہا ہوا کریں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸۔ مروج الذہب
جلد ۹ صفحہ ۱۲۹ ملل ونحل جلد ۱ صفحہ ۲۵۔ استیعاب جلد ۳ صفحہ ۳۴۵ ابوالفدا جلد ۱
صفحہ ۱۵۶ عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ وغیرہ) حضرت نے جواب دیا کہ میں نے قسم
کھائی ہے۔ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں گا۔ سوائے نماز کے روا دوشش
پر نہیں ڈالوں گا۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے۔ کہ کلام الٰہی کا کوئی حصہ لوگوں
کے دلوں سے محو نہ ہو جائے۔ غرض حضرت نے خلفاء ثلثہ سے کسی کی
بھی بیعت نہیں کی۔ اور ان سے لڑنا بھی پسند نہیں کیا۔ ابوسفیان کہتا
تھا۔ اے علی اگر تم خلافت کے لئے کوشش کرنی چاہو تو میں تمہاری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵

انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذی یقیمون الصلوٰۃ
ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ اے ایمان والو تمہارے سرپرست
حاکم تو بس یہی ہیں خدا۔ اس کا رسول اور وہ مومنین جو نماز قائم رکھتے اور
حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں (پ ۶ ع ۱۲) یہ آیت باتفاق مفسرین
شیعہ وسنی حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ایک روز حضرت رسول
خدا مسجد میں نماز ظہر پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک فقیر آیا اور سوال کیا مگر کسی نے
کچھ نہیں دیا۔ جناب امیر رکوع میں تھے۔ حضرت نے اس کی طرف اپنے
داہنے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا۔ کہ یہ انگوٹھی لے لے جو بہت قیمتی تھی
اس سائل نے اس کو اتار لیا۔ اس پر حضرت رسول خدا نے دعا کی کہ اے
اللہ تو علی کو میرا وزیر اور خلیفہ بنا۔ فوراً جناب جبرئیل آئے اور کہا یا
حضرت آپ اس آیۃ انما ولیکم اللہ کو پڑھیے جو خدا نے نازل کی ہے۔

طرف ہوں خدا کی قسم مدینہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں گا مگر حضرتؑ نے انکار کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۲۰۲) ۔ انصار بھی علانیہ کہتے تھے لا نبایع الا علیا ۔ ہم لوگ سوائے حضرت علیؑ کے کسی کی بیعت نہیں کریں گے (کامل جلد ۲ صہ ۱۲۴) لوگوں نے خلافت کو حضرت سے نکال لیا تو اُس وقت کے انصاف پسند صحابہ کو بڑا تعجب ہوا۔ اور انہوں نے یہ اشعار کہے۔

ماکنت احسب ان الامر منصرف | عن ھاشم ثم منھم عن ابی حسن
عن اول الناس ایماناً وسابقۃ | واعلم الناس بالقرآن والسنن
وآخر الناس عھدا بالنبی ومن | جبرئیل عون لہ فی الغسل والکفن
من فیہ ما فیھم لا یمترون بہ | ولیس فی القوم ما فیہ من الحسن

یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ رسولؐ کی خلافت خاندان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶

کہ مسلمانو! تم لوگوں کا حاکم بس اللہ ہے۔ اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ جو نماز قائم کرنے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (تفسیر کبیر جلد ۳ صہ ۶۱۸) علماء محققین نے لکھا ہے۔ کہ اگر کوئی کہے کہ خدا نے نماز قائم کرنے والوں کو حاکم کہا ہے جس سے مراد کئی آدمی ہیں۔ پھر یہ آیت خاص حضرت علیؑ کے بارے میں کیسے ہو سکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگرچہ اس سے مراد ایک ہی بزرگ صرف حضرت علیؑ ہیں مگر خدا نے جمع کا لفظ اس لئے رکھا کہ دوسرے لوگ بھی حضرت علیؑ کی طرح خیرات کرنے کی کوشش کریں۔ بلکہ موقع مل جائے تو نماز میں بھی اسکو نہ چھوڑیں۔ (تفسیر کشاف جلد ۱ صہ ۴۲۲) آیہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک ربک بھی حضرت علیؑ کی خلافت ہی کے متعلق نازل ہوئی تھی ۱۲ منہ

بنی ہاشم سے نکال لی جائے گی اور خاص کر حضرت علیؑ ہے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضل میں سب پر سبقت حاصل کی اور جو قرآن اور احادیث کے سب سے زیادہ عالم ہیں۔ جو حضرت رسولؐ کی خدمت میں سب کے آخر تک رہے اور جن کی مدد رسولؐ خدا کے غسل دینے اور کفن پہنانے میں جبرئیلؑ نے کی۔ وہ حضرت علیؑ کہ دوسروں میں جس قدر فضائل ہیں وہ سب حضرتؑ میں بھی ہیں۔ لیکن حضرتؑ میں جو شرف و بندگی و افضیلت ہے۔ وہ کسی میں بھی نہیں ہے۔ (تاریخ ابو الفدا جلد ا صفحہ ۱۰۶ وغیرہ)

حضرت علیؑ نے خلیفہ اول دوم و سوم کا زمانہ زیادہ تر خاموشی اور عبادت میں بسر کیا۔ البتہ خلفاء یہ لوگ مشکل موقعوں پر حضرتؑ سے مدد لیتے تھے۔ اور حضرتؑ نہایت خندہ پیشانی سے اسلام کی حفاظت کی غرض سے ان کی مدد کرتے۔ ان کو مفید مشورے دیتے اور بڑے بڑے مہلکوں سے بچاتے رہتے۔ حضرت عمر برابر کہا کرتے۔ لولا علی لھلک عمر۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۲۶۸)

مشہور مسٹر امیر علی نے لکھا ہے "حضرت عمر کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علیؑ کی صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے" (تاریخ اسلام)

حضرت کی ظاہری خلافت

خلیفہ سوم حضرت عثمان کے قتل پر صحابہ نے حضرتؑ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا اور ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو آپ کی بیعت عامہ عمل میں آئی۔ بیعت کے وقت آپ نے فرمایا "جان لو کہ میں حد شرع سے تجاوز نہیں کروں گا اور نہ کسی کی طرف داری مجھ سے ہو سکے گی۔ نہ تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دونگا۔ سب کو ایک نظر مرحمت و عطوفت سے دیکھوں گا اور لوگوں کے درمیان احکام بموجب کتاب خدا و حدیث و سنت رسول جاری کرونگا بیت المال سے ایک درہم بھی اپنے واسطے نہیں لونگا سب سے پہلا جو خطبہ

آپ نے پڑھایا اس میں فرمایا الحمد للہ علی احسانہ قد رجع الحق الی مکانہ۔ خدا کے اس احسان پر کہ آج حق اپنی جگہ پر پلٹ آیا میں اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں (روضۃ الاحباب) بیعت کے دوسرے دن حکم دیا۔ کہ بیت المال کا دروازہ کھول دو۔ اور اس کا کل مال لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

گورنروں کا تقرر محرم ۳۶ھ ہجری میں حضرت علیؑ نے اسلامی صوبوں میں حسب ذیل حکام مقرر کئے۔ یمن میں عبید اللہ بن عباس۔ بحرین میں سعید بن عباس۔ تہامہ میں سماحہ بن عباس یمامہ میں عون بن عباس مکہ میں قثم بن عباس مصر میں قیس بن سعد بن عبادہ۔ بصرہ میں عثمان بن حنیف۔ کوفہ میں عمارہ بن شہاب۔ شام میں سہل بن حنیف۔

جنگ جمل حضرتؑ کے خلیفہ ہوتے ہی طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ نے جو سب کے سب قتل حضرت عثمان میں بہت کوشاں تھے حضرت علیؑ پر قتل عثمان کا اتہام لگا کر آپ سے مخالفت شروع کر دی اور ایک کافی جماعت مہیا کر کے بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو آپ بھی آخر ربیع الثانی ۳۶ھ میں بصرہ کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ اس سفر میں ایک چشمہ پر پہونچیں جس کا نام حواب تھا آپ ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ (اسی وجہ سے اس لڑائی کو جنگ جمل کہتے ہیں) حواب کے کتے حضرت عائشہ کے اونٹ کو دیکھ کر جمع ہو گئے اور بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہ کو معلوم ہوا کہ اس چشمہ کو ماء حواب کہتے ہیں۔ تو چلائیں کہ مجھے واپس لے چلو رسولؐ نے فرمایا تھا کہ میری ایک بی بی ایسی ہے۔ جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ اے عائشہ ڈرنا کہیں تم ہی وہ بی بی نہ ہو۔ مگر ان کے بھانجے عبد اللہ بن زبیر نے جھوٹی قسم کھا کر ان کو یقین دلایا کہ یہ ماء حواب نہیں ہے۔ غرض حضرت عائشہ وہاں سے آگے بڑھیں بصرہ میں اتریں اور لڑائی کا سامان شروع کر دیا۔ یہ جمادی الاخری ۳۶ھ میں ہوئی۔ حضرت عائشہ کی فوج ۳۰ ہزار

اور جناب امیرؑ کی ۱۰ ہزار تھی۔ حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ اہل جمل کسی طرح باز نہیں آتے تو اپنی فوج کو اس طرح سمجھانے اور ہدایت کرنے لگے۔

(۱) بہادرو! دیکھو اس جنگ سے تمہاری نیت صرف دشمن کا دفع کرنا ہو۔ (۲) جب تک فریق مخالف کی طرف سے ابتداء جنگ نہ ہو تم لڑائی شروع نہ کرنا (۳) خبردار جو لوگ بھاگیں ان کا تعاقب نہ کرنا (۴) زخمی بیمار عورتوں اور بچوں سے تعرض نہ کرنا نہ ان پر ہتھیار اٹھانا (۵) جو لوگ مقتول ہو جائیں ان کے کپڑے نہ اتارنا۔ (۶) جو شخص صلح پیش کرے اُس کے ہتھیار نہ لینا اور نہ اُسے مارنا (۷) بعد فتح کوئی شخص کسی کے گھر میں نہ گھسے۔

جب حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ کو اس شان سے دیکھا تو اپنے پاس کے لوگوں سے کہا علیؑ کی طرف دیکھو کہ آج ان کے افعال ان افعال سے بالکل مشابہ ہیں جو رسول خدا صلعم کے بدر کے روز تھے۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے جناب عائشہ کی طرف دیکھ کر فرمایا اے عائشہ بہت جلد تم اپنے اس فعل پر شرمندہ اور پشیمان ہو گی۔ غرض دشمن کی فوج نے حضرت علیؑ کی فوج پر تیر برسانے شروع کر دیے لیکن حضرت علیؑ نے اپنے سرداروں کو جنگ شروع کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جب حضرتؑ کی فوج نے اصرار کیا۔ کہ ہمیں بھی جواب دینے کی اجازت مرحمت ہو کہ دشمن زیادہ سختی سے حملے کر رہے ہیں۔ تو حضرتؑ نے خدا کی درگاہ میں عرض کی "اے اللہ میں نے بہت عذر کئے اور ان سب کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر یہ نہیں مانتے۔ تو گواہ رہنا۔ پھر ایک شخص کو ان کی طرف بھیج کر ان کو جنگ سے باز رہنے کی آخری فہمائش کی مگر اس کو ان لوگوں نے قتل کر دیا۔ تب حضرتؑ نے فرمایا اب ان سے لڑنا حلال ہو گیا۔ غرض جنگ شروع ہوئی۔ طلحہ قتل ہو گئے۔ زبیر بھی مارے گئے۔ حضرت عائشہ شکست کھا کر مغلوب ہوئیں اور اُن کی فوج بھاگ گئی۔

جناب امیرؑ نے جناب عائشہ کی حفاظت کی اور کوئی زخم نہیں لگنے دیا۔ انہوں نے حضرتؑ سے کہا" اے علیؑ تم نے فتح پائی اب نیکی اور احسان کرو" حضرتؑ نے فرمایا: میں نے سب اہل لشکر کو امان دی۔ اس کے بعد حضرتؑ نے حکم دیا کہ کُشتوں کو دفن کر دیں اور مخالفین کے ہتھیاروں اور مال و اسباب کو جامع بصرہ میں جمع کرا کے اعلان کرا دیا۔ کہ لوگ اپنا مال لے جائیں۔ اس جنگ میں ۱۳ ہزار آدمی حضرت عائشہ کی طرف کے اور ۵ ہزار جناب امیرؑ کی فوج کے مارے گئے۔ (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۷۷) پھر حضرتؑ نے جناب عائشہ کو بچاس ہزار درہم دلوا کر اور بصرہ کی چالیس یا ستر عورتوں کو مردانہ لباس میں مسلح کرا کے ان کے ساتھ نہایت عزت و حرمت و آرام سے مدینہ روانہ کر دیا۔ اس موقع پر ایک یورپین مورخ نے لکھا ہے کہ" عائشہ کو علیؑ کے ہاتھوں سخت برتاؤ کا خوف ہو سکتا تھا۔ مگر وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا۔ جو ایک گرے ہوئے دشمن کو اپنی شان دکھاتا۔ اس نے ان کی عزت کی اور چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ (ایرونگ) فتح کے بعد جناب امیرؑ نے جناب عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر اور زیاد کو ان کا نائب مقرر کیا۔ اور ۱۶ ار رجب ۳۶ھ کو اپنے پورے لشکر کے ساتھ کوفہ روانہ ہوئے۔ کچھ دنوں یہاں رہ کر کوفہ۔ عراق، خراسان یمن، مصر اور حجاز کا انتظام کیا۔ اور اس اندیشے سے کہ معویہ عراق پر قبضہ نہ کرے کوفہ کو دارالخلافہ مقرر کر کے یہیں مقیم ہو گئے۔

جنگ جمل کے بعد سیستان میں بغاوت ہوئی جناب امیرؑ نے اسکو فرد کرا دیا جسکے بعد تمام بلاد سیستان پر حضرتؑ کا تسلط ہو گیا اسی سال اہل مرو (خراسان) نے سرکشی کی اور حضرتؑ نے خلید کو اس طرف روانہ کر دیا۔

جنگ صفین

جنگ جمل کے زمانے میں معویہ جو حضرت عمر کے زمانے سے شام کا گورنر تھا شامیوں کو قتل عثمان کی سازش کے اتہام میں حضرت علیؑ سے بھڑکا رہا تھا۔ اور اسی حیلہ سے حضرت علیؑ کو خلافت سے معزول کرنے اور خود خلیفہ بن جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے جنگ کا پورا سامان کر لیا۔ حضرت علیؑ نے اس کو فتنہ فساد سے

روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں مانا بلکہ حضرتؑ سے لڑنے کے لیے اپنی
ایک لاکھ بیس ہزار فوج مقام صفین میں جمع کی تو جناب امیرؑ بھی نوے
ہزار فوج سے اس کے مقابلے پر چلے۔ حدودِ جزیرہ میں پہونچے تو پانی نہیں
ملا۔ لشکر پیاس سے بے چین ہوا۔ وہاں عیسائیوں کا ایک دیر تھا۔ حضرتؑ
نے اس کے راہب کو بلا کر فرمایا۔ وہ چشمہ بتاؤ جو یہیں ہے۔ اور اس سے
انبیاء و نبی اسرائیل نے پیا ہے۔ راہب نے عرض کی اس منزل میں ایک
پوشیدہ چشمہ ہے۔ ضرور مگر اسے پیغمبر یا وصی پیغمبر کے سوائے کوئی کھول
نہیں سکتا۔ اگر آپ وہ چشمہ مجھے دکھا دیں۔ تو میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان
ہوتا ہوں۔ حضرتؑ نے ایک جگہ کھدوایا تو بڑا پتھر نکلا جس کو بہت سے آدمی
مل کر بھی نہ ہٹا سکے۔ تب حضرتؑ نے خود اکیلے اُس پتھر کو نکال کر پھینک
دیا۔ جس کے نیچے صاف پانی کا چشمہ نکل آیا۔ سب لشکر والوں نے پیا۔ (عیسائی)
راہب یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور ایک صحیفہ دیر سے نکال دکھایا۔ جس میں
نبی آخر الزماں کی بعثت اور جناب امیرؑ کے اس جگہ پہونچ کر چشمہ ظاہر کرنے
کا حال لکھا تھا۔ اور وہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری جناب شمعون الصفا کا
لکھا ہوا تھا۔ حضرتؑ اُسے دیکھ کر شکرِ خدا بجا لائے۔ اور آگے روانہ ہوئے
راہب بھی ساتھ رہا۔ اور جنگ صفین میں شہید ہو گیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۲
ص ۲۹۲۔ حبیب السیر جلد ا ص ۵۶۔ جامع التواریخ ص ۲۳۹۔ روائح المصطفے
ص ۲۲ رسک سپرٹ آف محمد از مسٹر ابرونگ وغیرہ)

جب حضرتؑ کی فوج لشکرِ معویہ کے مقابل پہنچ گئی تو معویہ نے
نہرِ فرات پر پہلے ہی قبضہ کر کے اُس کا پانی حضرتؑ کی فوج پر بند کر دیا۔
حضرتؑ نے معویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ پانی روکنا مناسب نہیں۔ مگر معویہ
کسی طرح نہیں مانا۔ تو حضرتؑ کی فوج نے اصرار کیا کہ حضور اجازت دیں ہم لڑ کر پانی
لے لیں مجبوراً حضرتؑ نے اجازت دی۔ حضرتؑ کی فوج نے زور شور سے لڑ کر گھاٹ
چھین لیا اب تو معویہ بہت گھبرایا کہ پیاس سے اس کا لشکر ہلاک

ہوگا مگر اس کے وزیر عمرو عاص نے کہا حضرت علیؓ تمہارے ایسے نہیں ہیں وہ تو کریم ہیں وہ ایسا نہیں کریں گے۔ معویہ نے مجبوراً جناب امیرؑ کے پاس درخواست بھیجی کہ ہمارے لشکر پر پانی بند نہ کیا جائے۔ حضرتؑ تو کریم بن کریم خلیفہ رحمتہ للعالمین اور ساقی کوثر تھے۔ جواب دیا۔ ہم کسی پر پانی بند نہیں کرتے مطمئن رہو۔ اور عام منادی کرا دی کہ پانی سب کے لئے حلال ہے۔ دونوں لشکروں سے جس کو ضرورت ہو لے جائے۔ مگر معویہ نے اپنی کارروائی نہیں روکی۔ عراق کی طرف سے جو رسد جناب امیرؑ کے لشکر میں آتی تھی۔ بند کرا دی۔ غرض معویہ حضرتؑ کو ہر طرح ستانے کی تدبیریں کرتا اور حضرتؑ اس کو سمجھانے اور مسلمانوں کی خونریزی سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتے رہے مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔

مولوی احسان اللہ صاحب عباسی نے لکھا ہے پیغمبر خداؐ کو مرے ہوئے ۲۵ برس ہو چکے تھے۔ اُن کے فیض صحبت کا اثر طبیعتوں سے زائل ہو چکا تھا۔ جنگ جمل تک کھینچ کھانچ کر نیک نیتی اور غلط فہمی کو کھپایا گیا۔ لیکن اب اس کی گنجائش نہیں رہی۔ اب صاف طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نیک نیتی کے قدم بہ قدم تھے۔ یعنی دین اور دنیا دونوں کو وہ ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ امت محمدی پر کوئی نا اہل حکمران یا امیر ہو وہ دین کو دنیا پر مقدم سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں وہ تلوار بھی اٹھاتے تھے۔ تو اس لئے کہ بغاوت کا رفع کرنا اور ناسزاؤں کو سزا دینا ضروریات سے تھا۔ یہ بھلا یا بُرا۔ بس اس کے سوا اور کوئی فعل وہ ایسا نہ کرتے تھے۔ جو کسی فریق کے نزدیک مذہب کے خلاف یا اخلاقی خوبیوں کے منافی ہوتا۔ مسلمانوں کا دوسرا گروہ اُن لوگوں کا مجموعہ تھا۔ جو دنیاوی لذتوں کو مقدم سمجھتے تھے اور

دنیا زور والا یحصیل الا بالزور پر عمل کرنے میں تامل نہ کرتے تھے۔ یہ گروہ دیکھا دیکھی بڑھتا گیا اور سنت نبوی سے الگ ہو کر شام اور عجم کے سلاطین اور اُن کے اراکین کا رنگ پکڑتا گیا۔ معویہ اس گروہ کا سردار تھا۔ اتفاق زمانہ نے اس کو سردار بنا دیا یا یوں کہئیے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے موقع ملا۔ معویہ کے بعض ساتھیوں کو مکر کرنے۔ جھوٹ بولنے اور مسلمانوں کے خونِ ناحق بہانے میں کوئی تامل نہ تھا۔ اور یہاں علی ابن ابی طالبؑ کو بڑی دقت یہ تھی۔ کہ وہ خود کو احکام شرعی کا پابند رکھتے تھے۔ شروع میں وہ تلوار سے کام نہ لیتے تھے۔ تلوار جب اٹھاتے تھے۔ کہ معاملہ اختیار سے باہر ہو جاتا تھا۔ اور اس پر ایک دقت یہ تھی۔ کہ ان کے ساتھی بھی کبھی کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے رُک جاتے تھے۔ غرض کہ علیؑ کی حالت اپنی خلافت کے زمانہ میں عجیب کشمکش میں تھی۔ اور رسول اللہؐ کے صحابیوں سے کسی نے بھی حضرت علیؑ کی سی روحانی تکلیف نہیں اٹھائی۔ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ کو نہایت سخت سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی حالت کشمکش زیادہ ترہمدردی کے لائق ہے۔ اگر واقعۂ کربلا کو طاعون سے نسبت دیں تو حضرت علیؑ کی دقتوں کو عارضہ سِل سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ بعض کج رائے مورخوں کا بیان ہے۔ کہ حضرت علیؑ کی خود رائی ناکامی کا سبب ہوئی لیکن حضرت علیؑ پر خود رائی کا الزام غلط ہے۔ علم۔ شجاعت۔ متانت اور حکمت ان کے حصہ میں تھی۔ خود رائی چہ معنے دارد۔ خود رائی نہیں بلکہ وہ حالات ان کی ناکامیوں کے سبب ہوئے۔ جن کا خلاصہ اوپر بیان کیا گیا۔ (تاریخ اسلام صفحہ ۳۰۵)

غرض ماہ ذی الحجہ سنہ ۳۶ھ ہجری میں فریقین کی فوجیں بمقام صفین

جمع ہوئیں۔ حضرتؑ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی فوج کو تاکید کر دی تھی۔ کہ جب تک یہ لوگ ابتداء نہ کریں تم ہرگز ان سے جنگ نہ کرنا۔ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرنا۔ ان کے مالوں سے کچھ نہ لینا۔ کسی کا راز فاش نہ کرنا۔ مریض اور برہنہ کو آزار نہ پہونچانا۔ زخمی کے ساتھ سختی نہ کرنا۔ عورتوں کو اذیت پہونچا کر غیظ و غضب میں نہ لانا اگرچہ وہ تمہارے سرداروں کو سب و شتم کریں۔ کیونکہ ان کی قوتیں کمزور اور ان کی عقلیں ان کے نفوس ضعیف ہیں۔ عہد رسولؐ میں بھی ہم اسی پر مامور تھے کہ ان سے باز رہیں حالانکہ وہ مشرکہ عورتیں تھیں۔ ذی الحجہ معمولی لڑائیوں میں گزرا۔ محرم ۳۷ھ ہجری میں لڑائی بند رہی۔ یکم صفر ۳۷ھ ہجری سے سات دن تک برابر صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی۔ ایک دن حضرتؑ نے پکار کر فرمایا۔ اے پسر ہند کیوں مسلمانوں کی خونریزی کرتے ہو۔ خود میدان میں نکلو کہ ہم تم فیصلہ کر لیں۔ مگر معویہ کو نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تب حضرتؑ بھیس بدل کر میدان میں آئے اور مبارز طلب کیا۔ عمرو عاص نے حضرتؑ کو نہ پہچانا اور سامنے آکر رجز پڑھا۔ حضرتؑ نے بھی رجز پڑھ دیا۔ عمرو عاص کو معلوم ہو گیا۔ کہ حضرتؑ ہیں۔ بھاگا۔ حضرتؑ نے جاتے ہوئے ایک نیزہ لگایا۔ وہ گھوڑے سے گرا اور دونوں ٹانگیں اٹھا دیں۔ حضرتؑ نے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا جا تو اپنی شرم گاہ کا آزاد کردہ ہے۔ ایک دن اسی طرح بسر بن ابی ارطاۃ بھی حضرتؑ کے مقابلے پر آیا اور عمرو عاص کی طرح شرم گاہ کھول کر حضرتؑ سے بچ گیا۔ اسی جنگ صفین میں حضرت عمار یاسر بھی شہید ہوئے۔ (دیکھو تاریخ ائمہ ص ۱۶۸)

آٹھویں رات کو جسے لیلۃ الہریر کہتے ہیں سب سے شدید لڑائی ہوئی۔ حضرتؑ کا قاعدہ تھا۔ کہ جب کسی کو قتل کرتے تو تکبیر کہتے۔ اس رات کو آپ کی ۵۲۳ تکبیریں سنی گئیں۔ (نور الابصار ص ۶۹) معویہ

نے کہا کہ "لیلۃ الہریر میں علیؑ نے ۹ سو آدمی سے زیادہ قتل کئے تھے۔ میں نے ارادہ کیا تھا۔ کہ علیؑ سے معافی مانگ کر کہتا ہوں سکونت کر دوں یا قیصر روم کے پاس جا کر اس کے کسی جزیرہ میں رہنے لگوں۔ لشکرِ شام میں ہر طرف الغیاث الامان کی فریادیں بلند تھیں۔ غرض نہایت سخت گھمسان رن پڑا تھا۔ آخر معویہ کی فوج بھاگنے لگی اور اسے پوری شکست ہوتے ہی کو تھی۔ کہ عمرو عاص کا مکر و فریب کام آگیا۔ اس نے نیزوں پر قرآن بلند کرا دیئے۔ اور باواز بلند یہ کہلانا شروع کیا کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ کلام اللہ ہے۔ مقصود یہ تھا کہ جنگ موقوف کر کے اس کے مطابق ہم لوگ فیصلہ کر لیں۔ اس پر حضرتؑ کی طرف والوں میں سے اشعث بن قیس اور چند دوسرے سرداروں نے جو معویہ سے بڑی بڑی رشوتیں لے چکے تھے۔ لڑائی موقوف کر دی اور حضرتؑ سے کہا کہ قرآن کو ماننا چاہیئے۔ حضرتؑ نے فرمایا معویہ، عمرو عاص اور ان کے طرفداروں کو دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں ان سے اسی لئے لڑتا ہوں کہ یہ دیندار ہو جائیں۔ انہوں نے فریب دینے کے لئے قرآن بلند کئے ہیں۔ مگر انہوں نے کچھ نہ سنی اور حضرتؑ کو لڑائی بند کر دینے پر مجبور کیا حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا تب حکم دیا کہ مالک اشترؓ کو بھی ہٹا دیں جب حضرتؑ نے ان کے پاس آدمی بھیجا تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اب معرکہ ختم ہے۔ لشکرِ معویہ کے پاؤں اکھڑتے ہی ہیں مگر حضرتؑ نے پھر بلایا تو وہ افسوس کرتے ہوئے۔ حاضر ہوئے اور دیکھا کہ لشکر کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔

یہ حضرت علیؑ سے انحراف کرنے والے اُس وقت سے خارجی کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر اشعث ابن قیس حضرتؑ سے اجازت لے کر معویہ کے پاس گیا۔ اور پوچھا تم نے قرآن کیوں بلند کئے ہیں۔ معویہ نے کہا۔ اس غرض سے کہ تم اور ہم دونوں اس بات کو قبول کریں جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ ایک آدمی کو تم اپنی طرف سے حکم مقرر کرو۔ ایک کو ہم مقرر کرتے ہیں۔ وہ دونوں حکم کتاب اللہ کے موافق جو حکم دیں۔ ہم دونوں

اس پر عمل کریں۔ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ شامیوں نے عمرو عاص کو اشعث و خوارج نے ابو موسیٰ اشعری کو حَکم مقرر کیا مگر حضرتؑ نے ابو موسیٰ کو پسند نہیں کیا اور چاہا کہ عبداللہ بن عباس کو مقرر کریں لیکن خوارج نے کہا ہم ابو موسیٰ کے سوا کسی سے راضی نہیں ہوں گے۔ مجبوراً حضرتؑ نے فرمایا۔ جب تم میری بات مانتے ہی نہیں تو جو چاہو کرو۔ اس کے بعد لڑائی بند ہو گئی۔ دونوں حکم حضرتؑ کے پاس آئے۔ اقرار نامہ اس طرح لکھنا شروع ہوا "یہ وہ اقرار نامہ ہے جس پر فیصلہ کیا امیرالمومنین علی مرتضیٰ نے" اس پر عمرو عاص نے ٹوکا کہ یہ تمہارے امیر ہیں ہمارے نہیں۔ اس پر جھگڑا ہوا تو حضرتؑ نے فرمایا "اللہ اکبر یہ قضیہ مثل قضیہ حدیبیہ کے ہے صلح حدیبیہ میں جب میں نے محمدؐ رسول اللہ لکھا تھا۔ تو کفار نے کہا آپ رسول اللہ نہیں ہیں۔ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے اُس وقت آں حضرتؐ نے لفظ رسول اللہ مٹا دیا اور مجھ سے فرمایا تھا۔ اے علیؑ تم کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۲۷) غرض ۱۳ ار صفر ۳۷ھ ہجری کو اس امر پر صلح ہو گئی کہ یہ دونوں حَکم موافق قرآن و سنت کے حکم دیں۔ اگر خلاف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ حکم دیں۔ تو امت رسولؐ اس حکم سے بیزار ہو جائے اس وقت فریقین اپنے اپنے گھر واپس جائیں اور ماہ رمضان میں فیصلہ دیں۔ اس کے بعد طرفین کے لوگ میدان جنگ سے روانہ ہونے لگے تو خارجیوں نے اس صلح پر بھی شور مچایا کہ "علیؑ نے حُکم پر رضامندی ظاہر کی۔ وہ اب مسلمان نہیں رہے۔ اللہ جو حکم دیتا وہی ٹھیک تھا۔ ان الحکم الا للہ (اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہو سکتا۔) لڑائی ہی سے فیصلہ کر لیا جاتا عمرو عاص اور ابو موسیٰ کیا فیصلہ کریں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے نیزوں پر قرآن دیکھ کر مجھ کو مجبور کیا اور اب کہتے ہو کہ حَکم کیوں مقرر کئے گئے۔ غرض یہ لوگ وہیں سے جدا ہو گئے اور خوارج کہلانے لگے صفین

میں نوے لڑائیاں ہوئیں۔ ۱۱۰ روز تک فریقین کا وہاں قیام رہا۔ معویہ کے ۹۰ ہزار اور حضرتؑ کے ۲۰ ہزار مارے گئے۔

فیصلہ حکمین

حکمین اذرح میں جمع ہوئے۔ اور رائے کی کہ علیؑ اور معویہ دونوں کو معزول کر کے نیا خلیفہ مقرر کیا جائے۔ عمرو عاص نے ابوموسیٰ سے کہا آپ بزرگ ہیں پہلے آپ ہی تقریر کیجئے۔ ابوموسیٰ نے مجمع کو خطاب کر کے کہا۔ ہم دونوں کی متفقہ رائے ہے کہ علیؑ و معویہ دونوں معزول کر دیئے جائیں اب جس کو چاہو تم لوگ خلیفہ بنا لو۔ اس کے بعد عمرو عاص کھڑا ہوا اور کہا۔ جو کچھ ابوموسیٰ نے کہا تم لوگوں نے سنا۔ انہوں نے علیؑ کو برطرف کر دیا ہے۔ میں بھی ان کو برطرف کرتا ہوں۔ اور معویہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ اس پر ابوموسیٰ بگڑے کہ تو نے فریب کیا اور مجمع پراگندہ ہو گیا۔ اس مکاری کی کارروائی کے بعد عمرو عاص نے دمشق جا کر معویہ کو خلیفہ بنا دیا۔ اور معویہ نے حکم دیا۔ کہ علیؑ۔ حسنؑ حسینؑ۔ ابن عباس اور مالک اشتر پر لوگ منبروں پر لعنت کیا کریں۔ غرض اُس روز سے حضرتؑ کے ہر کام میں ضعف ہوتا اور معویہ قوت پکڑتا گیا۔

جنگ نہروان

حضرت علیؑ اور آپ کے طرفداروں نے اس مکاری کے فیصلہ کو نامنظور کر کے معویہ پر دوبارہ فوج کشی کرنی چاہی کہ خارجیوں کی بغاوت کی خبر پہنچی جو حضرتؑ سے علیحدہ ہو کر کوفہ کے پاس مقام حروراء میں آ رہے تھے۔ تو حضرتؑ نے بہت سمجھایا کہ حَکَم مقرر کرنے کا حکم خود قرآن میں موجود ہے۔ مگر وہ کسی طرح نہ مانے اور ۱۰ شوال ۳۷ھ ہجری کو اپنا ایک سردار مقرر کرنے کے بعد آدھی رات کو مقام نہروان میں ٹھہرے اور مسلمانوں کو بُری طرح ستانے لگے۔ مجبوراً حضرتؑ نے ان پر چڑھائی کی۔ اواخر ۳۷ھ ہجری میں جنگ نہروان ہوئی۔ ۱۲ ہزار خارجی تھے۔ ان میں سے بعض نے حضرتؑ

کی اطاعت کرلی اور بعض کوفہ و مدائن کو چلے گئے۔ چار ہزار خوارج نے حضرتؑ کی فوج پر حملہ کیا مگر سب مارے گئے۔ صرف ۹ بچے۔ اور حضرتؑ کی طرف سے صرف ۹ شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے پھر شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا مگر سوائے چند آدمیوں کے سب نے تھکن اور ہتھیاروں کی خرابی کا عذر کیا۔ اس وجہ سے حضرتؑ نے چند روز تک جنگ کو ملتوی کر دیا۔ اس زمانہ میں حضرتؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے معویہ نے حضرت علیؑ کو خوارج کے ساتھ مشغول جنگ دیکھ کر ۳۸ سنہ ہجری کے شروع میں عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا۔ تو محمد بن ابی بکر نے تمام واقعہ کی اطلاع حضرتؑ کو بھیج دی۔ حضرتؑ نے فوراً مالک اشتر کو محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کر دیا۔ معویہ کو یہ خبر پہونچی تو بہت گھبرایا کہ اب کیا ہو۔ آخر مخفی طور پر عریش کے زمیندار کو لکھ کر بھیجا کہ مالک اشتر مصر جاتے ہوئے تمہارے گاؤں سے ضرور گزریں گے ان کو زہر سے ہلاک کر دو تو میں تمہیں بیس سال کا خراج معاف کر دوں گا۔ مالک وہاں پہونچے تو روزے سے تھے۔ زمیندار نے دعوت کر کے زہر کا شربت پلا کر کام تمام کر دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۴۱ طبری جلد ۶ ص ۵۴ وغیرہ) غرض ۳۸ سنہ ہجری میں محمد بن ابی بکر اور عمرو عاص میں جنگ ہوئی۔ محمد زخمی ہو کر پکڑے گئے اور انہیں زندہ ایک گدھے کی کھال میں سی کر جلا دیا گیا۔ جس کے بعد عمرو عاص نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ جب حضرت عائشہ اپنے بھائی محمد کے اس طرح مارے جانے کی خبر سنی تو بہت رنج کیا اور ہر نماز کے بعد معویہ اور عمرو عاص کے لئے بد دعا کرتی تھیں۔ (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۴۳)

معویہ دلیر ہو گیا اور ۳۸ سنہ ہجری سے ۴۰ سنہ ہجری تک حضرت علیؑ کے مختلف ملکوں پر تاخت کرتا اور بصرہ۔ مین التمر۔ ہیت۔ انبار

تیماء۔ ثعلبیہ۔ قطقطانہ۔ حجاز و مکہ و مدینہ وغیرہ اور یمن پر لوٹ مار کی۔ جنگی مہمیں بھیجتا رہا۔ جو وہاں کے باشندوں کو قتل و غارت کرتیں اور جب حضرتؑ کی فوجیں پہونچتیں تو بھاگ جاتیں۔ سنہ ۴۰ ہجری میں معویہ نے حضرت علیؑ سے خط و کتابت کر کے حضرتؑ کو اس پر راضی کر لیا کہ طرفین کے حملے روک دیئے جائیں۔ کوئی لوٹ مار کے ارادہ سے دوسرے ملک میں داخل نہ ہو اور شام و مصر میں معویہ کا اور عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں حضرت علیؑ کا قبضہ رہے۔

حضرتؑ کے کل ایام خلافت باغیوں سے لڑنے میں بسر ہوئے۔ جنگ جمل کے بعد خراسان و سیستان کی بغاوتیں فرو کر کے ان کو مطیع بنایا گیا۔ آپ کے عہد میں فارس کا لشکر مکران اور نہرج اور کوہ پایہ سے ہو کر قیقان کے پہاڑ تک آیا۔ مگر اہل اسلام لڑ کر مکران میں جا ٹھہرے۔

حضرت علیؑ کی شرعی پابندی

حضرتؑ شرعی امور کے ایسے پابند تھے۔ کہ جناب عقیل کے وظیفہ میں اضافہ نہیں کیا۔ (دیکھو تاریخ ائمہ صہ ۹۷) اور عبداللہ بن عباس کی خیانت کی خبر سنی تو ان سے بھی تعرض کیا جس پر وہ بھی حضرتؑ سے ناراض ہو گئے۔

وفات

واقعۂ نہروان کے بعد تین خارجیوں نے رائے کی کہ تین شخصوں (معویہ۔ عمرو عاص اور حضرت علیؑ) کی وجہ سے انتشار ہو رہا ہے ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے لئے ۱۹ رمضان مقرر ہوا۔ چنانچہ تینوں خارجی اپنی تلواریں زہر میں بجھا کر روانہ ہوئے۔ ایک دمشق میں معویہ کے لئے۔ دوسرا فسطاط مصر میں عمرو عاص کے لئے اور تیسرا ابن ملجم حضرت علیؑ کے لئے معویہ اور عمرو عاص تو بچ گئے۔ مگر ابن ملجم جب اس ارادہ سے کوفہ پہنچا تو مسجد کوفہ میں جا کر چھپ رہا۔ حضرت علیؑ ایک شب امام حسنؑ کے پاس۔ دوسری رات امام حسینؑ کے پاس افطار کرتے اور تین لقموں سے زیادہ

تناول نہ کرتے جب ۱۹ ار رمضان ۴۰ھ ہجری کو حضرت نماز صبح کے لئے گھر سے جانے لگے تو گھر کی بطیں چیخنے لگیں حضرت پر اس کا اثر ہوا اور مسجد میں تشریف لائے اذان دی جب نماز میں مشغول ہوئے تو سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے تلوار ماری جس سے مغز تک سر شگافتہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا فزت و رب الکعبہ قسم بخدا میں اپنے مطلب پر فائز ہوا۔ اس کے بعد لوگ حضرتؑ کو گھر میں لائے۔ ابن ملجم بھی گرفتار ہو کر آیا حضرتؑ نے حکم دیا۔ اس کی حفاظت کرو۔ اچھا کھانے کو اور نرم بچھونا سونے کو دینا۔ اگر میں بچ گیا تو اپنے خون کا ولی ہوں خواہ معاف کردوں، خواہ قصاص لوں۔ اور اگر مر گیا تو اسے بھی مار دینا مگر حد سے نہ گزرنا۔ (طبری جلد ۵ ص ۸۶)

۱۹ ار ماہ رمضان روز چہار شنبہ صبح کو آپ پر ضرب پڑی۔ اور شب جمعہ ۲۱ ر ماہ صیام کو آدھی رات سے پہلے حضرتؑ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت حضرتؑ کی عمر ۶۳ سال کی تھی حضرتؑ کی حقیقی خلافت تیس سال (وفات رسولؐ ۱۱ھ ہجری سے ۴۰ھ ہجری تک) تھی۔ مگر ظاہری حکومت صرف پونے پانچ سال رہی۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ و عبداللہ بن جعفر نے غسل دیا جناب محمد بن حنفیہ نے پانی ڈالنے میں مدد کی۔ کفن پہنانے کے بعد حضرت، امام حسینؑ نے نماز جنازہ پڑھی اور شب ہی کو نجف اشرف میں دفن کر دیا۔ اور حضرتؑ کی وصیت کے مطابق قبر کا نشان چھپا دیا گیا۔ (ارشاد شیخ ص ۷)

قبر مبارک کی کرامت

علامہ وہبری و مورخ حبیب السیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے تک سوائے ائمہ اہلبیتؑ کے کسی کو حضرتؑ کی قبر کا پتا نہ تھا۔ ایک دن ہارون اسی طرف شکار کھیل رہا تھا۔ ایک ہرن پایا اور کسی شکار پر اس نے اپنے شکاری کتوں یا چیتوں کو چھوڑا۔ وہ شکار اسی قبر پر بھاگ گیا۔ ہارون

نے بڑی کوشش کی کہ اس کے شکاری کتے یا چیتے اوپر چڑھ کر اس شکار کو پکڑیں مگر ان سبھوں نے بالکل قدم نہیں بڑھایا۔ تو ہارون کو بڑا تعجب ہوا اور اس راز کی تحقیق شروع کی۔ بہت کچھ تفتیش کے بعد ایک بوڑھا بولا کہ یہ حضرت علیؑ کی قبر ہے۔ ہارون نے پوچھا تم کو کیسے معلوم۔ کہا میرا باپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ یہاں زیارت کے لئے آیا کرتا تھا۔ اور وہ اپنے والد حضرت امام محمد باقرؑ کے ساتھ اور وہ اپنے والد حضرت امام زین العابدینؑ کے ہمراہ تشریف لاتے تھے جن کو اس کا پورا علم تھا۔ ہارون نے وہاں کٹہرا لگوا دیا۔ پھر سلاطین سامانیہ کے عہد حکومت میں یہاں بہت سی عمارتیں بنیں۔ پھر بنو بویہ کے عہد حکومت میں وہ بنائیں ویران ہو کر نئے سرے سے اور عمارتیں بنائی گئیں۔ (حیوۃ الحیوان مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

حضرتؑ کی ازواج واولاد

حضرتؑ کی حسب ذیل ازواج سے یہ اولاد ہوئیں (۱) حضرت فاطمہؑ سیدہ نساء العالمین: تین بیٹے امام حسنؑ و امام حسینؑ و محسنؑ جن کا حمل ساقط ہوا۔ اور دو بیٹیاں جناب زینب کبریٰ و جناب زینب صغریٰ۔ انہیں کی کنیت ام کلثوم تھی (۲) خولہ دختر جعفر بن قیس حنفیہ:۔ ان سے ایک بیٹے محمد بن حنفیہ تھے۔ (۳) ام حبیب بنت ربیعہ:۔ ایک بیٹے عمر اور ایک بیٹی رقیہ ہوئیں۔ (۴) ام البنین دختر خزام بن خالد بن دارم کلابی:۔ چار بیٹے حضرت عباس علمبردار۔ جعفر۔ عثمان و عبداللہ یہ چاروں کربلا میں شہید ہوئے۔ (۵) لیلیٰ دختر مسعود دارمی:۔ دو بیٹے محمد اصغر و عبداللہ۔ (۶) اسماء بنت عمیس:۔ ایک بیٹے یحییٰ (اور بعض مورخین نے دوسرے بیٹے عون یا محمد بھی لکھا ہے۔)۔ (۷) ام سعید دختر عروہ بن مسعود ثقفی:۔ دو بیٹیاں ام الحسن۔ رملہ۔ ان ازواج کے علاوہ بھی کچھ بیبیاں تھیں جن سے نفیسہ۔ زینب صغریٰ۔ رقیہ صغریٰ۔ ام ہانی۔ ابوالکرام۔ جمانہ۔ امامہ۔ ام سلمہ۔ میمونہ

خدیجہ اور فاطمہ ہوئیں۔ اس طرح حضرتؑ کے ۱۲ بیٹے اور ۱۶ بیٹیاں ہوئیں۔ (ارشاد صفحہ ۱۹۹) ان کے علاوہ امامہ بنت ابی العاص بھی حضرتؑ کی زوجہ تھیں جن سے محمد اوسط پیدا ہوئے تھے۔

حضرت کے غلام

حضرتؑ کے دو غلام تھے۔ قنبر اور یحییٰ بن کثیر۔ یہ یحییٰ اور ان کے بیٹے عبداللہ بڑے عالم تھے۔

حضرت کی فتوحات پر تبصرہ

مولوی عبیداللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے۔ اس فرصت قلیل میں خانہ جنگیوں سے آپ کو دم بھر مہلت نہ ملی۔ ابھی بیعت کی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی کہ واقعۂ جمل پیش آیا۔ اور ابھی اس واقعہ کا خاتمہ نہیں ہو چکا تھا۔ کہ صفین کا قضیہ شروع ہو گیا۔ جس میں آپ کی خلافت کا بڑا بھاری حصہ صرف ہوا۔ علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں۔ جناب علیؑ سے امیر معاویہ پانچ برس تک لڑتے رہے۔ اور ابو عمر کہتے ہیں ٹھیک بات یہ ہے۔ کہ چار برس لڑے۔ غرض کہ ابھی اس معرکہ سے فارغ نہیں ہوئے تھے۔ کہ آپ کو خارجیوں سے لڑنا پڑا۔ پس یہ ایسے واقعات تھے جن کے سدراہ ہونے سے نہ آپ ممالک غیر پر فوج کشی کر سکتے تھے۔ اور نہ فتح بلاد کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ اگر صحابہ کا وہی اتفاق جو عہد شیخین میں تھا۔ جناب امیرؑ کی خلافت کے وقت بھی قائم رہتا تو البتہ دونوں زمانوں کے فتوحات کا موازنہ کیا جاتا۔ تاہم کتب کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ باوجود ان خانہ جنگیوں کی مزاحمت کے آپ نے اشاعت اسلام اور بلاد کے فتح کرنے میں اپنی ہمت کو مبذول دکھایا ہے۔ اور اس جہاد میں بھی آپ دیگر صحابہ کرام سے کم نہیں رہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر کامل التواریخ (جلد ۳ صفحہ ۱۵۲) میں لکھتے ہیں۔ وفیھا توجہ الحرث بن مرہ

العبدی الی بلاد السند غازیا متطوعا بامر امیر المومنین علی فغنم واصاب غنائم وسبیا کثیرا وقسم فی یوم واحد الف راس وبقی غازیا الی ان قتل بارض القیقان هو ومن معه۔ یعنی جناب امیر علیہ السلام کے حکم سے حرث بن مرہ العبدی نے ملک سندھ کا قصد کیا اور جہاد کر کے بہت غنیمت حاصل کی اور کفار کو گرفتار کر لیا۔ چنانچہ ایک دن میں ایک ہزار لونڈی اور غلام غنیمت کے مال میں تقسیم کئے گئے اور ایک مدت تک حرث بن مرہ وہاں پر مصروف جہاد رہے۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کے تمام ہمراہی ارض قیقان میں شہید ہو گئے۔ (ارجح المطالب صہ ۱۷۵)

لیکن جو لوگ حضرت امیر المومنینؑ سے دینوی فتوح کے خواہاں ہوتے ہیں۔ ان کو حضرتؑ کی حقیقی معرفت نہیں ہے۔ انبیاء۔ اوصیاء کو خدا نے دنیا میں کبھی بھی اس غرض سے نہیں بھیجا کہ وہ ملکوں کو فتح کریں۔ زبردستی کی بادشاہت حاصل کریں۔ اور بزور و قہر حکومت کریں۔ فتوح اور قتل و غارت کے واقعات کیا کسی دینی پیشوا اور مذہبی رہنما کے شایان شان ہو سکتے ہیں؟ حضرت آدمؑ سے حضرت رسول خدا صلعم تک کوئی نبی یا وصی ایسا گذرا جس نے ان امور کو کبھی پسند کیا ہو؟ کیا انبیاء و مرسلین اور ان کے اوصیاء و خلفاء خون کی ندیاں بہانے کو بھیجے جاتے تھے؟ کیا وہ مخلوق خدا کے مال و اسباب کو لوٹنے کے لئے مقرر کئے جاتے تھے؟ کیا ان کو یہ حکم دیا جاتا تھا۔ کہ جو خدا کو نہ مانے۔ تم کو پیغمبر یا وصی نہ تسلیم کرے اس کو گرفتار کرو۔ قتل کر دو۔ آگ میں پھونک دو۔ پہاڑ پر سے گرا دو۔ کنوئیں میں الٹا لٹکا دو۔ ان کی عورتوں بچوں تک کو ذبح کر ڈالو۔ دنیا میں کسی پیغمبر نے یہ کارروائیاں کیں؟ کسی وصی یا خلیفہؑ نبی نے اسی کا لاکھواں حصہ بھی کیا؟ خود حضرت رسول خدا صلعم نے کیا کسی کو اس سبب سے قتل کیا۔ کہ وہ اسلام کیوں نہیں قبول کرتا۔ خدا کو ایک کیوں نہیں مانتا۔

آپ کو پیغمبر کیوں نہیں تسلیم کرتا؟ خدا نے تو صاف کہہ دیا ہے: لا اکراہ فی الدین۔ دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں۔ (پ۳ ع۲) فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد۔ پس اگر یہ لوگ اسلام لائیں تو خود ہی ہدایت پائیں گے۔ لیکن اگر انکار کریں تو تم پر صرف پیغام پہونچا دینا ہے۔ اس کے سوائے تم کچھ نہیں کر سکتے اور خدا تو اپنے بندوں کو دیکھ ہی رہا ہے (پ۵ ع۱۰) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناک علیھم حفیظا۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے تم کو اُن لوگوں پر پاسبان مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے (پ۷ ع۸) واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور نافرمانی سے ڈرو۔ لیکن اگر تم نہیں مانو گے تو جان لو کہ ہمارے رسولؐ کا کام صرف اچھی طرح حکم خدا کا پہونچا دینا ہے پھر کرو چاہے نہ کرو تم کو اختیار ہے۔ (پ۷ ع۲) ما علی الرسول الا البلاغ خدا کے پیغمبروں کا کام صرف حکم خدا کا پہونچا دینا ہے۔ (پ۱۴ ع۳) فان تولوا فانما علیک البلاغ المبین۔ اگر یہ لوگ نہ مانیں تو اور کچھ نہ کرو کیونکہ تمہارے ذمہ صرف حکم خدا کا صاف پہونچا دینا ہے۔ ق (پ۲۶ ع۱۷) نحن اعلم بما یقولون وما انت علیھم بجبار۔ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں۔ اور اے رسولؐ تم ان لوگوں پر جبر دینے کو نہیں بھیجے گئے ہو (پ۳۰ ع۱۴) فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر الا من تولی وکفر فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم۔ اے رسولؐ تم ان لوگوں کو سمجھاتے رہو۔ کیونکہ تم سمجھانے ہی کے لئے مقرر کئے گئے ہو۔ ان پر داروغہ نہیں مقرر کئے گئے ہو۔ ہاں جو لوگ انکار کریں گے اور کافر ہی رہیں گے تو اُن کو (تم نہیں بلکہ) خدا ہی بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ کیونکہ وہ (مر کر) تو ہمارے پاس ضرور

ہی آئیں گے پھر ان سب کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (پ ۳۰ ع ۱۳)

ان آیات نے اچھی طرح بتا دیا۔ کہ کوئی نبی زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانے۔ ان سے کلمہ پڑھوانے۔ ان سے خدا کو سجدہ کرانے۔ ان سے نماز پڑھوانے۔ ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ سب کا فرض اس قدر تھا۔ کہ لوگوں کو سمجھا دیں۔ اور دین خدا تک پہونچا دیں اگر وہ مانیں تو خیر ورنہ ان کو چھوڑ دیں مرنے پر خدا ان سے خود سمجھ لے گا۔

بعض نادان مسلمان کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر و عمر نے بڑے بڑے ملک فتح کئے۔ کروڑوں اشرفیوں کی دولتیں حاصل کیں۔ اسلام کی عظیم الشان سلطنت قائم کی مگر حضرت علیؑ نے کوئی ملک فتح نہیں کیا۔ کسی شہر پر قبضہ نہیں کیا۔ اسلام میں کسی جزء کا اضافہ نہیں کر سکے مسلمانوں کی سلطنت نہیں بڑھا سکے۔ ان لوگوں کے لئے دنیا حاصل نہیں کر سکے۔ اہل اسلام کو دولتمند نہیں بنا سکے۔ اُن کی زندگی کو عیش و عشرت کا سامان مہیا نہیں کر سکے۔ اور حضرت ابوبکر و عمر سے یہ کل فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔

لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر حضرت علیؑ نے ایسا نہیں کیا تو کیا۔ حضرت آدمؑ نے کیا۔ حضرت آدمؑ نے کیا؟ حضرت نوحؑ سے یہ کام ہو سکے حضرت ابراہیمؑ کے یہ کارنامے کہیں بھی ملتے ہیں؟ حضرت موسیٰؑ کا اس قسم کا کوئی واقعہ کوئی شخص بتا سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰؑ نے یہ باتیں انجام دیں؟ حضرت رسولِ خدا صلعم سے یہ فوائد حاصل ہوئے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حضرت علیؑ کو اُس جماعت میں رکھو جس میں پیشوایانِ دین گزرے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر و عمر کو اُس طبقہ میں سمجھو جس میں دنیا کے عظیم الشان فاتحین و سلاطین تھے۔ کیونکہ شروع سے دنیا میں دو قسم کے سردار گزرے ہیں۔ ایک ۱ دنیا کے حکام۔ دوسرے ۲ دین کے پیشوا۔ اگر

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دنیوی سرداروں میں قرار پاتے ہیں۔ تو حضرت علیؑ دینی سرداروں میں محسوب کیے جائیں گے۔ اور واقعات سے ان لوگوں کی تقسیم اس طرح کی جائے گی۔

دُنیا کے بڑے فاتح	دُنیا کے بڑے ہادی
(۱) سکندر	(۱) حضرت آدم علیہ السلام
(۲) چنگیز خاں	(۲) حضرت نوح علیہ السلام
(۳) جولیس سیزر	(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام
(۴) بخت نصر	(۴) حضرت ایوب علیہ السلام
(۵) نپولین بوناپارٹ	(۵) حضرت یحییٰ علیہ السلام
(۶) محمود غزنوی	(۶) حضرت ہودؑ علیہ السلام
(۷) تیمور	(۷) حضرت ہارون علیہ السلام
(۸) اکبر	(۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام
(۹) حضرت ابوبکر	(۹) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
(۱۰) حضرت عمر	(۱۰) حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

غالباً اسی مناسبت کو پیشِ نظر رکھ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی مشہور حدیث تشبیہ ارشاد فرمائی تھی فقال قال رسول اللہؐ من اراد ان ینظر الی آدمؑ فی علمہ والی نوحؑ فی فہمہ والی ابراھیمؑ فی حلمہ والی یحییٰؑ بن زکریا فی زھدہ والی موسیٰؑ بن عمران فی بطشہ فلینظر الی علی بن ابی طالبؑ۔ جو شخص چاہے۔ کہ حضرت آدمؑ کو ان کے علم سمیت۔ حضرت نوحؑ کو ان کی فہم سمیت۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے صَولت سمیت دیکھے وہ نظر کرے طرف علی بن ابی طالبؑ کے (ریاض نضرہ جلد ۲ ص۲۱۸) اس حدیث کے ذیل میں علامہ فخرالدین رازی

نے لکھا ہے :۔ ھذا الحدیث یدلّ علی انّ علیا کان مساویا لھٰؤلاء الانبیاء فی ھذہ الصفات ولا شک ان ھؤلاء الانبیاء کانوا افضل من سائر الصحابۃ والمساوی لافضل فوجب ان یکون علی افضل منھم۔ یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم۔ فہم۔ حلم۔ زہد۔ بطش) میں حضرت علیؑ مذکورہ بالا انبیاء کرام کے برابر تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کل انبیاء تمام صحابہ سے افضل تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو کچھ شخص افضل کے برابر ہوگا وہ بھی افضل ہی ہوگا۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ بھی کل صحابہ سے افضل تھے (اربعین فی اصول دارزج المطالب ص۴۵۵)

آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی ذات کے مثل بھی فرمایا ہے :۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہؐ ما من نبی الا ولہ نظیر فی امتہ فعلیّ نظیری، اخرجہ الثعلبی والدیلمی۔ انس بن مالک صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کی کوئی مثال اس کی امت میں ضرور ہوتی ہے۔ اور میری امت میں میری مثال علیؑ ہیں۔ اس حدیث کو ذکر کیا ہے ثعلبی اور دیلمی نے (ارحج المطالب ص۴۵۴)

پس جس طرح حضرت رسولِ خدا صلعم فاتح ملک و بلاد غانم اموال و املاک نہیں تھے۔ اُسی طرح حضرت علیؑ کو بھی یہ خطابات نہیں مل سکتے لیکن جس طرح حضرت علی علیہ السلام سب سے بڑے خلیفہ اور وصی تھے جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے لوگوں کو ایمان کی راہ دکھائی اُسی طرح حضرت علیؑ بھی لوگوں کو ہدایت کرنے اور صراط مستقیم دکھاتے رہے۔ اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم پر جب دشمنوں نے حملہ کیا تو حضرتؐ نے اپنی ذات اور مومنین کو بچانے کے لئے اُن سے

دفاعی جنگ کی بالکل اسی طرح جب حضرت علیؑ پر جمل و صفین و نہروان میں دشمنوں نے یورش کی تو حضرتؑ نے اپنی ذات اور مومنین کی حفاظت کے لئے ان سے جہاد کئے۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلعم نے اس کی پیشین گوئی بھی فرمادی تھی۔ حضرت علیؑ سے فرماتے تھے۔ انک تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ۔ اے علی تم بھی قرآن کا مطلب بتانے کے لئے لوگوں سے اسی طرح جہاد کروگے۔ جس طرح میں قرآن حکیم کا حکم پہونچانے کے لئے ان لوگوں سے جہاد کر رہا ہوں۔ (صواعق محرقہ ب ۱۱ ص ۱۰۸) روی ابن عساکر من علیؑ قال امرنی رسول اللہ بقتال الناکثین والمارقین والقاسطین والمراد بالناکثین طلحۃ والزبیر اصحاب الجمل وبالمارقین الخوارج وبالقاسطین معویۃ یعنی ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے مجھے حضرت رسول خدا صلعم نے حکم دیا تھا۔ کہ ناکثین ومارقین وقاسطین سے طلحہ وزبیر جنگ جمل والے ہیں۔ مارقین سے مراد خوارج ہیں اور قاسطین سے مراد معویہ ہیں (سیرۃ محمدیہ مطبوعہ مصر ص ۴۵۹ و مجمع بحار الانوار لغت نکث ص ۳۹۵ وانوار اللغۃ پ ۲۵ ص ۱۲۸)

الغرض آں حضرتؐ صلعم کو کبھی اس کا موقع مل گیا کہ حضرت ابوبکر و عمر و علیؑ کی جنگ اور ان کی ایمانی حالت پر تبصرہ فرمائیں تو حضرت علیؑ ہی کی جنگ کو دینی جہاد فرمایا اور آپ ہی کے ایمان کی تصدیق کی۔ اور اُن دونوں حضرات کے بارے میں سوال بھی کیا گیا۔ تو حضرتؐ نے سوائے لا (نہیں) کے کچھ نہیں فرمایا۔ محدثین محققین نے لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرتؐ نے فرمایا یا معشر قریش واللہ لیبعثن اللہ علیکم رجلا منکم قد امتحن اللہ قلبہ للایمان ولیضربنکم علی الدین او یضرب بعضکم۔ قال ابوبکر انا ھو یا رسولؐ اللہ۔ قال لا۔ قال عمر انا ھو یا رسولؐ اللہ قال لا۔ ولکن ذالک یخصف النعل وقد اعطی علیا نعلہ یخصفھا۔

اے گروہ قریش خدا کی قسم تم لوگوں پر اللہ اُس شخص کو مقرر کرے گا۔ جو تم ہی میں سے ہے۔ اور جس کے دل کا امتحان اللہ نے کر لیا ہے۔ وہ تم لوگوں سے یا تمہاری ایک جماعت سے دینِ حق پر جہاد کرے گا۔ اس پر حضرت ابو بکر نے پوچھا اے رسول خداؐ کیا وہ شخص میں ہوں گا؟ فرمایا نہیں۔ تب حضرت عمر نے پوچھا میں ہوں گا؟ آں حضرتؐ نے ارشاد کیا نہیں بلکہ یہ ہو گا جو میری جوتی ٹانک رہا ہے۔ اور اُس وقت حضرتؐ نے اپنی جوتی حضرت علیؑ کو ٹانکنے کے لئے دی تھی۔ (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۵۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رسولِ خداؐ نے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ حضرت علیؑ کا جہاد خالص طور پر دینی ہو گا۔ اور حضرتؐ کے ایمان کا امتحان بھی خدا لے چکا ہے۔ برخلاف اس کے حضرت ابو بکر و عمر کے فتوحات کو آنحضرتؐ نے نہ دینی کارنامہ بتایا اور نہ ان دونوں بزرگوں کے ایمان کی تصدیق کی۔

یہ تو حضرت علیؑ کے جہاد کی حالت تھی کہ بدرجۂ مجبوری اس پر آمادہ ہوئے تو اس میں بھی بالکل رسولؐ کی پیروی کی۔ لیکن حضرتؐ کے اصلی فرائض وہ تھے۔ جو حضرت رسولؐ خدا کے تھے اور جو اوپر بیان کئے گئے کہ جس طرح آں حضرت صلعم لوگوں پر آیاتِ خدا کی تلاوت کرتے تھے، لوگوں کے اخلاق کی اصلاح فرماتے تھے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ بالکل اُسی طرح حضرت علیؑ نے بھی یہی خدمات انجام دیں۔ آیاتِ خدا کی تلاوت اس شان سے کی کہ اب تک لوگ آپ کے ارشادات سے ایمان تازہ کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کے اخلاق اس طرح درست کئے کہ اس وقت تک دُنیا حضرتؑ کی تعلیم سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ حضرت علیؑ کی مشہور کتاب نہج البلاغۃ کو آج عیسائی علماء و محققین بھی پڑھ کر اپنا سر دُھنتے اور اسلام کی اس عظیم الشان ہستی کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اس میں زیادہ

تر توحیدِ خدا تزکیۂ اخلاق ہی کا فلسفہ بھرا ہوا ہے۔ جس پر انسان اگر عمل کرے تو فرشتہ ہو جائے۔

رہی کتاب و حکمت کی تعلیم تو یہ صفت بھی حضرت رسول خدا صلعم کے بعد بوجہ اتم حضرت علیؑ ہی میں تھی۔ قرآن مجید پر سینکڑوں اعتراضات خلفاء ثلثہ کے زمانے میں ہوئے اور حضرت علیؑ ہی نے ان سب کو حل کیا۔ اس کی تفسیر بیان کرنا شروع کرتے تو شام سے صبح تک کسی ایک لفظ کی تفسیر بھی ختم نہیں ہوئی عن ابن عباس قال لیشرح لنا علیؑ نقطۃ الباء من بسم اللہ الرحمن الرحیم لیلۃ فانفلق عمود الصبح فرأیت نفسی فی جنبہ کالفوارۃ فی جنب البحر المشجر۔ ابن عباسؓ کہتے تھے۔ کہ ایک رات کو حضرت علیؑ باء بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نقطہ کی شرح فرمانے لگے۔ تو صبح ہو گئی مگر وہ تفسیر پوری نہیں ہوئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مجھ کو جو قرآن کا علم ہے۔ وہ حضرت علیؑ کے علم کے مقابل ایسا ہے۔ جیسے ایک چھوٹا پانی کا گڑھا سمندر کے بازو۔ کہاں سمندر اور کہاں ایک گڑھا (انوار اللغۃ پ ۲ ص ۳۶)

اور حکمت کی تعلیم آپ نے ایسی اعلیٰ درجہ سے کی کہ کتابوں میں اس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ یورپ کی کئی زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو چکے۔ ایک کتاب درر الکلم و غرر الحکم انہیں چیزوں کا ایک جزو ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کے متعلق بہت صحیح فرمایا تھا۔ کہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا (میں علم کا شہر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) پس جس کو وہ روحانی منافع اور نورانی فوائد دیکھنے ہوں جو حضرت رسول خدا صلعم سے حاصل تھے۔ وہ حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرے۔ اور جس کو حکومتِ دنیا۔ ملک گیری اور تحصیل مال و دولت کا تماشا دیکھنا ہو وہ دوسری جماعت کا خیال کرے۔ چونکہ جب حضرت علیؑ رحمۃ للعالمینؐ کے

نفس جانشین تھے۔ تو کسی پر بے وجہ حملہ کیوں کرتے۔ کسی ملک پر فوج کس غرض سے بھیجتے۔ اور جب یہ باتیں آپؑ نے حرام سمجھیں تو کوئی ملک کس طرح فتح ہوتا۔ اور جب کسی سلطنت کو لوٹا ہی نہیں تو اپنا خزانہ کیسے بھرتے۔ اور جب زہد کو پسند کیا تو عیش کا سامان کہاں سے مہیا ہوتا۔ البتہ حضرت رسولؐ خدا اور دوسرے انبیاءؑ کی طرح حضرتؑ کی علمی خدمات کو دیکھنا چاہیئے۔

حضرت علیؑ کے کارنامے

حضرتؑ کے علمی کارنامے بے عدد وحساب ہیں۔ ہم یہاں صرف مشہور علامہ اہلسنت ابن ابی الحدید معتزلی کی رائے کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ ممدوح نے لکھا ہے کل علوم کا اشرف علم آلہی ہے۔ اور یہ حضرت علیؑ ہی کے کلام سے اقتباس کیا گیا۔ حضرتؑ ہی سے منقول ہوا۔ حضرتؑ ہی سے اس کی ابتداء اور حضرتؑ ہی تک اس کی انتہا ہوتی ہے۔ عقائد کے اعتبار سے اسلام میں جو مختلف فرقے ہوئے ان سے ایک معتزلہ ہے۔ اس فرقہ کا بانی واصل بن عطاء شاگرد تھا ابو ہاشم کا اور وہ شاگرد تھے۔ اپنے باپ محمد بن الحنفیہ کے اور وہ اپنے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کے۔ دوسرا فرقہ اشعریہ ہے۔ جو منسوب ہے ابوالحسن اشعری کی طرف۔ اور وہ شاگرد تھا۔ ابو علی جبائیؒ کا جو مشائخ معتزلہ سے تھا۔ پس یہ فرقہ بھی حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہوا۔ تیسرا فرقہ امامیہ و زیدیہ ہے۔ اس کا حضرتؑ کی طرف منسوب ہونا بالکل واضح ہے (کہ بالکل حضرتؑ ہی کا پیرو ہے)

اسلامی علوم میں علم فقہ بھی ہے۔ اور اسلام کا ہر فرقہ مجتہد حضرتؑ ہی کا شاگرد ہے۔ چنانچہ اہلسنت میں چار فرقے ہیں۔ مالکی۔ حنفی۔ شافعی اور حنبلی۔ مالکی فرقہ کے امام مالک شاگرد تھے۔ ربیعۃ الرائی کے جو شاگرد تھے۔ عکرمہ کے اور وہ شاگرد تھے۔ عبداللہ بن عباس کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علیؑ کے۔ پس پورا فرقہ مالکی درحقیقت حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہے۔ دوسرے

فرقہ حنفی کے امام ابو حنیفہ حضرت امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔ اور یہ حضرات شاگرد تھے امام زین العابدینؑ کے وہ حضرت امام حسینؑ کے اور وہ حضرت علیؑ کے۔ پس پورا فرقہ حنفی بھی درحقیقت حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہے تیسرے فرقے کے امام شافعی شاگرد تھے۔ امام محمد کے جو شاگرد تھے امام ابو حنیفہ کے اس طرح فرقہ شافعی بھی حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہوا۔ چوتھے فرقہ حنبلی کے امام احمد بن حنبل شاگرد تھے۔ امام شافعی کے۔ اس طرح ان کا فرقہ بھی حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہوا۔ رہا فرقہ شیعہ تو اس کا شاگردِ علیؑ ہونا ظاہر ہے۔

علاوہ بریں صحابہ کے فقہاء حضرت عمر و عبد اللہ بن عباس تھے۔ اور دونوں نے علم فقہ حضرت علیؑ ہی سے سیکھا۔ عبد اللہ بن عباس کا شاگردِ حضرت علیؑ ہونا تو واضح اور مشہور ہے۔ رہے حضرت عمر تو ان کے بارے میں بھی سب کو معلوم ہے۔ کہ بکثرت مسائل میں ان کی عقل و فہم اور راہ چارہ تو بالکل بند ہو جاتی تھی تو وہ حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرتے اور حضرتؑ ہی سے اُن مشکل مسائل کو حل کرایا کرتے تھے بلکہ دوسرے صحابہ پر بھی جو مشکل مسائل وارد ہوتے ان کو بھی حضرت عمر آخر کار حضرت علیؑ ہی سے حل کرا کے اپنی مصیبت دفع کرتے تھے۔ ان کا بار بار کہنا الا علی لھلک عمر (اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) لا بقیت لمعضلۃ لیس لھا ابو الحسن (جس مصیبت کے دفع کرنے کے لئے حضرت علیؑ نہ ہوں اُس کی نازل ہوتے وقت میں زندہ ہی نہ رہوں) لا یفتین احد فی المسجد و علی حاضر (خبردار حضرت علیؑ کے رہتے کوئی شخص مسجد میں فتویٰ نہ دیا کرے) عام طور پر مشہور و معروف ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ علم فقہ کی انتہاء حضرت علیؑ ہی تک ہوتی ہے حضرت علیؑ ہی وہ ہیں جنہوں نے اُس عورت کے متعلق منصفانہ فتویٰ دیا۔ جس نے چھ مہینہ پر بچہ جنا تھا اور وہی حضرت ہیں جنہوں نے زناکار حاملہ عورت کے بارے میں درست فتویٰ دیا تھا اور وہی حضرتؑ ہیں

جنہوں نے مسئلہ منبر پر ہی فرمایا تھا۔ کہ اس کا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا۔ یہ ایسا مشکل اور دقیق مسئلہ تھا۔ کہ اگر علم ریاضی کا کوئی بڑا استاد عرصہ تک غور و فکر کرنے کے بعد یہ جواب دیتا تو اس کی بھی مدح و ثنا کی جاتی پھر اس بزرگ (حضرت علیؑ) کے بارے میں کیا کہا جائے جس نے مسئلہ کو سنتے ہی بغیر کچھ غور و فکر کئے فوراً ٹھیک جواب دے دیا۔

اسلامی علوم میں تفسیر قرآن کا علم بھی ہے۔ یہ علم بھی حضرت علیؑ ہی سے حاصل کیا گیا۔ جو شخص تفسیر کی کتابیں دیکھے اُسے آسانی سے اس دعوے کی صحت معلوم ہو جائے گی کیونکہ تفسیر کے مطالب زیادہ تر حضرت علیؑ اور عبداللہ بن عباس ہی سے منقول ہیں اور عبداللہ بن عباس تو حضرتؑ کے مشہور شاگرد تھے۔ لوگوں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں آپ کا علم کتنا ہے؟ کہا جتنا ایک دریائے زخار کے مقابلہ میں ایک چھوٹا قطرہ ہو سکتا ہے۔

اسلامی علوم میں علم طریقت و حقیقت و اصول تصوف بھی ہے۔ اور تم کو معلوم ہے کہ اس فن کے کل علماء و ماہرین اپنے کو حضرتؑ ہی کی طرف منسوب کرتے اور حضرتؑ ہی تک اپنا سلسلہ پہونچاتے ہیں۔ اس کی تصریح اُن لوگوں نے بھی کی ہے۔ جو صوفی فرقہ کے امام و پیشوا مانے گئے ہیں۔ مثل شبلی جنید۔ سری۔ ابو یزید بسطامی۔ ابو محفوظ معروف کرخی وغیرہ کے۔ اس کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے۔ کہ وہ خرقہ جو آج تمام صوفی حضرات کا شعار ہے۔ حضرتؑ ہی کی طرف منسوب ہے اور کل صوفی حضرات متصل اسناد سے اس خرقہ کو حضرتؑ ہی کا قرار دیتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔

منجملہ علوم علم نحو و عربیۃ بھی ہے اور دنیا میں علم عربی کے جس قدر ماہرین حقائق ہیں۔ سب کو معلوم ہے۔ کہ حضرتؑ ہی نے اس علم کی

ایجاد کی۔ اس کے قواعد و ضوابط مدون فرمائے اور ابوالاسود دئلی کو اس علم کے اصول و جوامع کی تعلیم فرما کر اسی نہج پر اس کے قوانین کو ترتیب دینے کا طریقہ سکھایا۔ حضرتؑ نے جو مختصر اور جامع اصول بتائے ان میں یہ بھی تھا۔ کہ فرمایا کلام تین ہی ہوگا اسم۔ فعل۔ حرف۔ اور کلمہ کو معرفہ و نکرہ میں اور اعراب کو رفع۔ نصب۔ جر و جزم میں تقسیم فرمایا۔ حضرتؑ کے ان مختصر اصول و ضوابط کو آپ کے معجزات میں شمار کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ انسانی دماغ کی قوت اس طرح حصر اور محدود کرنے پر قادر نہیں ہو سکتی اور ایسی تحقیق و تدقیق سے اس قاعدہ کا بنانا آدمی کے ذہن کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ تو حضرتؑ کے علم کی حالت تھی۔ اب اگر تم حضرتؑ کی ان خصوصیات و محاسن کی طرف رجوع کرو جو خلقی تھیں۔ یا اُن فضائل و مناقب کو دیکھو جو حضرتؑ کے نفس و روح اور امور دینیہ سے متعلق ہیں تو تم ان اوصاف میں بھی حضرتؑ کو سب سے بڑھا ہوا اور تمام مدارج پر فائز پاؤ گے اور کسی فضیلت میں بھی حضرتؑ کی ذات کو کسی طرح کم نہ پاؤ گے۔

حضرتؑ کی اصابتِ رائے اور حسن تدبیر

علامہ مذکور نے لکھا ہے۔ سب لوگوں سے زیادہ حضرت علیؑ کی رائے صائب و محکم و صحیح اور سب کی تدبیروں سے زیادہ آپ کی تدبیر مناسب اور مفید ہوتی تھی۔ چنانچہ جب حضرت عمر نے چاہا کہ خود جنگِ روم و ایران میں جائیں تو حضرت علیؑ ہی نے ان کو مفید مشورہ دیا۔ جس کو حضرت عمر نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور اپنے ارادے سے باز رہے اور حضرت عثمان کو بھی ایسے قیمتی مشورے دیئے جن کو اگر وہ قبول کر لیتے تو انہیں جن حوادث و آفات سے سامنا ہوا اُن سے محفوظ رہ جاتے۔ اور حضرتؑ کے دشمنوں نے جو یہ مشہور کیا ہے۔ کہ حضرتؑ صاحب رائے نہیں تھے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرتؑ دین

اور شریعت کے نہایت سخت پابند تھے۔ اس کے خلاف توجہ ہی نہ کرتے۔ اور دینی حیثیت سے جو امور حرام ہوتے وہ خواہ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی مفید ہوتے حضرتؑ کبھی ان کا ارادہ تک نہیں کرتے۔ .. ..

.. ..

.. .. .. آپ خود فرماتے تھے۔ لولا الدین والتقی لکنت ادھی العرب اگر دین کی پابندی اور خدا کا خوف نہ ہوتا تو چالاکی اور ہوشیاری میں عرب کا کوئی شخص میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور حضرتؑ کے سوائے جو خلفاء تھے۔ وہی راہ اختیار کرتے جس میں دنیوی حیثیت سے مصلحت دیکھتے اور جس کو اپنے مفید مطلب پاتے خواہ وہ راہ شرع کے مطابق ہوتی یا نہ ہوتی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص صرف اپنی عقل و تدبیر کے مطابق عمل کرے گا۔ وہ کسی شریعت یا اصول کی پابندی نہیں کرے گا۔ جس کے سبب سے اُس کو اپنے اُن کاموں کو ترک کرنا پڑے جن میں وہ اپنی مصلحت اور نفع دیکھے۔ غرض جو شخص بغیر کسی مذہب کی پروا اور خوف کئے صرف اپنے دنیوی نفع کا لحاظ کر کے کام کرے گا اُس کی دنیوی زندگی کہیں زیادہ کامیاب۔ درست اور منتظم ہو گی۔ بمقابلہ اُس شخص کی زندگی کے جو اپنے ہر کام میں دین کا لحاظ رکھے اور قدم قدم۔ پہ خوف خدا کا خیال کرے کہ ایسے شخص کے دنیوی امور یقیناً منتشر اور غیر منظم ہوں گے اور اس کی زندگی زیادہ ناکامیاب نظر آئے گی

حضرتؑ کی سیاست

علامہ مذکور نے لکھا ہے اب صرف حضرتؑ کی سیاست کے بارے میں کچھ لکھنا رہ گیا تو کان شدید السیاستہ خشنا فی ذات اللہ حضرتؑ بہت زبردست سیاست کے اور ذات خدا یعنی حق باتوں میں

بڑے سخت اور غیر متزلزل تھے۔ اپنے چچازاد بھائی ابن عباس کو ایک مقام کی حکومت دی اور اس میں ان سے کچھ نامنا سب باتیں ظاہر ہوئیں تو ان کے ساتھ بھی تشدد سے پیش آئے۔ آپ کے حقیقی بھائی نے اپنا وظیفہ زیادہ کرانا چاہا تو ان کا بھی خیال نہ کیا غرض حکم خدا کے خلاف جو بھی چلا۔ اس کو شرعی سزائیں دینے میں کبھی تامل نہیں کیا اور کسی قرابت یا ذاتی خصوصیت کے سبب سے باز نہ رہے۔ حضرتؑ کے سیاسی کارناموں سے جنگ جمل و صفین و نہروان بھی ہیں جو آپ کی ابتداء خلافت سے آخر تک جاری رہیں اور سب میں آپ نہایت استقلال و جواں مردی سے جہاد کرتے اور کامیاب ہوتے رہے۔

اگر ان واقعات کا صرف اقل قلیل ظاہر ہوتا جب بھی حضرت کا کمال سیاست ثابت کرنے کے لئے کافی تھا۔ چہ جائیکہ اس کثرت سے امور صادر ہوئے اور حضرتؑ نے سب کا تنہا مقابلہ کیا اور اس قدر لوگوں کی مخالفت نے کسی وقت آپ کو گھبرایا نہیں نہ ضعیف ہونے دیا۔ امورِ سیاست میں بھی حضرتؑ کے بے مثل و نظیر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان لڑائیوں میں جو قوت و شجاعت۔ دبدبہ و شوکت۔ دلجمعی و اطمینان۔ حملہ و گرفت۔ دشمن سے انتقام اور باطل کا کسر حضرتؑ کے ہاتھ اور آپ کے اعوان و انصار سے ظاہر ہوا اس کا دسواں حصہ بھی دنیا کے کسی زبردست سیاست والے سے نہیں دیکھا گیا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ا ص۲)

حضرت کی سیاست کا نمونہ

علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ ہمدان سے نکلے۔ تو دو جنگجوؤں کو لڑتے دیکھا۔ حضرتؑ نے دونوں کو متفرق کر دیا۔ آگے بڑھے تو آواز سنی کہ کوئی فریاد کر رہا ہے حضرتؑ اس کی طرف دوڑے اور فرماتے جاتے تھے۔ میں پہونچا۔ جاکر دیکھا کہ ایک شخص دوسرے سے لپٹا ہوا ہے۔ اس نے حضرتؑ کو دیکھ کر کہا یا حضرت میں نے اس کے ہاتھ ایک کپڑا نو درہم کو بیچا اور شرط کی کہ مجھے کوئی

خواب درہم نہیں دے گا مگر اس نے کپڑا لے کر جو درہم دیئے اُن میں چند خواب ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ بدل دے تو اس نے مجھے طمانچے مارے۔ اور درہم نہیں بدلتا۔ حضرتؑ نے اس سے درہم بدلوا دیئے پھر فریاد کرنے والے سے پوچھا کہ کس کے سامنے اس نے طمانچے مارے ہیں۔ اس نے گواہ پیش کئے تو حضرتؑ نے فرمایا اب تو بدلہ لے مگر اس نے عرض کی حضور! میں نے اس کو معاف کر دیا۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے یہ چاہا کہ یہ ظالم تیرے حق میں انصاف کرے پھر اس ظالم کو نو کوڑے مارے اور فرمایا کہ (اگرچہ اس مظلوم نے تجھ کو معاف کر دیا مگر) یہ سلطنت کی طرف سے سزا ہے (تاکہ آئندہ تو پھر کسی کے ساتھ ظلم نہ کرے)۔ (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۹)

جنابِ زینبؑ و ام کلثومؑ

حضرتؑ کی بڑی صاحب زادی جناب زینبؑ کی شادی عبداللہ بن جعفر سے ہوئی جن سے جناب عون پیدا ہوئے۔ دوسری صاحب زادی ام کلثومؑ کی شادی محمد بن جعفر سے ہوئی تھی۔ خلیفہ دوم سے آپ کی شادی کا دعوی محض افتراء اور خلاف عقل و نقل ہے۔ جس کی تفصیل سوانح عمری خلیفہ دوم اور "حضرت ام کلثوم" میں قابل دید ہے۔

جناب محمد بن الحنفیہ

حضرت امیر المومنینؑ کے صاحب زادے تھے۔ آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر قبیلہ بنو حنیفہ سے تھیں جو خلیفہ اوّل کے زمانہ میں بنو حنیفہ کے اسیروں میں آئی تھیں۔ اسامہ نے انہیں خرید کر حضرت علیؑ کے ہاتھ بیچ دیا۔ جناب امیرؑ کو حقیقت حال معلوم ہوئی۔ تو ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ چونکہ وہ حنفیہ کہلاتی تھیں اس وجہ سے ان کے فرزند محمد کو لوگ محمد بن حنفیہ کہنے لگے۔

جناب محمد بن حنفیہ سنہ ۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے قوی تھے حضرت علیؑ کے پاس ایک زرہ آئی جو بڑی تھی۔ حضرتؑ نے ان سے فرمایا کہ

اسے فلاں جگہ سے چھوٹی کر دو۔ انہوں نے ایک ہاتھ سے زرہ پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے زور کر کے اتنا حصہ جو حضرت علیؑ نے فرمایا تھا۔ توڑ کر الگ کر دیا (دفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۴۴۹) آپ کی شہ زوری مشہور تھی۔ ایک دفعہ قیصر روم نے ایک نہایت زور آور پہلوان معویہ کے پاس بھیجا کہ کسی مسلمان پہلوان سے اس کی زور آزمائی کرائے۔ معویہ نے عمرو عاص سے پوچھا اس کے مقابلے میں کسے پیش کیا جائے؟ . . . .

عمرو عاص نے کہا عبداللہ بن زبیر اور محمد بن الحنفیہ سب سے زیادہ طاقتور ہیں معویہ نے محمد بن الحنفیہ کو ترجیح دی۔ جب محمد بن الحنفیہ اور اس رومی پہلوان میں مقابلہ ہوا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا اس سے کہو کہ اگر چاہے بیٹھ جائے اور میں کھڑا ہو کر اس کا ہاتھ پکڑوں۔ یہ مجھے بٹھا دے یا میں اسے کھڑا کر دوں۔ اور اگر یہ چاہے کھڑا رہے میں بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ مجھے کھڑا کر دے یا میں اسے بٹھا دوں۔ رومی نے بیٹھنا پسند کیا تو آپ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اس زور سے اوپر کو کھینچا کہ وہ بالکل بے اختیار ہو کر کھڑا ہو گیا اور آپ کے بٹھانے سے عاجز رہا۔ پھر رومی کھڑا ہوا اور محمد بیٹھے تو آپ نے رومی کو بٹھا لیا اور وہ آپ کو کھڑا نہ کر سکا۔ آخر وہ پہلوان مغلوب ہو کر روم واپس چلا گیا (کامل للمبرد جلد ا صفحہ ۲۵۰)

آپ نے جنگ جمل و صفین و نہروان میں شجاعت کے بڑے بڑے جوہر دکھلائے۔ جمل میں آپ ۱۵۔ صفین میں ۱۶ اور نہروان میں ۱۷ سال کے تھے۔ جنگ صفین میں کرنیب نامی ایک شخص جو نہایت مشہور شامی بہادر اور ایسا قوی تھا۔ کہ درہم کے نقش کو چٹکی سے مٹا دیتا تھا۔ میدان میں آیا اور چند بہادران عرب کو شہید کر دیا تو حضرت نے اس کو قتل کر دیا۔ اس پر اس کے بنی اعمام سے ایک شخص اس کا بدلہ لینے آیا۔ اور محمد بن الحنفیہ پر حملہ کیا۔ آپ نے اس کو پشت زین سے اُٹھا کر اس

طرح زمین پر دے مارا کہ اُس کا بند بند چور ہو گیا۔ دوسرا آیا وہ بھی اس سے ملحق ہوا۔ اسی طرح کریب کے آٹھ بنی اعمال کو آپ نے ختم کر دیا۔

باوجود یکہ آپ حضرت امام حسنؑ و حسین کے سوتیلے بھائی تھے۔ مگر کبھی اپنے کو اُن حضراتؑ کے برابر نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ غلام خیال کیا ایک دفعہ آپ سے کہا بھی گیا کہ یہ کیا بات ہے آپ کے والد (حضرت علیؑ) آپ کو تو مہلکوں میں ڈالتے اور سخت معرکوں میں بھیجتے ہیں مگر آپ کے بھائیوں حسنؑ حسینؑ کو ان خطرناک بگھوں میں نہیں بھیجتے؟ آپ نے کیسی معرفت کا جواب دیا جو سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا وہ دونوں حضرتؑ کی آنکھیں ہیں اور میں حضرتؑ کا ہاتھ ہوں۔ انسان اپنی آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے بچایا ہی کرتا ہے۔ اسی طرح حضرتؑ مجھے بھیجتے اور ان دونوں صاحب زادوں کو بچاتے ہیں۔ ایک اور موقع پر آپ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ میں حضرت علیؑ کا بیٹا ہوں۔ (اس وجہ سے حضرتؑ مجھے بھیج دیتے ہیں) اور جناب حسنؑ و حسینؑ رسول اللہؐ کے بیٹے ہیں (اس سبب سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں۔

ایک دفعہ بادشاہ روم نے خلیفہ عبدالملک کو دھمکی دی اور قسم کھائی کہ مجھے جزیہ بھیجو ورنہ میں ایک لاکھ فوج سے براہِ خشکی اور ایک لاکھ سے براہ بحری تم پر چڑھائی کرتا ہوں۔ اس پر عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ محمد بن الحنفیہ کو اسی قسم کی دھمکی دے۔ اور پھر جو جواب وہ دیں ہم کو لکھ بھیج۔ حجاج نے ایک تہدیدی خط محمد بن الحنفیہ کو لکھا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ اللہ عزوجل کی ۳۶۰ نظریں (رحمتیں) اپنی خلقت کی طرف رہتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ایک نظر بھی میری طرف کرے گا۔ تو مجھے تیرے شر سے بچالے گا۔ حجاج نے یہ جواب عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ اس نے اسی جواب کو نقل کر کے بادشاہ روم کے پاس روانہ کر

دیا۔ اس نے پڑھ کر اور غائبانہ عبدالملک کو خطاب کر کے کہا تو یہ جواب نہیں ہے سکتا جس نے یہ جواب لکھا ہے۔ ایسا جواب تو خاندان رسولؐ کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتا۔ (طبقات شعرانی و کنز العمال جلد ۱ صـ۲۹ـ) جب امام حسینؑ یزید کے ظلم سے مدینہ چھوڑنے لگے اور محمد حنفیہ کو یہ خبر ہوئی تو اس قدر روئے کہ وہ طشت جو وضو کے لئے پاس رکھا تھا۔ آنسوؤں سے بھر گیا۔ (صواعق محرقہ صـ۱۱ـ) آپ حضرتؑ کے ساتھ اس سبب سے نہیں گئے کہ پہلے سے آپ کے ہاتھ پر ایسا صدمہ پہونچا تھا۔ جس کی وجہ سے تلوار کا قبضہ یا نیزہ وغیرہ ہاتھ سے پکڑ نہ سکتے تھے۔ اور ان دنوں بیمار بھی تھے۔ جب حضرت امام حسینؑ رخصت ہونے لگے۔ تو دونوں بھائی بہت روئے اور حضرتؑ نے ایک وصیت نامہ لکھ کر آپ کے حوالہ کیا اور آپ کو اپنا وصی مقرر کر گئے۔

جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کا لٹا ہوا قافلہ وطن واپس پہونچا اور جناب محمد بن الحنفیہ کو معلوم ہوا کہ اہلبیت ہیں آ رہے ہیں تو آپ ان لوگوں کے استقبال کو دوڑے مگر جب دوڑ سے سیاہ علموں کو دیکھا تو غش کھا کر گھوڑے سے زمین پر گر گئے۔ ہیں جلد جا کر ان کو اٹھائیے ورنہ وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ حضرت سید سجادؑ روتے ہوئے دوڑے۔ پھر جناب محمد بن حنفیہ کا سر اپنی گود میں رکھ کر لیا۔ جب آپ نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ سر امام زین العابدینؑ کی گود میں ہے تو آہ کھینچ کر کہا اے بیٹا میرا بھائی کیا ہوا؟ میرا میوۂ دل کہاں رہ گیا۔ میرے والد کا جانشین کس جگہ ہے۔ میرا بھائی حسینؑ کس طرف ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے چچا میں یتیم ہو کر واپس آیا ہوں۔ لوگوں نے ہمارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو اسیر کیا۔ کاش آپ موجود ہوتے اور اپنے بھائیؑ کو دیکھتے کہ کس طرح فریاد کرتے تھے۔ مگر کوئی ان کی فریاد کو نہیں پہونچتا تھا۔ اور کس طرح مدد چاہتے تھے۔ مگر کوئی ان کی مدد نہیں کرتا تھا۔ کل جانور

تک پانی رہتے تھے لیکن حضرتؑ کو لوگوں نے پیاسا ذبح کر دیا۔ یہ سب سن کر محمد بن حنفیہ اس زور سے چیخے کہ آپ کو پھر غش آگیا۔ جب افاقہ ہوا تو پوچھا بنی ہاشم لوگوں پر کیا کیا گزرا۔ حضرت امام زین العابدینؑ پورے واقعات کہتے اور آپ سب سن کر روتے جاتے تھے۔ (تاریخ التواریخ جلد ۶ ص ۳۰۲)

جناب محمد حنفیہ پر بھی بڑے بڑے ظلم کئے گئے۔ ۶۶ ہجری (۶۸۵ء) میں جب مختار کو کوفہ میں کامیابی حاصل ہوئی تو عبداللہ بن زبیر نے جن کی حکومت حجاز و عراق میں قائم ہو گئی تھی۔ آپ کو اور بنی ہاشم کو اپنی بیعت پر مجبور کیا آپ نے انکار کیا تو ابن زبیر نے قتل کی دھمکی دی۔ آپ نے مہلت طلب کی غرض بہت رد و قدح کے دو ماہ کی مہلت دی۔ اس عرصہ میں ابن زبیر نے آپ کو اس مکان میں جو چاہ زمزم پر بنایا تھا۔ اور جس کا نام سجن عارم تھا۔ محبوس کر کے چالیس آدمی پہرہ پر معین کر دیئے۔ اور کہا کہ اس مدت کے بعد بیعت نہ کرو گے۔ تو قتل کر دیئے اور جلا دیئے جاؤ گے۔ کچھ دن آپ نے اس کی خبر مختار علیہ الرحمہ کو دی اور ان سے مدد مانگی۔ مختار نے بڑی فوج بھیج دی۔ اس اثناء میں ابن زبیر نے سجن عارم کے دروازے پر لکڑیاں جمع کرا دی تھیں کہ اگر ابن حنفیہ تاریخ معینہ پر بیعت نہ کریں تو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو جلا کر ہلاک کر دیا جائے۔ جناب مختار کی فوج دن کو چھپتی اور رات کو سفر کرتی ٹھیک اُسی دن وہاں جا پہونچی جب ابن زبیر ان لوگوں کو آگ لگانے والے تھے۔ یہ فوج ایسی چھپتی پہونچی کہ جب دروازہ حرم تک آگئی اُس وقت ابن زبیر کو اطلاع ہوئی۔ اس فوج نے قید خانہ کو توڑ کر ابن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو اس سے نکال کر طائف یا ایلیہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جناب محمد بن حنفیہ کے توکل علی اللہ کی یہ حالت تھی کہ ابن زبیر نے ان کو کہہ دیا تھا کہ اگر ابن حنفیہ نے غروب آفتاب تک بیعت نہ کی تو میں مکان

میں آگ لگا دوں گا۔ اس پر ابن عباس نے محمد سے کہا کہ ابن زبیر کی بیعت کر لیجئے مگر انہوں نے فرمایا نہیں۔ ایک حجابِ قوی اس کو مجھ سے باز رکھے گا۔ ایسا ہی ہوا کہ جب سورج ڈوبنے لگا تو مختار کی فوج پہونچ گئی اور قید خانہ توڑ کر آپ کو نکال لیا۔ (مروج الذہب جلد ۶ ص ۱۶۰) ایلہ میں آپ عبادت میں بسر کرتے تھے۔ تو لوگ آپ کی فضیلتیں بیان کرنے لگے۔ خلیفہ عبدالملک کو معلوم ہوا اس نے آپ کو امان دی اور آپ طائف میں رہنے لگے۔ وہیں ۸۱ھ ہجری (۷۰۰ء) میں ۶۱ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کی چوبیس ۲۴ اولادیں ہوئیں مگر آپ کی نسل جعفر اور علی سے جاری ہوئی۔ بنی عباس کو اسلامی دنیا کی بادشاہت آپ ہی کے فرزند ابو ہاشم کے توسّل سے ملی۔ اس طرح کو عبداللہ ابن عباس کے پوتے محمد نے دعویٰ کیا کہ امام حسینؑ کے بعد امامت ان کے بھائی محمد بن حنفیہ کو ملی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم کو اور ابو ہاشم نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو سپرد کر دی ہے۔

حضرت عباس علم بردار

حضرت امیر المومنینؑ کے فرزند جلیل القدر۔ آپ کی والدہ ام البنین فاطمہ دختر خرام کلابیہ تھیں۔ جن کا دادیہال اور نانیہال دونوں نہایت بہادر خاندان تھا۔ جناب امیرؑ نے اپنے بھائی جناب عقیل سے جو بڑے نساب اور حالات عرب سے اچھی طرح واقف تھے۔ فرمایا کہ آپ مجھے ایک ایسی لڑکی کی تلاش کر دیجئے جس کے دادیہال اور نانیہال کے کل قبیلہ بہادر ہی بہادر رہے جس سے میں شادی کروں تو بڑا بہادر لڑکا پیدا ہو۔ جناب عقیل نے فاطمہ کلابیہ کو تجویز کیا اور کہا۔ عرب میں اس کے بزرگوں سے زیادہ بہادر اور شہسوار کوئی نہیں ہے حضرتؑ نے ان سے شادی کر لی۔ جن سے چار بیٹے ہوئے۔ عباس۔ عبداللہ۔ جعفر اور عثمان۔ انہیں چاروں بیٹوں کی وجہ سے جناب فاطمہ کی کنیت ام البنین ہوئی۔ اسی نام سے آپ مشہور

ہیں۔ جناب عباس کا لقب قمر بنی ہاشم کے چاند) اور کنیت ابوالفضل تھی۔ آپ ۲۶ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ ولادت کا پتہ ملتا۔ اہل ایمان نے غالباً ۴ شعبان کی رات قرار دی ہے۔) آپ جناب امیرؑ کے ساتھ ۱۴ سال تک اور اس کے بعد حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہے) آپ بڑے مضبوط، بہادر شہسوار، چمکتے چہرے اور موٹے تازے بدن کے تھے۔ بڑے موٹے گھوڑے پر سوار ہوتے اور آپ کے دونوں قدم زمین پر خط کھینچے جاتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے۔ کہ حضرت عباسؑ بڑی گہری بصیرت اعلیٰ معرفت اور پختہ ایمان کے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جہاد کر کے اور وفاداری کی یاد قائم کر کے شہید ہو گئے۔ حضرت امام زین العابدین نے فرمایا اللہ جناب عباسؑ پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے پورا ایثار کر کے حضرت امام حسینؑ کی مدد کی۔ بڑے معرکے سر کئے اور اپنے بھائی پر فدا ہو گئے۔ ان کے دونوں ہاتھ بھی کٹ گئے تو خدا نے ان کو دو پر عنایت کئے جن سے وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں اور خدا کے ہاں جناب عباسؑ کا وہ درجہ ہے۔ جس کو دیکھ کر بروز قیامت کل شہداء غبطہ اور رشک کریں گے۔

جب لشکر یزید نے امام حسینؑ پر پانی بند کر دیا تو حضرتؑ نے اپنے بھائی جناب عباسؑ کو ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل کے ساتھ رات کے وقت پانی لانے کے لئے بھیجا۔ جناب عباسؑ سخت جہاد کر کے مشک بھر لائے۔ اسی رات سے لوگ ان کو سقاء کہنے لگے۔ آپ نے کربلا میں کئی کنویں بھی کھودے۔ عاشوراء کی رات کو شمر نے (جس کو جناب ام البنین کی خاندان سے کچھ رشتہ تھا) لشکر امام حسینؑ کے قریب ہو کر حضرت عباسؑ اور آپ کے بھائیوں کو پکارا اور کہا۔ عباسؑ نے ان کے بھائی کہاں ہیں۔ مگر کسی نے اس کا جواب نہیں دیا تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا اس کو

جواب دو اگرچہ فاسق ہے۔ تب جناب عباس بولے کیا چاہتا ہے اس نے کہا تم لوگوں کو امان ہے۔ اس پر جناب عباسؑ غضب ناک ہو کر بولے تجھ پر بھی لعنت اور تیری امان پر بھی لعنت۔ تو ہم کو امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کو کوئی امان نہیں؟ یہی جواب سب بھائیوں نے دیا اور واپس آئے۔ ۹ محرم ہی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ سہ پہر کو ابن سعد نے اپنے لشکر کو بڑھایا کہ امام حسینؑ پر حملہ کر دیا جائے۔ حضرت اس وقت خیمہ کے باہر بیٹھے تھے کچھ غنودگی طاری ہو گئی۔ جناب زینبؑ نے لشکرِ مخالف کی آواز سنی تو حضرتؑ کے پاس آ کر کہا بھیا فوج قریب آگئی۔ حضرت بیدار ہوئے تو پکارے میرے لشکر کے سردار۔ خاندانِ بنی ہاشم کے چاند۔ میرے قوتِ بازو اور میرے بھائی ابوالفضل عباسؑ کہاں ہیں۔ آپ لبیک یا مولای۔ لبیک یا سیدی کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔ تو حضرتؑ نے فرمایا کیوں بھائی کیا تم ان لوگوں کو کل تک کے لئے ٹال سکتے ہو تا کہ آج رات کو ہم خدا کی عبادت کر لیں۔ جناب عباسؑ فوراً گئے اور بہت کچھ رد و کد کے بعد شب بھر کی مہلت لے کر واپس آئے۔ شب کو حضرتؑ نے سب کو اجازت دے دی کہ جس کا دل چاہے مجھ کو چھوڑ کر چلا جائے۔ تو جناب عباسؑ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم آپ کے بعد زندہ رہیں گے؟ خدا وہ دن ہمیں نہ دکھائے۔ جب صبح عاشورا ہوئی تو حضرت نے اپنے لشکر کی تقسیم کی اور فوج کا علم جناب عباسؑ کو دیا۔ آپ کی یہ وفاداری قیامت تک یاد رہے گی۔ کہ بروز عاشوراء پہلے اپنے حقیقی تینوں بھائیوں کو آمادہ کر کے امام حسینؑ پر فدا کیا۔ پھر خود جا کر شہید ہوئے جب آپ کے تینوں بھائی شہید ہو چکے اور امام حسینؑ پر حملہ زیادہ ہونے لگا تو جناب عباسؑ حاضر ہوئے اور عرض کی اے مولا میرا سینہ تنگی کر رہا ہے۔ اور میری زندگی دوبھر ہو رہی ہے۔ کیا مجھے بھی اجازت ہے؟ مگر حضرتؑ صاف صاف اجازت

نہ دے سکے۔ بلکہ بہت روئے اور فرمایا اے بھائی تم میرے لشکر کے علمدار ہو۔ اگر تم نہ رہو گے۔ تو کیا ہوگا۔ مگر آپ نے بہت خوشامد کی تو حضرتؑ نے فرمایا اگر جاتے ہی ہو تو پہلے ان بچوں کے لئے کچھ پانی کی فکر کرو۔ جناب عباسؑ نے مشک لے لی۔ اور جہاد کو روانہ ہو گئے۔ نہر کا رُخ کیا کہ مشک بھر لائیں۔ معتبر مورخ کا بیان ہے کہ امام حسینؑ کے لشکر اور نہر فرات کے درمیان ایک پہاڑی یا اونچا ٹیلا تھا۔ اس پر ابن سعد کی چار ہزار فوج معین تھی۔ جناب عباسؑ کاندھے پر مشک رکھے۔ علم لئے ہاتھ سے تلوار مارتے۔ گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے۔ اس پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ اوپر کی فوج نے تیر۔ تلوار اور نیزوں کی بوچھار کی مگر آپ پوری فوج سے لڑتے ہوئے اوپر پہونچ گئے۔ وہاں اس زور کا جہاد کیا کہ بجلی کی طرح پوری فوج پر ٹوٹ پڑے۔ داہنی طرف کی فوج کو بائیں طرف اور بائیں طرف کو فوج داہنی طرف الٹتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے۔ پورا لشکر داہنے بائیں اس طرح بھاگا جس طرح شیر کے حملہ کرنے سے بکریاں بھیڑیاں بدحواس ہو کر بھاگتی ہیں۔ ایک طوفان کی طرح آپ بڑھتے چلے گئے اور چار ہزار کی فوج گھاٹ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ (امامتہ وسیاستہ جلد ۲ صفحہ ۸) جناب عباسؑ پہاڑ سے نیچے اترے۔ نہر میں سما کر مشک بھگوئی۔ جب وہ کئی دن کی سوکھی مشک بہت دیر میں تر ہوئی۔ تو پانی بھر کر خود اسی طرح پیاسے نہر سے نکل آئے۔ اور خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ آپ نے نہر سے ایک چلو پانی اٹھا کر دشمنوں کو دکھایا کہ دیکھو پانی قبضہ میں ہے۔ مگر پیا نہیں اور وہ پانی پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو روانہ ہو گئے۔ اتنی دیر میں بھاگی ہوئی فوج پھر نہر کنارے جمع ہو گئی تھی۔ آپ نے پھر سب کو مار بھگایا۔ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ مشک لئے ہوئے نیچے اترے اور خیمہ گاہ کی راہ لی مگر راستے میں ایک شخص نے درخت کی آڑ میں چھپ کر اس زور کی

تلوار ماری کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا لیکن آپ نے فوراً مشک بائیں کاندھے پر رکھ لی اور تلوار بھی اسی ہاتھ میں لے کر دشمنوں کو مارتے اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ پھر ایک شخص نے بائیں ہاتھ پر وار کر دیا۔ تب آپ نے علم کو سینے سے لپٹا لیا۔ مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا اور رکاب سے گھوڑے کو مارتے اور خوب تیز دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ کہ ایک شخص نے ایسا تیر مارا جس سے آپ زمین پر آ رہے۔ اور پکارے لے آقا غلام نے بھی اپنی جان نثار کی۔ اے بھائی میری خبر لیجئے یہ سنتے ہی حضرت امام حسینؑ باز کی طرح جھپٹ کر آپ کے پاس پہونچے تو دیکھا۔ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کٹے۔ پیشانی زخمی آنکھ مجروح ہے۔ آپ پکارتے تھے ہائے بھائی عباس الان انکسر ظہری وقلت حیلتی۔ اب تمہارے مرنے سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور راہ چارہ و تدبیر بند ہو گئی حضرتؑ جناب عباسؑ کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگے اتنے میں جناب عباسؑ کی روح پرواز کر گئی۔ تب حضرتؑ نے دشمنوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہ بھیڑ بکری کی طرح بھاگے جاتے تھے۔ اور حضرتؑ فرماتے تھے تم کہاں بھاگے جاتے ہو۔ تم ہی نے تو میرے بھائی کو قتل کیا۔ تم کہاں بھاگے جاتے ہو تم ہی نے تو میرا بازو توڑ دیا۔ پھر حضرتؑ اپنی جگہ پر واپس آئے۔ اس وقت جناب عباسؑ کی عمر ۳۴ سال چند مہینہ کی تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد گویا لشکرِ امام حسینؑ کی جان نکل گئی اور حضرتؑ بے پناہ ہو گئے۔ جناب عباسؑ کے دو لڑکے تھے۔ جناب فضل و عبداللہ۔

اصحاب امیرالمومنینؑ حضرتؑ کے اصحاب بھی قابل ذکر ہیں۔ مگر ہم صرف چند حضرات کے حالات لکھتے ہیں۔

حجر ابن عدی آپ حضرت رسول خدا صلعم کے صحابی بھی ہیں۔ مگر زیادہ حضرت امیرالمومنینؑ کے ساتھ گزرا۔ اس سبب

سے یہیں آپ کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر آپ کے حالات میں لکھتے ہیں :۔ آپ حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آں حضرتؐ کی خدمت میں یہ اور ان کے بھائی ہانی حاضر ہوئے تھے۔ اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ فضلاء صحابہ میں تھے۔ جنگ صفین میں قبیلۂ کندہ کے سپہ سالار تھے۔ اور نہروان میں لشکر کے میسرہ پر تھے اور جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ آپ مشاہیر صحابہ سے ہیں جب زیاد عراق کا حاکم ہوا اور اس نے سختی اور بد چلنی شروع کی تو حجر نے اس کی بیعت فسخ کردی۔ شیعیان علیؑ کی ایک جماعت ان کی پیرو ہو گی۔ ایک دن تاخیر نماز کی بابت انہوں نے اور ان کے اصحاب نے زیاد پر طعن و تشنیع کی تو زیاد نے ان کی شکایت معویہ کو لکھ بھیجی۔ معویہ نے لکھا ہے۔ کہ اُن کو مع ان کو اصحاب کے میرے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ زیاد نے سب لوگوں کو بھیج دیا۔ ان کے ساتھ بڑی جماعت تھی۔ جب یہ مقام مرج عذراء میں پہونچے تو کہا میں پہلا مسلمان ہوں۔ جو اس مقام پر تکبیر کہتا ہوں۔ پھر یہ اور اُن کے اصحاب عذراء نامی دیہات میں جو دمشق کے پاس ہے اترے۔ معویہ نے اُن سب کے قتل کا حکم دے دیا مگر معویہ کے اصحاب نے بعض لوگوں کی سفارش کی تو وہ چھوڑ دیئے گئے اور حجر اور ان کے ساتھ ۶ آدمی قتل کر دیئے گئے۔ جب لوگوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر کہا میرے ہتھیار نہ اتارنا اور میرا خون نہ دھونا میں قیامت میں اسی طرح معویہ سے ملوں گا۔ جب حضرت عائشہ کو حجر کے ساتھ زیاد کی بدسلوکی کی خبر ملی تو انہوں نے عبدالرحمن کے پہونچے سے پہلے حجر قتل ہو چکے تھے۔ تو عبدالرحمن نے معویہ سے کہا اس وقت میری قوم میں تمہارے ایسے لوگ نہ تھے۔ عبدالرحمن نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب تم کو نہ صاحب علم سمجھیں گے نہ صاحب عقل۔ تم نے ایسے لوگوں کو قتل کردیا جو مسلمان تھے اور تمہارے

پاس قید کر کے بھیجے گئے تھے معویہ نے مدینہ میں آکر حضرت عائشہ سے ملاقات کی تو ممدوحہ نے سب سے پہلے حجر کے قتل کے متعلق ان پر اعتراض کیا۔ معویہ نے کہا میرا اور حجر کا معاملہ چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ ہم دونوں خدا کے ہاں ملیں۔ ابن عمر بازار میں تھے جب ان کو حجر کی وفات کی خبر ملی تو ان سے صبر نہ ہو سکا۔ اٹھ کھڑے ہو گئے اور زور سے رونے لگے۔ حسن بصری حجر اور ان کے قتل کو بڑا حادثہ سمجھتے تھے۔ ان کا قتل ۵۱ھ میں ہوا۔ ان کی قبر مقام عذرا میں مشہور ہے۔ جو دمشق سے صرف دو فرسخ ادھر ہے۔ یہ مستجاب الدعوات بھی تھے۔" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۶۱)

جناب حجر حضرت امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کے مخصوص شیعوں سے تھے اسی وجہ سے معویہ نے آپ کو بڑے ظلم سے شہید کیا۔ جناب ابوذر کی وفات ربذہ میں ہوئی تو ان کے دفن میں حجر بھی شریک تھے۔ خدا کے ہاں آپ کا یہ درجہ تھا کہ معویہ کے لوگ آپ کو قید کر کے لئے جاتے تھے تو ایک مقام پر ایک کو احتلام ہو گیا۔ غسل جنابت کرنے کیلئے معویہ والوں سے پانی مانگا انہوں نے نہیں دیا۔ تو آپ نے خدا سے دعا کی۔ فوراً ابر آیا اور اتنا برسا کہ آپ نے غسل کر لیا۔ (اصابہ جلد ۱ ص ۳۲۹)

معویہ کے ساتھیوں سے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ (حضرت امیر المومنین علیؑ پر لعنت کرو۔ انہوں نے کس خوبصورتی سے اس پر عمل کیا۔ کہا ان امیر الوفد امرنی ان العن علیا فالعنوہ لعنہ اللہ۔ یہ شخص مجھے حکم دیتا ہے۔ کہ حضرت علیؑ پر لعنت کروں۔ پس تم لوگ اس پر لعنت کرو خدا بھی اس پر لعنت کرے۔ چونکہ آپ شیعان کوفہ کے رئیس تھے۔ اس وجہ سے زیاد نے آپ کو قتل کرانے کی تدبیر کی۔ جب اس نے آپ کو گرفتار کر کے معویہ کی طرف روانہ کیا اور یہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دمشق کے قریب پہنچے تو معویہ نے ایک افسر کو ان کیطرف بھیج کر حکم دیا کہ اگر وہ محبت علیؑ سے باز

آئیں تو چھوڑ دو ورنہ قتل کر دو۔ اس نے آ کر کہا مگر جناب حجر نے حضرت امیر المومنینؑ کی محبت نہیں چھوڑی تو اس نے قتل کر دیا۔ آپ کے عشق امیر المومنینؑ کی یہ حالت تھی کہ زیاد نے آپ کو گرفتار کر کے جب بلایا اور آپ سے کہا کہ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ان کی تعریف کرتا ہوں۔ اس نے لوگوں سے کہا انہیں مارو۔ سب نے اتنا مارا کہ آپ زمین پر گر پڑے پھر چھوڑ کر پوچھا اب کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر تم استرے سے میری بوٹی بوٹی کاٹ ڈالو تب بھی میں حضرتؑ کے بارے میں وہی کہے جاؤں گا جو رسول خداؐ سے آپ کے فضائل و مناقب میں سنا ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۹)

جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ کل قتل کئے جائیں گے۔ تو اس رات کو شب بھر یہ حضرات عبادت خدا کرتے، نمازیں پڑھتے اور تلاوت میں مشغول رہے۔ دوسرے دن جب قتل ہونے لگے اس وقت بھی مہلت لے کر قتل سے پہلے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ جب قتل ہوتے وقت قاتل نے پہلے تلوار لگائی تو پھر کہا اب بھی علیؑ سے براءت کرو تو چھوڑ دیئے جاؤ۔ آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ آخر قتل کر دیئے گئے۔ (کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۲)

جناب قنبر حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور غلام تھے۔ حضرتؑ آپ کو بہت مانتے اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ قنبر بھی حضرت کے بڑے جاں نثار تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو کہا مولی من ضرب بسیفین۔ وطعن برمحین وصلی القبلتین۔ وبایع البیعتین وھاجر الھجرتین ولم یکفر باللہ طرفۃ عین اس کا غلام ہوں جو دو تلواروں سے جہاد کرتا اور جو دو نیزوں سے لڑتا تھا جس نے دونوں قبلہ کی طرف نماز پڑھی۔ دونوں بیعتیں کیں۔ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا اور ایک سکنڈ کے لئے بھی کافر نہیں رہا۔ اسی طرح بڑی

علمی فصیح و بلیغ مدح حضرتؑ کی کرتے رہے۔ حجاج نے آپ کو بھی گرفتار کرا کے بلایا اور پوچھا کہ تم علیؑ کی کون خدمت انجام دیتے تھے۔ کہا وضو کے لئے حضرتؑ کے پاس پانی لے جاتا تھا۔ پوچھا جب وہ وضوء سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے۔ کہا اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے۔ فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیٔ حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذ ناھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین (پھر جس چیز کی انہیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں۔ جب ان کو پاکر خوش ہوئے تو ہم نے انہیں ناگہاں لے ڈالا اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ (پ ع ۱۱) حجاج نے کہا میرا گمان ہے کہ وہ یہ آیت ہم لوگوں (بنی امیہ) کے بارے میں پڑھتے تھے۔ اور ہم لوگوں کو بھی اس کا مصداق جانتے اور انہیں ظالموں سے سمجھتے تھے۔ قنبر نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ حجاج نے کہا اگر میں تمہارے قتل کا حکم دوں تو تمہارا کیا حال ہو۔ قنبر نے کہا۔ سبحان اللہ نیا ہے نصیب میرے۔ پھر تو میں شہیدوں کا درجہ پالوں گا اور تو ظالموں بدبختوں کے گروہ میں ہو جائے گا حجاج نے حکم دیا اور آپ فوراً قتل کر دیئے گئے۔ (رجال کشی ص۴۸) ابوالنواع جو کرباس کا (سوتی) کپڑا بیچتا کہتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ اپنے غلام قنبر کے ساتھ میرے پاس آئے اور دو موٹے کپڑے خریدے پھر اپنے غلام قنبر سے فرمایا ان میں سے جو تم کو پسند ہو اس کو لے لو۔ قنبر نے ان دونوں سے ایک پسند کر کے لے لیا اور جناب امیرؑ نے دوسرا کپڑا خود پہنلیا (ینابیع المودۃ۔ ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۲۲۹)

جناب مالک اشتر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور اور بڑے وفادار صحابی تھے۔ آپ کا نام مالک لقب اشتر اور باپ کا نام حارث نخعی تھا۔ آپ کو حضرت امیر المومنینؑ سے نہایت درجہ

خصوصیت تھی اور حضرتؑ کے ہاں آپ بڑے جلیل القدر و عظیم المنزلۃ تھے۔
جب آپ کے انتقال کی خبر حضرتؑ نے سنی تو فرمایا وہ میرے لیے ویسے ہی تھے
جیسا میں حضرت رسول خداؐ کے لئے تھا۔ یہ بھی فرمایا رحمہ اللہ مالکا و ما مالک
عزعلی بہ هالکا۔ لو کان صخرا لکان صلدا ولو کان جبلا لکان فندا
اوکانہ قدف قدا۔ خدا مالک پر رحمت نازل کرے۔ ان کی جدائی میرے لئے
بہت شاق ہے وہ اگر شجاعت یا حقیقت و وفا میں پتھر تھے تو سخت پتھر تھے اور
اگر پہاڑ تھے تو بڑے اونچے پہاڑ تھے ان کی موت نے گویا مجھے قطع کر دیا اور میری کمر توڑ دی
جنگ جمل میں جو لشکر حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد تھا۔ اس پر آپ نے تین
مرتبہ حملہ کر کے اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دیئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر بھی
بڑے بہادر تھے اور جنگ جمل میں زبردست حصہ لے رہے تھے۔ جب
انہوں نے مالک اشتر کی شجاعت دیکھی تو پکار کر کہا اے دشمنِ خدا تھوڑی دیر
اسی جگہ ٹھہرا رہ کہ میں دیر سے تیری ہی فکر میں ہوں اور دنیا بھر میں بس
تجھی پر میری نظر ہے۔ اب دیکھ کیسا مزا چکھاتا ہوں ذرا مردوں کا وار
بھی دیکھ لے۔ یہ کہہ کر نیزہ لئے ہوئے بڑھے اور گھوڑے کو تیز کر کے
مالک اشتر پر حملہ کر دیا دونوں بہادر کچھ دیر تک نیزے کا حملہ ایک دوسرے
پر کرتے رہے۔ آخر مالک اشتر نے عبداللہ کو ایسا زبردست نیزہ لگایا کہ وہ
گھوڑے سے منہ کے بل زمین پر آتے رہے۔ مالک اشتر بھی فوراً گھوڑے سے
کود کر عبداللہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اب تو عبداللہ کے ہوش و حواس جاتے
رہے۔ موت کی صورت نظر آنے لگی۔ مگر مالک اشتر نے ان کو چھوڑ دیا۔
اُس روز آپ روزہ سے تھے اور اس کے پہلے بھی دو روز سے کچھ کھایا نہیں
تھا باوجود اس کے ایسی شجاعت دکھائی کہ سب لوگ مبہوت ہو گئے۔ آخر
حضرت امیر المومنینؑ اور مالک اشتر وغیرہ کے دلیرانہ جہاد سے جنگ جمل
والے نہایت کثرت سے قتل ہوئے۔ اور باقی لوگوں نے راہِ فرار

اختیار کی۔

جنگ صفین میں بھی مالکِ اشتر کے عظیم الشان کارنامے ظاہر ہوئے۔ مثل بھرے ہوئے شیر کے سخت حملہ کرتے اور ہر طرف کشتوں کا انبار لگا دیتے۔ کسی کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرف رخ کرتے لشکر کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔ علامہ ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ خدا نے عرب و عجم میں بہادری کے اعتبار سے مالک اشتر اور ان کے استاد حضرت علیؑ ایسا کسی کو پیدا نہیں کیا تو میرے خیال میں اس کی قسم جھوٹی نہیں ہو گی۔

جب لوگوں نے ان سے مالک اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا تو کہا میں اس بہادر کی شجاعت کیا بیان کروں جس کی زندگی نے معویہ والوں کو مردہ اور جن کی موت نے حضرت علیؑ والوں کو شکستہ دل کر دیا تھا۔ جنگ صفین کی مشہور لڑائی لیلۃ الہریر میں بازارِ موت ایسا گرم تھا۔ کہ ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ اس رات میں مالک اشتر کا یہ حال تھا۔ کہ تلوار اور نیزہ لیے ہوئے شیر ژیاں کی طرح حملہ کرتے اور میمنہ و میسرہ کو الٹتے جاتے تھے۔ قریب قریب پوری فتح کر چکے اور معویہ کے لشکر کو شکست عظیم دے چکے تھے کہ عمرو عاص نے قرآنوں کو نیزوں پر نصب کرا دیا۔ جس پر حضرت علیؑ کی فوج دھوکا کھا گئی اور حضرتؑ کو مجبور کیا کہ اب جنگ روک دیجیے۔ حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا تو سب نے کہا مالک اشتر کو بھی بلا لیجیے۔ مالک اس وقت بڑی تاک میں تھے۔ دیکھ رہے تھے۔ کہ دشمنوں کے پاؤں اکھڑا ہی چاہتے ہیں۔ اتنے میں حضرتؑ کا قاصد پہونچا کہ واپس آؤ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے چاہا کہ لڑائی ختم کر کے ہی آئیں۔ اس پر خارجیوں نے حضرتؑ کو گھیر لیا اور کہا یا تو آپ مالک کو فوراً بلا لیں۔ ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے۔ یا ابھی آپ پر حملہ کر دیں گے۔ حضرتؑ نے پھر مالک کے پاس پیغام

بھیجا تو آپ نہایت مغموم و محزون واپس آئے۔ پھر جب معویہ والوں نے چاہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے اور اپنی طرف سے عمرو عاص کو مقرر کیا تو حضرت علیؑ نے اپنی جانب سے جناب عبداللہ بن عباس یا انہیں مالک اشتر کو مقرر کرنا چاہا مگر خوارج نے اعتراض کیا۔ تب حضرتؑ نے فرمایا پھر جو چاہو کرو جس سے معلوم ہوا کہ مالک اشتر صرف بہادری ہی میں بے مثل و نظیر نہیں تھے بلکہ عقل و فہم اور سیاست و تدبیر میں بھی اس درجہ پر فائز تھے کہ حضرت علیؑ نے ایسے سخت موقع پر عمرو عاص ایسے چالاک شخص کے مقابلے میں آپ ہی کا انتخاب کیا۔ اور اگر حضرتؑ کی فوج والے اس پر راضی ہو جاتے تو آپ عمرو عاص کی ایک چال بھی کامیاب نہیں ہونے دیتے۔

معویہ نے ۳۸ھ ہجری کے شروع میں حضرت علیؑ کو خوارج سے مشغول دیکھ کر عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ ان کو عمرو عاص کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو حضرتؑ کو خط لکھ کر مدد طلب کی۔ حضرتؑ نے مالک اشتر کو جو اس وقت حاکم جزیرہ تھے، نصیبین سے بلا کر محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کیا۔ جب معویہ کو مالک اشتر کی روانگی کی خبر ہوئی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھ گیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا بہت دشوار ہے۔ پس ظاہر میں تو لوگوں سے کہا کہ تم اشتر کے لئے روز بد دعا کیا کرو اور مخفی طور پر عریش یا قلزم کے زمیندار کو مالک کا حلیہ لکھ کر بھیج دیا اور خوشامد کی کہ مصر جانے کا یہی راستہ ہے۔ اشتر اس طرف سے ضرور گزریں گے۔ تم ان کی دعوت کر کے کسی چیز میں ان کو زہر دے دینا۔ میں اس کے انعام میں بیس سال تمہارا اخراج معاف کر دوں گا۔ وہ زمیندار راضی ہو گیا۔ جس روز مالک اشتر اس مقام پر پہنچے روزہ سے تھے۔ اس نے ان کی دعوت کی اور افطار کے وقت شہد کے شربت میں زہر دے دیا جس کے پیتے ہی وہ شہید ہو گئے۔

معویہ کو یہ خبر ملی تو نہایت خوش ہوا۔ اور خطبہ میں بیان کیا کہ خدا کا لشکر شہد میں بھی ہوتا ہے۔ اب علیؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے کیونکہ عمار یاسر صفین میں شہید ہو چکے تھے۔ اب مالک اشتر بھی ختم ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صہ ۵۴) مگر حضرت علیؑ نے سُنا تو آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ میں نے مالک اشتر کو بہت قابل سمجھ کر تمہارے پاس بھیجا تھا۔ مگر افسوس وہ راستہ ہی میں شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۸ھ ہجری کا ہے۔

مالک اشتر جس طرح کمالِ عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف تھے۔ اسی طرح زیور حلم و زہد و فقر و دور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ ایک شخص نے نظر حقارت کر کے ایک لکڑی آپ پر پھینک دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مالک اشتر تھے۔ تو دوڑا ہوا گیا کہ معافی طلب کرے۔ دیکھا وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب اس نے قصور معاف کرنے کو کہا تو فرمایا میں اس وقت مسجد میں اسی لئے آیا ہوں کہ نماز پڑھ کر تمہارے لئے استغفار کروں۔ آپ ذکاوت، فصاحت، بلاغت میں بھی یکتا تھے۔ غرض آپ مجموعۂ کمالات تھے۔ اور حضرت امیر المومنینؑ کی صحبت کا پورا اثر آپ میں ہو گیا تھا۔

جناب رشید ہجری

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب سے تھے اور حضرتؑ نے آپ کا نام رشید البلایا رکھا تھا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کو دشمنانِ دین حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے سخت ترین ظلم و تشدد سے قتل کریں گے۔ آپ اس مصیبت میں صبر کا جوہر دکھائیں گے۔ اور اپنے رشد کو محبت و پامنت میں ظاہر کریں گے حضرتؑ نے اُن کو علم منایا و علم بلایا (لوگوں کی موتوں اور مصیبتوں کا علم) بھی تعلیم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کو یہ ملکہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کے بارے میں چاہتے بتا دیتے کہ فلاں مقام میں اور فلاں وقت تم مرو گے اور ویسا ہی ہوتا تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے ان کو مطلع کر دیا تھا۔ کہ ابن زیاد ان پر دباؤ ڈالے گا کہ حضرتؑ سے تبرا ہو

کریں۔ اور جب وہ اس بے دینی کی حرکت سے انکار کریں گے تو وہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا۔ چنانچہ حضرتؑ نے ان سے فرمایا اے رشید اس وقت تم کیسا اعلیٰ درجہ کا صبر کرو گے جس وقت بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تم کو بلائے گا۔ اور تمہارے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور تمہاری زبان کاٹ ڈالے گا۔ رشید نے پوچھا کیوں حضرتؑ اس کے بعد تو میں بہشت ہی میں جاؤں گا حضرتؑ نے فرمایا تم دنیا میں بھی میرے ساتھ رہے اور آخرت میں بھی ضرور میرے ساتھ ہی رہو گے۔ حضرتؑ کو یہ فرمائے ہوئے کچھ ہی مدت گزری تھی۔ کہ ابن زیاد نے رشید کو بلا بھیجا اور کہا علیؑ سے تبراء کرو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ تب اُس نے پوچھا اچھا بتاؤ علیؑ نے تمہارے بارے میں کیا پیشین گوئی کی تھی کہ تم کس طرح مرو گے۔ انہوں نے جواب دیا۔ میرے آقا و مولا حضرت امیر المومنینؑ نے مجھے خبر دی تھی۔ کہ تو مجھے بلا کر حضرتؑ سے تبراء کرنے کو کہے گا۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ تو مجھے آگے بلا کر میرے ہاتھوں۔ پاؤں اور زبان کو کاٹ ڈالے گا۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم میں علیؑ کی بات کو جھٹلا دوں گا۔ (یعنی زبان نہیں کاٹوں گا) غرض اس کے حکم سے لوگوں نے ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر زبان چھوڑ دی اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ جب آپ قصر سے باہر نکل آئے تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اُس وقت آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ میرے پاس کچھ کاغذ اور قلم دوات لاؤ میں تمہارے لئے کل وہ باتیں لکھ دوں۔ جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ غرض رشید ہجری نے واقعات لکھوانے اور حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کر دیے۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری اب اطمینان سے حضرت علیؑ کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو ان کی طرف جذب کرنے لگے۔ اس نے حجام کو بھیجا کہ جا کر ان کی زبان کاٹ دے۔ اس طرح حضرت امیر المومنینؑ نے جو جو

فرمایا تھا بالکل ویسا ہی ہوا۔

جناب رشید ہجری کی معرفت اور ایمان علی اللہ والرسول والائمہ کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرتؑ اپنے اصحاب کے ساتھ بنی باغ کی طرف تشریف لے گئے اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر فرمایا کہ اس کو جھاڑ کر اس کی کھجوریں چنو۔ چنانچہ اس سے کھجوریں گرائی اور حضرتؑ کے پاس لائی گئیں حضرتؑ نے وہ سب ان لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ رشید ہجری نے کہا یا حضرتؑ یہ کیسی اچھی کھجوریں ہیں۔ اس وقت حضرتؑ نے فرمایا اے رشید تم اسی درخت کی شاخ پر سُولی دیئے جاؤ گے۔ رشید کو اس... درخت سے محبت ہوگئی۔ وہ بیان کرتے تھے کہ میں اسوقت سے برابر اس درخت کے پاس آیا کرتا اور صبح وشام اس کو سینچتا رہتا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت امیرالمومنینؑ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد میں ایک روز اس درخت کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ اس کی شاخیں کاٹ دی گئی ہیں۔ تب میں نے کہا اب میرے انتقال کا وقت قریب ہوگیا۔ پھر ایک روز میں آیا تو ابن زیاد کا پیادہ میرے پاس پہونچا اور کہا امیر تم کو بلاتے ہیں فوراً چلو۔ میں وہاں گیا۔ جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس درخت کی وہ لکڑی لٹک رہی ہے پھر دوسرے دن بھی میں آیا تو دیکھا کہ اس کا دوسرا نصف حصہ کنویں کا زرنوق[۱] بنا دیا گیا ہے جس پر لوگ پانی کھینچتے تھے یہ دیکھ کر میں نے کہا میرے آقا اور مولا کی بات غلط نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد پھر وہی پیادہ میرے پاس آیا اور کہا۔ چلو امیر تم کو بلاتے ہیں میں گیا۔ اور جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ

---

[۱] زرنوق ایک آلہ پانی نکالنے کا۔ کنویں پر دونوں جانب دو لکڑیاں یا دو دیواریں کھڑی کرتے ہیں اُنکے بیچ میں ایک لکڑی لگا کر اس پر چکر لگاتے ہیں وہ گھومتا جاتا ہے تو کنویں سے پانی نکلتا ہے۔ ۱۲ (انوار اللغتہ پ ۱۱ صفحہ ۱۶)

لکڑی لٹک رہی ہے اور اس میں وہ زرنوق بھی لگا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور زرنوق کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگا کر کہا کہ میرے ہی لئے غذا پاتا ہوں اور تو میرے ہی لیے پیدا ہوئی ہے پھر میں ابن زیاد کے پاس پہونچایا گیا تو اس نے کہا۔ اپنے امام (حضرت علیؑ) کی جھوٹی خبریں مجھ سے بیان کرو۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہ میں جھوٹا ہوں نہ میرے آقا و مولا ایسے تھے۔ حضرتؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو میرے دونوں ہاتھ۔ پاؤں زبان کاٹ دے گا۔ ابن زیاد نے کہا دیکھو خدا کی قسم میں ان کی بات جھوٹی کر دیتا ہوں اس کے بعد اُس نے لوگوں کو حکم دیا اور میرے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے لوگوں نے جناب رشید ہجری کو وہاں سے باہر کر دیا۔ جب ان کی بیٹی اور دوسرے اعزہ ان کو اٹھا کر مکان پر لے گئے تو وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرنے لگے جو حضرت امیر المومنینؑ سے سُنی تھیں) وہ ان سب سے یہ بھی کہتے تھے کہ اے لوگو جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے جلد پوچھ لو کہ ابھی یہ لوگ مجھ پر ایک ظلم اور کریں گے۔ اُس وقت تم کو مجھ سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ حالات دیکھ کر ایک شخص ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا اے امیر آپ نے کیا کیا؟ رشید ہجری کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور زبان چھوڑ دی!!! اسی زبان سے وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرتے اور حضرت علیؑ کی طرف لوگوں کے دلوں کو کھینچ رہے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آئے تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان سب کاٹ دی جائیں چنانچہ سب بدن کاٹ دیئے گئے اور پھر وہ سُولی دے دیئے گئے (رجال کشی ص۵۲) اسطرح حضرت امیر المومنینؑ کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔

جناب میثم تمار

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے بہترین اصحاب سے تھے۔ وطن کوفہ تھا۔ آپ وہاں کے ایک بڑے جتھے والے خاندان سے تھے۔ جس کو وہاں بیت التمارین (کھجوروں والا خاندان)

کہتے تھے۔ اور سب کے سب شیعہ حضرت علیؑ تھے۔ جناب میثم بیان کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کیوں میثم اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب بنی اُمیہ کا حاکم ابن زیاد تمہیں طلب کر کے کہے گا۔ کہ مجھ سے تبرا کرو۔ میں نے عرض کی اے امیرالمومنینؑ خدا کی قسم میں حضور سے تبرا نہیں کروں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تب وہ تم کو قتل کر کے سُولی دے دیگا۔ میں نے عرض کی کیا مضائقہ ہے میں صبر کروں گا کہ خدا کی راہ میں یہ معمولی بات ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے میثم اگر تم صبر کرو گے تو روز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجہ میں رہو گے اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چودھری کی طرف سے گزرتے اور اس سے کہتے اے بھائی میرے پیش نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد بلا کر میری گرفتاری کو بھیجے گا اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہو گے۔ پھر جب میں آؤں گا تو مجھے تم اس کے پاس پہنچا دو گے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل کر دے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔ اور عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا۔ جناب میثم اکثر اُسی درخت کے پاس سے گزرتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو تھپک کر کہتے اے درخت تو اسی لئے غذا پا رہا ہے کہ میں تجھ پر سُولی دیا جاؤں اور میں اسی لئے غذا پا رہا ہوں کہ تجھ پر سُولی پاؤں۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے بھی گزرتے اور اس سے کہتے اے عمرو جب میں تمہارے پڑوس میں آؤں گا تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا۔ عمرو بن حریث اس کا اصلی مطلب نہیں سمجھتا اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے میثم اس محلہ میں کون مکان خرید کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے اُن کو جواب دیتا کہ سبحان اللہ تم اس محلہ میں آؤ گے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ روانہ

ہو گئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے اسی چودھری کو بلا کر کہا میثم کو گرفتار کر لاؤ۔ اُس نے بیان کیا وہ تو مکہ معظمہ گئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا یہ سب میں نہیں جانتا اگر تم ان کو نہیں لاؤ گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔ چودھری نے اس کام کے لئے کچھ مہلت طلب کی۔ ابن زیاد نے مہلت دے دی۔ جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادسیہ کی طرف چلا گیا۔ میثم مکہ سے واپس آ کر دربار ابن زیاد میں پہنچے تو اس نے پوچھا تم ہی میثم ہو۔ انہوں نے کہا ہاں میں ہی میثم ہوں۔ اس نے کہا ابوتراب سے تبرّا کرو۔ انہوں نے کہا میں ابوتراب کو کیا جانوں؟ کہا علی ابن ابی طالبؑ سے تبرّا کرو۔ آپ نے جواب دیا اگر میں نہ کروں تو کیا ہو گا؟ کہا خدا کی قسم میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ آپ نے جواب دیا۔ میرے آقا و مولا تو مجھے پہلے سے خبر دیتے تھے۔ کہ تو مجھے قتل کرے گا اور عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دے گا۔ اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہو جائے گا۔ غرض ابن زیاد کے حکم سے آپ سولی پہ چڑھا دیئے گئے۔ آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو مجھ سے میرے قتل ہونے کے پہلے پوچھ لو خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا دے سکتا ہوں اور جو کچھ فتنہ و فساد ہوں گے ان سب کی خبر بھی دے دوں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک ہی بات بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگا دی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے منہ میں اُس وقت لگام لگائی گئی جب آپ سولی پہ تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے حضرت امام علی رضاؑ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت

امیر المومنینؑ کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرتؑ سوتے ہیں۔ انہوں نے حضرتؑ کو بیدار کیا اور عرض کی حضور کی ڈاڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا سچ کہتے ہو۔ اور تمہارے دونوں ہاتھ، پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائے گی اور کھجور کا وہ درخت بھی کاٹا جائے گا جو کناسہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کیئے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائیگی۔ دوسرے پر حجر بن عدی کو تیسرے پر محمد بن اکثمؓ اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرتؑ کی ان باتوں پر مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ حضرت ہم لوگوں سے غیب کی خبریں بیان کر رہے ہیں۔ اور حضرتؑ سے عرض کی حضور! کیا واقعتاً یہ باتیں ہونے والی ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی میری یہ سزا کس جرم میں کی جائے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا اس لیئے کہ ابن زیاد تمہیں گرفتار کریگا اور مجھ سے تبراء کرنے کو کہے گا۔ تم نہیں کرو گے۔ میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرتؑ جبانہ کی طرف تشریف لیجانے لگے میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں سے حضرت محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت کے پاس سے گزرے تو مجھ سے فرمانے لگے اے میثم تمہارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے۔ میثم کہتے تھے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ کے بہت دنوں بعد ابن زیاد کوفہ کا حاکم بنایا گیا اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بدلی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے۔ تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا اور اس کے چار ٹکڑے کروا لیے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے صالح سے کہا کہ لوہے

کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھوک دو۔ جب اس واقعہ کو کچھ دن گزر گئے اور میں ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریث نے ابن زیاد سے کہا اسے امیر آپ اس کو پہچانتے ہیں۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذاب علی ابن ابی طالبؑ کا کذاب غلام میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد برابر ہو بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا یہ (عمرو بن حریث) بالکل غلط بیان کرتا ہے بلکہ میں صادق ہوں اور میرے آقا و مولا علیؑ ابن ابی طالبؑ بھی بالکل صادق تھے۔ اس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرا کرو۔ ان کی برائیاں بیان کرو۔ عثمان کو دوست رکھو۔ اور ان کی خوبیاں بیان کرو۔ ورنہ میں تمہارے دونوں ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا ابھی تو تم قتل نہیں کئے جاتے صرف قتل کی خبر سنتے ہی رونے لگے؟

میں نے کہا خدا کی قسم میں اپنے قتل کی خبر سے نہیں روتا بلکہ اپنے اس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے اس روز ہو گیا تھا جس دن میرے آقا میرے مولا میرے سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابن زیاد نے پوچھا انہوں نے تم کو کس بات کی خبر دی تھی؟ میں نے کہا حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں، زبان کاٹ دی جائے گی۔ اور میں سولی دے دیا جاؤں گا۔ میں نے پوچھا تھا کہ حضور کون مجھ پر یہ ظلم کرے گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد غصہ سے بھبوت ہو گیا۔ پھر کہا خدا کی قسم میں تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا

سمجھ لے تم بھی جھوٹے ہو اور تمہارے مولا بھی جھوٹے تھے۔ غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دے دی گئی۔ اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص حضرت علی علیہ السلام کی راز والی حدیثیں سننا چاہے وہ جلد آکر سن لے۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم تمار ان سے حضرت علیؑ کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے۔ اتنے میں عمرو بن حریث ادھر سے گزرا تو پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے؟ لوگوں نے کہہ دیا کہ میثم تمار حضرت علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا حضور جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجئے، ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دے گا اور لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک جلاد سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم! انھوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ کہا اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دے گا اور میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرتؑ کی بات غلط ہو جائے؟ اب میری زبان خوشی سے کاٹ لے غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے ان کا خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اس کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیئے گئے ہیں جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں بالکل سچی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ کشتی میں جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوئی تو آپ نے اس کی طرف

نظر کر کے کہا کشتی کے بادبان باندھ دو۔ معویہ اس وقت مر گیا۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو شام سے قاصد نے آکر بیان کیا کہ معویہ گزشتہ جمعہ کو مر گیا۔ وہی وقت اس نے بتایا جو میثم تمار نے ایک ہفتہ پہلے بتایا تھا۔ یہ واقعہ بھی میثم کے کرامات سے تھا۔ (رجال کشی ص ۵۳)

اصحاب حضرت امیر المؤمنین ؑ سے یہ ایک

طرماح بن عدی بن حاتم: بڑی ڈیل ڈول طویل قد و قامت کے اعلیٰ درجے کے ادیب۔ فصیح۔ چرب زبان اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ تاریخ ابن ہلال میں جو شاہ شجاع مبارزی کے نام سے لکھی گئی ہے مذکور ہے کہ جب حضرت امیر المؤمنینؑ جنگ جمل فتح کر کے واپس آئے تو معویہ نے حضرتؑ کے پاس ایک خط لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ تم نے اس بات کی پیروی کی جو تم کو نقصان پہنچائے گی اور اس چیز کو چھوڑ دیا جو تمہیں نفع پہنچاتی۔ تم نے قرآن مجید کی بھی مخالفت کی اور اس کے رسولؐ کی سنت سے بھی منہ موڑ لیا۔ حضرت رسول خداؐ کے دونوں حواری طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا وہ سب مجھے معلوم ہوا مگر خدا کی قسم میں تمہیں ایسے شعلہ سے ماروں گا جس کو نہ پانی بجھا سکے گا اور نہ ہوا ٹال سکے گی۔ جب وہ گرے گا تو گھس جائے گا اور جب گھسے گا تو سوراخ کر دے گا اور جب سوراخ کرے گا تو بھڑک اٹھے گا (اور سب کو جلا دے گا) لہذا تم اپنی فوجوں پر نہ اتراؤ اور نہ سامان جنگ پر گھمنڈ کرو۔ والسلام۔

جب حضرتؑ کے ملاحظہ سے یہ خط گزرا تو حضرتؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے اللہ کے بندے علی ابن ابی طالبؑ برادر رسول و وصی رسول خداؐ و پدر حسنؑ و حسینؑ کی طرف سے (اے معویہ

اُس علیؑ کی طرف سے جس نے (رسول خدا صلعم کے ساتھ) تیرے چچا۔ دادا اور ماموں کو قتل کیا تھا۔ کیوں معویہ! کیا تو بھول گیا کہ (میرے ہاتھوں) غزوۂ بدر میں تیری قوم کا کیا انجام ہوا۔ حالانکہ جس تلوار سے میں نے اُس روز اُن لوگوں کو قتل کیا وہ اب تک میرے ہی قبضہ میں رہا ہے۔ جس طرح حضرت رسولِ خداؐ نے اُس تلوار کو میرے ہاتھ میں دیا اسی طرح میرا بازو اسے ابتک اُٹھائے ہوئے ہے اور میرے سینہ کا دم خم اور میرے بدن کی قوت بھی ویسی ہی ہے اور ان سب کے علاوہ جس طرح خدا میری مدد اُس وقت کرتا تھا اسی شان سے ابتک کرتا ہے۔ میں نے نہ خدا کو بدل کر کوئی دوسرا معبود اختیار کیا نہ دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پیروی کی نہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ترک کر کے کسی اور کو نبی سمجھا اور نہ اس تلوار (ذوالفقار) کے عوض کوئی دوسری تلوار رکھی۔ پس تو اپنی نفس پرستی میں جس قدر ہو سکے مبالغہ کر اور جہاں تک بنے کوشش کیے جا۔ کسی طرح اس میں کمی نہ کر کیونکہ یقیناً شیطان تجھ پر مسلط ہو گیا ہے اور جہالت نے تجھے بہکا رکھا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کیا بُرا انجام ہوتا ہے۔"

خط کو تمام کر کے حضرتؑ نے طرماح بن عدی کے حوالہ کیا اور فرمایا اسے لے جا کر معویہ کو دو اور اس کا جواب لاؤ۔ طرماح بڑے بہادر اور دلیر مرد تھے۔ لسانہ جہی وکلامہ جوہری ذلق طلق یتکلم فلا یکل۔ ویرد الجواب فلا یبل۔ ان کی زبان قینچی کی طرح چلتی اور وہ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا موتی برس رہے ہیں۔ بڑی ہی تیز اور چلتی ہوئی زبان پائی تھی۔ جب باتیں کرنے لگتے تو کسی طرح بند ہی نہیں ہوتے۔ اور جواب دینے لگتے تو کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوتے تھے۔

انہوں نے حضرتؑ کا خط لیکر اپنے سر میں باندھا اور کہا سمعاً وطاعۃ ورحباً وکرامۃ غلام لبسر وچشم حاضر ہے اور اس کام کو بڑی خوشی سے اپنی

نہایت عزت و شرف سمجھ کر انجام دے گا۔ پھر تیز سواری پر روانہ ہو کر جلد از جلد دمشق پہنچ گئے۔ اتفاق سے اس روز معویہ سیر و تفریح کے لئے شہر سے باہر ایک باغ میں تھا اور اس کے ارکان دولت مثلاً عمرو بن العاص و مروان بن الحکم و شرجیل و ابوالاعور سلمی و ابو ہریرہ دوسی بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ جب وہ سب باغ میں گھومتے تھے تو دیوار کی پشت سے ایک بلند قامت اعرابی دکھائی دیا جو ایک اونٹ پر سوار اس طرف چلا آتا تھا۔ ان لوگوں نے پہچانا نہیں کہ طرماح ہیں۔ آپس میں کہنے لگے "اس کو بلا کر مذاق کیا جائے"۔ طرماح ہو گئی تو عمرو عاص آگے بڑھا اور اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص - کیوں میاں، تمہارے پاس آسمان کی کوئی خبر بھی ہے؟

طرماح - ہاں ہاں اللہ آسمان میں۔ ملک الموت ہوا میں اور حضرت امیر المومنین (علیؑ) تمہاری پشت پر ہیں۔ اب اے عداوت و شقاوت والو! جانتے کہاں ہو۔ مصائب و آفات کے لئے تیار ہو جاؤ کہ جلد تم پر نازل ہوا چاہتی ہیں۔

عمرو عاص وغیرہ - میاں یہ تو بتاؤ کہ تم آتے کہاں سے ہو؟

طرماح - اقبلت من عند حر تقی نقی زکی رضیا مرضی۔ میں اس بزرگ کے پاس سے آتا ہوں جو نہایت شریف۔ پرہیزگار۔ پاکیزہ۔ صاف ہے جو خدا کے ہر حکم پر راضی رہتا اور جس کے ہر فعل سے خدا ہر وقت خوش رہتا ہے۔

عمرو عاص وغیرہ - اور کس کے پاس جاتے ہو؟

طرماح - اریدالردی الموذی الذی تزعمون انہ امیر کم۔ میں اسی خبیث موذی کے پاس جاتا ہوں جس کو تم لوگوں نے اپنی گمراہی سے اپنا امیر سمجھ رکھا ہے۔

عمروؓ عاص نے فوراً ایک رقعہ لکھ کر معویہ کو خبر کی کہ "ورد من عند علیؑ اعرابی بدوی۔ لہ لسان فصیح وقول ملیح دعہ کتاب۔ فلا تکن غافلا ساھیا۔ علیؑ کے پاس سے ایک بدوی اعرابی آیا ہے۔

جس کی زبان بہت فصیح اور جس کا قول نہایت بلیغ ہے۔ اس کے پاس ایک خط بھی ہے۔ تو ہوشیار ہو جا اور غفلت نہ کر۔

جب طرماح کو معلوم ہوا کہ یہ سب معویہ کے اصحاب و احباب ہیں تو اونٹ کو بٹھا کر اُٹھ آئے اور اُن سب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ معویہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو جلد از جلد باغ سے روانہ ہو کر اپنے گھر پہنچا اور یزید کو بلا کر حکم دیا کہ دربار میں خوب شاندار پردے وغیرہ ڈال کر اس کو آراستہ کراؤ۔ جب ان انتظامات کی تکمیل ہوگئی تو عمرو عاص اور اس کے سب ساتھی طرماح کو اپنے ہمراہ دربار یزید میں لائے۔ جب دُور سے طرماح کی نظر اُن لوگوں پر پڑی تو دیکھا کہ سب کے سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ بنی امیہ نے یہی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ آپ نے برجستہ کہا مالقوم کانّھم زبانیة المالک ضیق المسالک ان لوگوں کی کیا حالت ہو رہی ہے ان کی صورتیں ایسی جلی بھنی کیوں نظر آتی ہیں یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی فوج بھری ہوئی ہے جس کی راہیں تنگ و تاریک ہیں۔

اور جب ان لوگوں کے نزدیک پہنچے اور دیکھا کہ یزید بیٹھا ہے اس کی ناک پر کسی ضربت کا نشان ہے اور بہت بلند کرخت آواز سے بول رہا ہے تو طرماح نے کہا من ھذا المیشوم بن المیشوم الواسع الحلقوم المضروب علی الخرطوم۔ یہ کون منحوس ابن منحوس ہے جس کی حلق اتنی پھیلی ہوئی اور جس کی سونڈ (ناک) زخمی ہے۔ معویہ والوں نے کہا اے شخص گستاخی نہ کر یہ یزید ہے۔ اس پر آپ نے کہا لا زاد اللہ مرادہ ولا بلغہ مرادہ۔ خدا اس کی روزی کو زیادہ نہ کرے اور نہ اس کو اس کی مراد تک پہنچائے۔ جب طرماح نے یزید کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور کہا ان امیر المومنین یسلم علیک۔ اے طرماح تم کو مسلمانوں کے بادشاہ سلام کہتے ہیں۔ طرماح نے کہا میری غرض یہ ہے کہ مجھے معویہ کے

پاس لے چلو تاکہ وہ خط جو میں حضرت امیر المومنین ؑ کی خدمت سے لایا ہوں اس کو دے دوں۔ اس پر بہ بد ان کو خاص معویہ کے نشست گاہ میں لے گیا اور چونکہ طرماح پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے معویہ کے بعض ملازموں نے کہا فاخلع نعلیک لبس اے طرماح یہاں اپنے جوتے اتار دو یہ سننا تھا کہ طرماح نے داہنے بائیں نظر کی اور برجستہ کہا اھذا الوادا المقدس فاخلع نعلی کیا یہی وادی مقدس ہے تاکہ میں یہاں اپنے جوتے اتار دوں ؎ اس کے بعد آپ نے آگے کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ معویہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارکان دولت اس کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ طرماح نے اس فرش کے کنارے کھڑے ہو کر کہا السلام علیک ایھا الملک العاصی اے گنہگار اور نافرمان بادشاہ تجھ پر اسلامی سلام ہو۔

معویہ۔ ویحک یا اعرابی مامنعک ان تسلم علیّ بیا امیر المومنین اے اعرابی تم پر وائے ہو تم مجھے "اے امیر المومنین" کہہ کر سلام کیوں

؎ جب حضرت موسیٰ ؑ اپنی بی بی صفورا کو سسرال سے رخصت کرا کے اپنی ماں کے پاس لے چلے تو طور کی طرف آپ نے دور سے آگ دیکھی اس میں سے ایک انگارا لانے کے لئے آگے بڑھے۔ جب اس کے پاس آئے تو انہیں آواز آئی کہ اے موسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالوادا المقدس طوی۔ بیشک میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ تم اپنی دونوں جوتیاں اتار ڈالو کیونکہ تم اس وقت طوی نامی پاکیزہ چٹیل میدان میں ہو (قرآن مجید پ ۱۶ ع ۱۰)

طرماح نے اسی آیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا معویہ کا دربار وادی مقدس طوی ہے جہاں حضرت موسیٰ کو جوتیاں اتارنے کا حکم ہوا تھا اسی طرح تم لوگ مجھ سے بھی جوتیاں اتارنے کو کہتے ہو ۱۲

نہیں کرتے؟

طرماح ۔ ثکلتک امک نحن المؤمنون۔ فمن امرک علینا۔ اے معویہ تیری ماں تیرے ماتم میں روتی رہے۔ مومنین تو ہم لوگ ہی ہیں (اور ہم نے تجھ کو اپنا امیر بنایا نہیں ہے) تجھ کو ہم لوگوں پہ کس نے امیر بنا دیا جس کی وجہ سے میں تجھ کو امیر المؤمنین کہوں؟

معویہ ۔ مامعک یا اعرابی ۔ اچھا اے اعرابی بتاؤ۔ تم کیا لائے ہو؟

طرماح ۔ کتاب کریم ۔ میں ایک مبارک مقدس اور معزز خط لایا ہوں۔

معویہ ۔ وہ خط مجھے دے دو۔

طرماح ۔ مجھے تو یہ پسند نہیں آتا کہ اپنا پاؤں تیرے نجس فرش پہ رکھ کر وہاں آؤں اور یہ خط تجھ کو دوں۔

معویہ ۔ (عمرو عاص کی طرف اشارہ کرکے) کہا خیر میرے اس وزیر کو دے دو۔

طرماح ۔ ھیھات ظلم الامیر وخان الوزیر۔ یہ ہے! جب بادشاہ ہی ظالم ہے تو اس کا وزیر کس درجہ خائن ہوگا!!! (پھر اس پہ بھی کیونکر اعتبار کیا جائے کہ میں اس کو خط دے دوں؟)

معویہ ۔ (یزید کی طرف اشارہ کرکے) اچھا تو میرے اس لڑکے کو دے دو۔

طرماح ۔ ما فرحنا بابلیس فکیف باولادہ ۔ واہ تو بھی کیا باتیں کرتا ہے۔ جب ہم لوگ ابلیس (شیطان) ہی سے بھاگتے ہیں تو اس کی اولاد کو کیونکر پسند کر سکتے ہیں؟

معویہ ۔ تو میرے غلام کو دے دو۔

طرماح ۔ غلام سوء اشتریٰ من غیر حق واعطی من غیر مستحق۔ افسوس غلام بھی تو بے ایمان ہی ہے۔ تو نے اس کو اس مال سے خریدا جس میں تیرا کوئی حق نہیں تھا اور بغیر استحقاق کے اس پر قبضہ کیا۔ غرض وہ بھی تجھے حرام ہی طریقہ سے ملا ہے۔

معویہ - پھر کس طرح میں تم سے اس خط کو لوں؟

طرماح - اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تو اپنی جگہ سے خود اُٹھ تاکہ جو شخص تیرے نزدیک ہے وہ مجھ سے اس خط کو لے کر تجھے دے دے- یہ سنتے ہی معویہ نہایت غیظ و غضب میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ طرماح کے پاس آیا۔ ان سے خط لیا اور پھر اپنے تخت پر واپس جا کر وہ خط اپنے زانو کے نیچے دبا لیا۔ اس کے بعد کہا۔

معویہ - کیف خلفت علی ابن ابی طالب کہوں اے اعرابی تم نے علیؑ ابن ابی طالب کو کس حال میں چھوڑا؟

طرماح - خلفته بحمد الله تعالیٰ کالبدر الطالع یحوالیه اصحابه کالنجوم اذا امرھم ابتدروا الیه واذا نھاھم عن شیء لم یجاسروا علیه - وھو معھم فی بأسه یا معویة و فی نجادہ بطل شجاع سمیدع - ان لقی جیشا ھزمه وازمه وان لقی حصنا ھدمه والقاہ - وان لقی قرنا سلبه وافناہ وان لقی عدوا قتله واخزاہ - خدا کے فضل و کرم سے میں نے حضرتؑ کو چودھویں رات کے چمکتے چاند کی طرح چھوڑا ہے۔ حضرتؑ کے گرد آپ کے اصحاب بھی مثل روشن ستاروں کے اس طرح حلقہ کئے رہتے ہیں کہ جب حضرتؑ انہیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو فوراً وہ سب اس طرف جھک پڑتے ہیں اور جب انہیں کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کا خیال تک کرے۔ اے معویہ حضرتؑ اپنے ان لوگوں کے ساتھ اپنے اسی دبدبہ و شکوہ، اسی قوت و طاقت، اسی شان و شوکت، اسی صولت و شجاعت سے شہسوار عرصۂ کارزار و یکہ تاز میدان گیر و دار و سردار و یار و انصار ہیں۔ اگر کسی لشکر کے مقابلہ میں تشریف لائیں گے تو اس کو شکست دیں گے۔

بلکہ ہلاک کر دیں گے - اگر کسی قلعہ کو اپنا سدِّ راہ پائیں گے تو اسے منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیں گے - اگر کسی بہادر کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اس کو نہتا کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیں گے - اور اگر کسی دشمن سے ملیں گے تو اس کو قتل کر کے ذلیل و خوار کر دیں گے -

معویہ - کیف خلفت الحسنین - تم نے حسنؑ و حسینؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے ؟

طرماح - خلفتہما بحمد اللہ شابین - تقیین - نقیین - عفیفین - صحیحین - فصیحین - ادیبین - اریبین - لبیبین - خطیبین - سیدین - سندین - طیبین - طاہرین - عالمین - عاملین - یصلحان الدنیا و الآخرۃ - خدا کے فضل و کرم سے میں دونوں حضراتؑ کو دو جوان رعنا - دو پرہیزگار - دو پاک و پاکیزہ - دو پارسا - دو صحیح و سالم - دو فصیح و ادیب - دو عقلمند - دو ہوشیار - دو خطیب - دو سردار - دو رکن دین - دو طیب - دو طاہر اور دو عالم باعمل چھوڑ کر آیا ہوں - دونوں حضراتؑ ہر وقت لوگوں کی دنیا کی اصلاح اور ان کی آخرت کے سامان میں مشغول رہتے ہیں -

معویہ - اے اعرابی تم کو خدا نے کیسی اعلیٰ درجہ کی فصاحت عطا کی ہے -

طرماح - لو بلغت باب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام و رایت الفصحاء البلغاء الفقہاء الظرفاء النجباء الادباء الاسخیاء الاصفیاء لغرقت فی بحر عمیق لا تنجو من لجتہ یا معویۃ - اے معویہ (میری فصاحت کی کیا حقیقت ہے) اگر تو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جاتا اور دیکھتا کہ وہاں کیسے کیسے فصیحوں - بلیغوں - فقیہوں - ظریفوں - نجیبوں - ادیبوں - سخیوں اور صفیوں کا مجمع ہے تو تعجب اور حیرت کے ایسے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا جس کی موجوں

سے تو نکل ہی نہیں سکتا۔

طرماح کی اس دلیری اور فصاحت سے مرعوب بلکہ مبہوت ہو کر عمرو عاص نے آہستہ سے معویہ کے کان میں کہا کہ یہ مرد اعرابی بدوی ہے۔ اگر تم اس کو کوئی رقم (بطور رشوۃ) دے کر خوش کر دو تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے حق میں اچھی بات کہے اور تم کو نیکی سے یاد کرے۔ پھر عمرو عاص و طرماح میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص ۔ اے اعرابی اگر امیر معویہ تم کو کوئی بڑی رقم بطور بخشش دیں تو قبول کر لوگے؟

طرماح ۔ اریٰ قبض روحہ من جسدہ فکیف لا اریٰ قبض مالہ من یدہ۔ واہ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ میرا بس چلے تو معویہ کے جسم سے اس کی جان نکال لوں۔ پھر اس کے ہاتھ سے مال کیوں نہیں لوں گا۔

معویہ نے فوراً حکم دیا کہ دس ہزار درہم لا کر ان کو دے دیئے جائیں۔ اس کے بعد طرماح سے کہا:۔

معویہ :۔ کیوں؟ اگر کہو تو اس رقم کو اور زیادہ کر دوں؟

طرماح :۔ شوق سے زیادہ کر دے۔ زیادہ جود و عطا کو تو خدا پسند کرتا ہی ہے۔

اس پر معویہ نے حکم دیا کہ اور دس ہزار درہم دے دیئے جائیں۔ پھر کہا:۔

معویہ ۔ اگر چاہو تو اور زیادہ دلوا دوں۔

طرماح ۔ اجعلھا وترا فان اللہ یحب الوتر۔ اچھا اس کے عدد کو طاق کر دے کہ خدا طاق کو پسند کرتا ہے۔

معویہ نے حکم دیا کہ تیس ہزار درہم طرماح کے لئے لائے جائیں مگر اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی تو طرماح کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے اس کے بعد سر اٹھا کر کہا۔

طرماح ۔ کیوں معویہ! جو لوگ تیرے فرش پر مہمان ہوتے ہیں ان سے تو مذاق اور مسخراپن کر کے ان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

معویہ: میں نے ایسی کیا بات کی جس پر تم اس طرح اعتراض کرنے لگے۔

طرماح: یہ مذاق اور توہین نہیں تو کیا ہے کہ تو نے میرے لئے اُس رقم کا حکم دیدیا جس کو نہ تو ہی دیکھ رہا ہے۔ نہ اس پر میری ہی نظر پڑ رہی ہے۔

معویہ نے گھبرا کر اپنے ملازموں سے کہا کہ جلد از جلد اس رقم کو وہاں حاضر کریں۔ چنانچہ فوراً پوری رقم آگئی۔ جب طرماح نے اس مال پر قبضہ کرلیا تو خاموش ہو گئے اور پھر کوئی بات بھی نہ کی۔ نہ معویہ کا شکریہ ادا کیا نہ اس پر کوئی خوشی ظاہر کی۔ تب عمرو عاص نے ان سے کہا۔

عمرو عاص: کیوں اعرابی۔ امیر معویہ کی اتنی بڑی بخشش کے بارے میں تم نے اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر کی۔

طرماح: ھذا مال المسلمین من خزانة رب العالمین۔ اخذہ عبد من عبادہ الصالحین۔ میں رائے کیا ظاہر کروں۔ معلوم ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا مال ہے جس کو اس نے رب العالمین کے خزانے سے حاصل کیا ہے۔ بعد اس کے اس وقت اسی رب العالمین کے نیک بندوں سے ایک بندہ (طرماح) نے لیا ہے (معویہ نے کچھ اپنا مال تو دیا نہیں کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں)

یہ سننا تھا کہ معویہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جھنجھلا کر اپنے منشی سے بولا اکتب جواب کتابہ فواللہ لقد اظلمت الدنیا علی بحذافیرھا ومالی بہ طاقة یہ اعرابی جو خط لایا ہے اس کا جواب لکھ کر اس کے حوالہ کردے کہ اس نے اپنی زہریلی باتوں سے دنیا اس کے اطراف جوانب کے ساتھ میری نظر میں سیاہ کر دی ہے اور اب مجھ میں اس کی گفتگو سننے کی طاقت نہیں رہی۔ غرض منشی نے قلم اور کاغذ اٹھایا اور معویہ کے بتانے کے مطابق اس طرح لکھنا شروع کیا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من عبد اللہ وابن عبدہ معویة بن ابی سفیان الی علی ابن ابی طالب ان عدد جیوشی کالنجوم ما تسع فی الارض ولا فی التخوم اوکالف خردل تحت کل خردل

مقاتل یہ خط اور اسکے خدا کے بندے اور اسکے بندے کے فرزند معویہ بن ابوسفیان کی طرف سے علی ابن ابی طالب کی طرف۔ میرے لشکروں کی تعداد مثل ستاروں کے بے حساب ہے جن کے لئے سرزمین کی وسعت کافی ہے۔ نہ اس کی نشانیاں اور علامتیں یا مثل بے انتہا رائی کے دانوں کے ہے کہ ہر دانے کے پیچھے ایک بہادر سپاہی مستعد رہتا ہے۔

جب طرماح نے معویہ کا مطلب سمجھا تو زور سے قہقہہ لگایا۔ لوگوں نے پوچھا یہ ہنسنے کا کیا موقع ہے؟

طرماح۔ واللہ یا معویۃ ان علیا کالشمس اذا طلعت خفیت النجوم وله دیك هوالاشتر یلتقط الجیش بمخیشومہ و یحفظه فی حوصلته۔ اے معویہ اگر تیرا لشکر ستاروں کی طرح بے حساب ہے تو خدا کی قسم حضرت امیر المؤمنین علیؑ مثل آفتاب کے ہیں کہ جب تیرے لشکر کے سامنے حضرتؑ طلوع کریں گے تو تیرا کل لشکر ستاروں کی طرح غائب ہو جائے گا اور اگر تیری فوج رائی کے دانوں کی طرح ہے تو حضرت علیؑ کے پاس ایک بڑا مُرغ ہے جس کا نام مالک اشتر ہے۔ وہ تیرے ہر دانے کو اپنی چونچ سے چُن لے گا اور سب کو اپنے پیٹ میں بھر لے گا۔

اس کلام سے معویہ پر گویا موت طاری ہو گئی اور اپنے منشی سے کہا جانے دو کچھ نہ لکھو۔ تب عمرو عاص نے طرماح سے کہا اے بدوی تمہاری کیسی فصاحت ہے کہ اپنے خط کا جواب تک نہیں لکھنے دیتے ہو۔ اس کے بعد اس نے طرماح سے شرط کی کہ جب تک معویہ پورا جواب نہ لکھوائے اس وقت تک کچھ نہ بولیں۔ غرض جواب تمام ہوا اور طرماح اس کو لے، اپنے اونٹ پر سوار ہو وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جب دربار معویہ سے طرماح باہر چلے اور کچھ دور نکل گئے تو معویہ اپنے

دربار والوں پر بگڑا۔ پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

معویہ۔ اگر میں اپنا پورا خزانہ خالی کر دوں اور تم میں سے اکیلے کسی شخص کو دے کر چاہوں کہ اس اعرابی نے جس طرح اپنے آقا کی پیغام رسانی کی ہے اس کا عشر عشیر ہی وہ میری طرف سے انجام دیدے تو کوئی شخص بھی اس قابل نہیں نکلے گا۔ خدا کی قسم اس اعرابی نے تو دنیا مجھ پر تنگ اور میری زندگی تلخ کر دی۔

عمرو عاص۔ اے معویہ اگر تجھ کو بھی حضرت رسول خدا صلعم سے وہی قرب و منزلت میسر ہوتی جو علی ابن ابی طالبؑ کو حاصل ہے یا تو بھی اسی طرح سیدھے راستے پر ہوتا جس طرح علیؑ حق پر ہیں تو ہم لوگ اس اعرابی سے بھی زیادہ خوبی سے تیری پیغام رسانی کرتے اور اس سے بہتر تیری خدمت انجام دیتے۔

معویہ۔ فض اللہ فاک وقطع شرا سیفک واللہ لکلامک اشد علی من کلام الاعرابی۔ خدا تیرا منہ توڑے اور تیری پسلیاں چور کرے۔ خدا کی قسم تیری یہ بات تو میرے لئے اس اعرابی کے کلام سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مجالس المومنین ص ۲۲۲)

آپ مشہور تابعی اور حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص

جناب کمیل بن زیاد: صحابی تھے۔ نہایت زاہد و عابد تھے۔ کوفہ آپ کا وطن تھا اور وہیں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت رسولِ خداؐ کے زمانے میں آپ خوب ہوشیار تھے۔ آپ صدوق و ثقہ و بزرگ اور اپنے قبیلہ نخع کے رئیس و سردار تھے۔ حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگ صفین میں حضرتؑ کی فوج کے نامآور بہادروں میں تھے۔ حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے باہر نکل گئے۔ تنہائی میں آپ کو حقائق و معارف کی تلقین فرمائی اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ فرمایا۔ اے کمیل! لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اول علماء

ربانیین و عارفان حق کا طبقہ۔ دوسرے طالبان علم و سالکان راہ حق کا گروہ۔ تیسرا عوام کالانعام کا جھنڈ۔ جو نور بصیرت اور ضیاء علم حقیقت سے بے بہرہ رہتا بغیر تمیز حق و باطل ہر داعی مدعی کے پیچھے ہو جاتا۔ ہوا کے ہر جھونکے سے ادھر ادھر جھک جاتا اور حق کی پیروی سے محروم رہتا ہے اور کسی ایک رکن رکین کو اپنا ملجی و ماوٰی نہیں بناتا۔ اے کمیل! مال سے کہیں بہتر علم ہے۔ مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ اور علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اے کمیل! دولت کے جمع کرنے والے مر گئے اور بہتیرے زندگی ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن علماء تا قیام قیامت زندہ ہیں۔ ان کا نام و نشان بقائے عالم تک باقی رہے گا۔ اسی سلسلہ گفتگو میں حضرتؑ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف (جو درحقیقت گنجینہ اسرار الٰہی تھا) اشارہ کر کے فرمایا "ھا ان ھھنا لعلما جما۔ لو اصبت لہ حملۃ آہ!! اس سینہ میں علم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کاش میں اس علم کا کسی کو حامل پاتا۔ اور اسے سپرد کر دیتا"۔ جناب کمیل حضرت امیر المومنینؑ کی طرف سے عراق کے بعض قصبات ہیت وغیرہ کے بھی حاکم رہے اور حضرتؑ ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعہ سے فہمائش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں فرماتے رہتے تھے۔ بعض خطوط نہج البلاغہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ آپ ہی کو حضرت امیر المومنینؑ نے وہ دعا تعلیم کی تھی جو آج تک دعائے کمیل کے نام سے مشہور و معروف ہے اور جس کے پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ جناب کمیل نے عمر بہت پائی ۸۲ھ میں حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔ مختصر واقعہ شہادت یہ ہے کہ ۸۲ھ ہجری (غالباً ۷۰ھ) میں جب حجاج نے عراق پر غلبہ پایا اور کوفہ میں داخل ہو کر بے گناہوں کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اور خاص کر مقدس شیعیان حضرت امیر المومنینؑ چن چن کر شہید کئے جانے لگے تو اس

نے جناب کمیل کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا۔ اس وقت ہیثم بن الاسود ایک شخص حجاج کے پاس آیا حجاج نے اس سے پوچھا "کمیل کا پتا ہے کہ کہاں ہیں؟" ہیثم نے سفارشانہ لہجے میں جواب دیا کہ "کمیل تو ایک بڑھے ضعیف شخص ہیں وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لائق بھی نہیں ہیں"۔ مگر حجاج نے اس کے جواب پر کوئی توجہ نہیں کی اور کمیل کی تلاش شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ وہ حجاج کے ظلم کے خوف سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتا نہیں لگنے دیا۔ اس پر حجاج نے غضبناک ہو کر ان کے پورے کنبہ کی آمدنی روک دی اور سب کے وظیفے بند کر دیئے۔ جناب کمیل نے جب یہ خبر سُنی تو ہمت اور قومی جوش سے کہنے لگے "میں ایک پیر ضعیف ہوں۔ میرے تو یوں بھی مرنے کے دن آ گئے ہیں۔ مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ اپنی ایک جان بچا کر اپنی قوم کو سختی اور پریشانی میں مبتلا کر دوں"۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور خود حجاج کے پاس آ کر حاضر ہو گئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر سخت کلامی اور درشتی شروع کی۔ جناب کمیل نے بھی ویسا ہی برابر کا جواب دیا۔ اور اس کو ظلم و ستم سے باز رہنے اور خدا سے ڈرنے کی نصیحت کی۔ پھر کہا "اے حجاج! میری عمر کا اب بہت تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے۔ لیکن اب تیرے قبضہ میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہے میرے ساتھ کر۔ مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کیونکہ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب و کتاب کل قیامت کے دن حاکم حقیقی کے روبرو ہوگا۔ حجاج! تو جو کچھ میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے حضرت امیر المومنین علیؑ نے آج سے بہت پہلے اس کی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا"۔ حجاج غضبناک ہو کر بولا "ہاں میں تجھے ضرور قتل کروں گا"، "تو حضرت عثمان کے مخالفین سے ہے"۔ غرض جلاد کو حکم دیا گیا کہ کمیل کی گردن مار دے۔ چنانچہ اسی وقت مظلوم کمیل

قتل کر دیئے گئے اور جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین ؑ نے پیشین گوئی فرمادی تھی لفظ بہ لفظ صحیح واقع ہوا اور آپ شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔

ابو محمد

حضرت امام حسن علیہ السلام

دوسرا باب

حضرت امام حسن علیہ السلام

حضرت امام حسنؑ جناب رسالت مآبؐ کے نواسے اور دوسرے خلیفہ حضرت امیر المومنینؑ و جناب سیدہؑ کے فرزند ارجمند اور مسلمانوں کے دوسرے امام ہیں۔

۱۵ رمضان المبارک ۳ھ ہجری کی شب کو مدینہ میں پیدا ہوئے جب آپ ۷ سال ۵ ماہ اور ۱۳ یوم کے تھے تو جناب رسول خدا صلعم کے سایہ عطوفت سے ۲۸ صفر ۱۱ھ ہجری کو محروم ہو گئے۔ اسی سال ۳ جمادی الاخریٰ کو اپنی مادر گرامی قدر کی جدائی کا صدمہ اٹھایا۔ ۳۷ سال ۶ یوم کی عمر میں پدر بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ اسی وقت آپ شیعوں کے امام قرار پائے اور کوفہ میں مقیم ہوئے۔ ۶ ماہ ۳ یوم ظاہری خلافت کر کے ۲۴ ربیع الاول ۴۱ھ کو معویہ کی درخواست پر اس سے صلح کر لی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں دس سال قیام فرمایا۔ آخر معویہ کے اغواء سے جعدہ دختر اشعث نے حضرتؑ کو زہر دے دیا۔ جس سے ۲۸ صفر ۵۰ھ ہجری (۶۷۰ء) کو آپ شہید ہوگئے اور مدینہ کی جنۃ البقیع میں دفن کئے گئے۔ آپ اخلاق کے مجسمہ تھے۔ اسی سے لفظ "اخلاق حسنیٰ" زبان زد عوام و خواص ہے۔

ولادت : ام الفضل بیان کرتی تھیں کہ میں نے حضرت رسول خداؐ سے عرض کی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں آیا ہے۔ فرمایا بہت اچھا خواب ہے۔ میری بیٹی فاطمہؑ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا تم اس کو اپنے فرزند قثم کا دودھ پلاؤ گی۔ اس کے بعد ہی امام حسنؑ پیدا ہوئے۔ اور اس خواب کے مصداق قرار پائے۔

حلیہ مبارک: حضرتؑ کی آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی غلافی خوش نما تھیں۔ رخسارہ پتلے کتابی خط و خال کے تھے۔ کلائیاں گول گاؤدم تھیں۔ ڈاڑھی گنجان کانوں کی لو تک بل کھائی ہوئی تھی۔ گردن ایسی بلند اور روشن گویا چاندی کی صراحی تھی۔ شانے اور بازو گدگدے اور بھرے بھرے تھے۔ سینہ چوڑا چکلا تھا۔ قد نہ اس قدر دراز نہ کوتاہ بلکہ درمیانہ تھا۔ آپ کی صورت زیبا نہایت ہی حسین اور نورانی تھی۔ وسمہ کا خضاب کرتے تھے آپ کے بال گھونگھر والے تھے۔ بدن خوبصورت اور سڈول تھا (ذکر الدولابی)

شباہت رسولؐ: متعدد روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ آپ حضرت رسول خداؐ سے نصف جسم میں کامل شباہت رکھتے تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ فرماتے تھے جو شخص اس کو دیکھنا چاہے جو گردن سے روئے مبارک تک حضرت رسول خداؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے وہ حسنؑ کو دیکھ لے۔ حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے حسنؑ سینہ سے سر تک سب سے زیادہ آں حضرتؐ کے مشابہ ہیں۔ انس بن مالک کہتے تھے کہ امام حسنؑ سے زیادہ کوئی شخص حضرت رسول خداؐ کا ہم شکل نہیں ہے (کنز العمال جلد ۵ ص ۱۰۶ و ۱۰۷ وغیرہ) حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے کہ حسنؑ میں میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسینؑ میں میری جرأت اور سخاوت ہے۔ (طبرانی وغیرہ)

کنیت و القاب: حضرتؑ کی کنیت ابو محمد تھی اور القاب بہت تھے مثلاً تقی۔ زکی۔ سید۔ سبط۔ ولی۔ نقی۔ مجتبےٰ۔ ولی۔ (نور الابصار ص ۱۱۹)

عقیقہ: آپ کی ولادت کے ساتویں دن حضرت رسول خداؐ نے آپ کا عقیقہ کیا۔ آپ کے بال منڈوائے اور حکم دیا کہ بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کی جائے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳)

سرداری جنت: شیعہ و سنی محدثین نے بالاتفاق روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ برابر فرمایا کرتے ان حسنا و حسینا سید اشباب اہل الجنۃ۔

حسنؑ و حسینؑ جوانانِ اہل بہشت کے سردار ہیں۔ حذیفہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز میں نے آنحضرتؐ کو بہت خوش اور مطمئن پایا تو عرض کی میں آج حضور کے چہرے پر علاماتِ مسرت پاتا ہوں۔ فرمایا کیونکر نہ خوش ہوں کہ جبرئیلؑ نے آکر مجھے بشارت دی ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار اور ان کے پدر بزرگوار ان دونوں سے افضل ہیں۔ (کنز العمال جلد ۷ صـ۱۰۷ صواعق محرقہ صـ۱۱۷ تاریخ الخلفاء صـ۱۳۲ اسد الغابہ جلد ۳ صـ۱۲ اصابہ جلد ۴ صـ۱۲ استیعاب جلد ۱ وغیرہ)

محبت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اسامہ بن زید کہتے تھے کہ ایک ضرورت سے میں آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؐ نے فرمایا حسنؑ و حسینؑ میرے دو فرزند ہیں۔ اے خدا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے بلکہ ان کے دوستوں تک سے محبت فرما۔ ایک اور صحابی کہتے تھے کہ ہم لوگوں کی طرف رسول خداؐ اس شان سے تشریف لائے کہ ایک شانے پر حسنؑ اور دوسرے شانے پر حسینؑ تشریف فرما تھے اور آں حضرتؐ کبھی حسنؑ کا بوسہ لیتے کبھی حسینؑ کا۔ اسی طرح ہم لوگوں کے پاس پہنچ گئے تو فرمایا جو شخص ان دونوں سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت رکھ سکتا ہے اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرا بھی دشمن ہے۔ ایک دفعہ آں حضرتؐ نماز میں مشغول تھے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کے دونوں بچے حسنؑ و حسینؑ پشتِ مبارک پر چلے جاتے۔ لوگوں نے روکنا چاہا تو حضرتؐ نے اشارہ سے منع فرمایا اور نماز تمام کر کے دونوں کو گود میں بٹھا لیا پھر فرمایا جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ ان دونوں سے بھی محبت کرے۔ (اصابہ جلد ۲ صـ۱۱، ۱۲ وغیرہ) ایک صحابی بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے ہمیشہ امام حسنؑ کو دوست رکھتا ہوں جب سے اس واقعہ کو دیکھا کہ حسنؑ حضرتؐ کی گود میں بیٹھے ہیں اور اپنی انگلیاں حضرتؐ کی داڑھی میں ڈال رہے ہیں اور حضرتؐ اپنی زبان امام حسنؑ کے منہ میں ڈال رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں اے اللہ میں اسے

پیار کرتا ہوں تو بھی اسے پیار کر (ذخائر العقبیٰ و نور الابصار ص۱۱۹) آں حضرت صلعم ایک مرتبہ آپ کو شانے پر سوار کیے ہوئے تھے۔ کسی صحابی نے کہا اے صاحب زادے تم کیسی اچھی سواری پر سوار ہو۔ یہ سنتے ہی آنحضرت صلعم نے (گویا بگڑ کر) فرمایا کہ یہ سوار بھی تو کیسا اچھا ہے!!! (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۵ وغیرہ)

بچپن میں اشاعت اسلام کا شوق: محمد بن اسحاق نے اپنی اسناد سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابو سفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا اے ابوالحسنؑ میں تمہارے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہو۔ اس نے کہا میرے ہمراہ اپنے ابن عم (محمدؐ) کی خدمت میں چلو اور ان سے کہو کہ میرے لئے اس قسم کا ایک نیا معاملہ کر دیں اور اس کا عہد نامہ بھی تحریر فرما دیں۔ حضرتؑ نے جواب دیا کہ ابو سفیان! آں حضرتؐ نے تمہارے لئے پہلے ہی ایک عہد کر دیا ہے۔ حضرتؐ اس سے پھرنے کے نہیں ہیں (پس تم یہ خواہش نہ کرو) جب یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ جناب سیدہؑ پردے کے اندر تشریف فرما تھیں اور امام حسنؑ آپ کے سامنے کھیل رہے تھے۔ آپ کی عمر اس وقت صرف چودہ مہینہ کی تھی۔ حضرت امیر المومنینؑ سے مایوس ہونے کے بعد ابو سفیان نے جناب سیدہؑ سے عرض کی کہ اے محمدؐ کی صاحبزادی! تم اپنے اس لڑکے (حسنؑ) سے کہو کہ میری سفارش اپنے نانا سے کر دیں۔ اگر یہ ایسا کریں گے تو اس کلام کے سبب سے وہ تمام عرب و عجم کے سردار ہو جائیں گے (ابھی جناب سیدہؑ نے کچھ جواب نہیں کہلایا تھا کہ) فوراً امام حسنؑ ابو سفیان کی طرف جھپٹ کر تشریف لائے اور اپنے ایک ہاتھ سے ابو سفیان کی ناک پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑ لی۔ بعدہ بحکم خدا گویا ہو کر فرمایا! اے ابو سفیان! کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کہہ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعت اپنے جد بزرگوار سے کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر حضرت امیر المومنینؑ نے فرط محبت سے فرمایا اس خدائے بزرگ کا لاکھ

لاکھ شکر ہے جس نے آلِ محمدؐ میں بھی خاص ذریّہ محمد مصطفےٰؐ سے یحییٰ بن زکریا
پیغمبر کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں اس کو شریعت کی حکومت عطا فرما
دی۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ جلد ۴ ص ۴۶)

بچپن میں وحی کا یاد کر لینا: حضرت امام حسنؑ ہمراہ حضرت رسولِ خداؐ
کی خدمت میں حاضر رہتے۔ جب آپ کی عمر سات سال کی تھی تو آں حضرتؐ سے
جو کچھ وحی آپ سنتے یاد کر لیتے۔ پھر اپنی مادرِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر ابتداء
سے انتہاء تک اس کو سنا دیتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت امیرالمومنینؑ جب
داخلِ بیت الشرف ہوتے تو جناب سیدہؑ کو اس روز کی وحیوں پر مطلع پاتے
اور جب اس راز کو دریافت کرتے تو جناب سیدہؑ فرمائیں کہ آپ کے فرزند حسنؑ
نے مجھ سے بیان کی ہیں۔ ایک روز حضرت علیؑ نے کسی گوشہ میں چھپ کر
امام حسنؑ کی یہ کیفیت دیکھنی چاہی۔ اتنے میں امام حسنؑ داخل ہوئے اور اس
روز جس قدر وحی کو سن اور یاد کر چکے تھے۔ اپنی والدہ سے بیان کرنا چاہا مگر
زبان مبارک رک گئی اور ایک حرف بھی نہ ادا کر سکے۔ جناب سیدہؑ اس
پر نہایت متعجب ہوئیں۔ امام حسنؑ ہی نے اس مخفی راز کو بھی دریافت کر لیا
اور فرمایا اے والدہ آپ متحیر نہ ہوں۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے میرے کوئی
بزرگ میرا کلام سننا چاہتے ہیں اور ان کے رعب نے میری زبان بند کر دی
ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کی اے اماں میرا بیان رکتا
ہے۔ میری زبان عاجز ہو رہی ہے۔ غالباً میرے کوئی بزرگ میرا کلام سننا چاہتے
ہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ اس گوشے سے نکل آئے اور امام حسنؑ کو پکڑ کر آپ کا
منہ چوم لیا۔ (بحار جلد ۱۰ ص ۱۹۳)

امر بالمعروف کی پابندی: آپ بچپن ہی سے لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم
دیتے اور بری باتوں سے منع فرماتے تھے۔ حضرت رسول خداؐ کے بعد ایک
دفعہ آپ اس طرف تشریف لئے جاتے تھے جہاں حضرت ابوبکر تھے۔ دیکھا کہ

وہ رسول خداؐ کے منبر پر ہیں۔ اس پر آپ نے ان سے فرمایا یہ میرے والد کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس پر سے آپ اتر آیئے۔ حضرت ابوبکر نے کہا تم سچ کہتے ہو واقعاً یہ تمہارے والد ہی کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ پھر آپ کو گود میں بٹھا کر خود رونے لگے۔ (صواعق محرقہ ص۱۰۵ تاریخ الخلفاء ص۵۵ ریاض نضرہ ص۱۲۸ وغیرہ)

حضرتؑ کا زہد: علامہ یافعی وغیرہ لکھتے ہیں کہ حضرتؑ کے زہد کی یہ حالت تھی کہ تین دفعہ اپنا کل مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا اور دو دفعہ آدھا مال بخش دیا یہاں تک کہ اپنے جوتے بھی آدھے اپنے لئے رکھ لئے اور آدھے دوسروں کو دے دیئے۔ (مراۃ الجنان جلد ا ص۱۲۳ و نور الابصار ص۱۱۹ وغیرہ)

حضرتؑ کی سخاوت: ایک شخص نے حضرتؑ سے کچھ مانگا تو آپ نے اس کو پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں بخش دیں اور فرمایا مزدور لا کر سب اٹھا لے جا۔ جب وہ مزدور لایا تو اس مزدور کو بھی حضرتؑ نے اپنا چوغا دے دیا اور فرمایا مزدور کی مزدوری بھی میری ہی طرف سے ہونی چاہیئے (مراۃ الجنان ص۱۲۳)

ایک شخص نے حضرتؑ سے کچھ مانگا اور اپنے حالِ زار کی شکایت کی تو آپ نے اپنے کارندے کو بلایا اور اس سے اپنی آمدنی و خرچ کا حساب لینے لگے۔ جب حساب پورا ہو چکا تو اس کارندے سے فرمایا۔ اب جو کچھ تمہارے پاس میرا مال بچا ہو لاؤ۔ وہ پچاس ہزار درہم لایا۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے پاس پانچ سو اشرفیاں بھی تو تھیں؟ اس نے عرض کی ہاں وہ بھی موجود ہیں۔ حضرتؑ نے وہ بھی منگا کر کل درہم اور اشرفیاں اس سائل کو دیدیں۔ پھر اس سے عذر خواہی فرمانے لگے۔ اسی طرح حضرتؑ نے کسی جگہ سنا کہ ایک شخص خدا سے دس ہزار درہم مانگ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی اپنے دولت خانہ پر تشریف لائے اور اس کے پاس دس ہزار درہم بھیج دیئے۔ (نور الابصار ص۱۲۲)

حضرتؑ کی سخاوت دیکھ کر لوگوں نے عرض کی کہ آپ خود فاقہ سے رہتے ہیں پھر بھی سائل کو واپس نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا میں خدا کی درگاہ کا سائل اور اسی سے مانگنے والا ہوں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ خود خدا کا سائل ہو کر دوسرے سائل کو رد کروں۔

خدا نے میرے ساتھ اپنی یہ عادت جاری کر رکھی ہے کہ مجھے اپنی نعمتیں دیتا رہتا ہے اور میں نے دوسروں کے ساتھ یہ عادت کر لی ہے۔ کہ خدا کی نعمتوں کو اس کی خلقت تک پہنچاتا رہتا ہوں۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اپنی عادت روک دوں تو خدا بھی اپنی عادت نہ موقوف کر دے (نور الابصار صـ ۱۲۳)

ایک دفعہ اور ایک شخص حضرتؑ کے پاس آیا اور کچھ مال کا سوال کیا۔ مگر حضرتؑ کا ہاتھ بالکل خالی اور خود گھر میں فاقہ کا سامان تھا۔ اس سائل کو واپس کرتے بھی نہ ہو سکا تو حضرتؑ نے اس سے فرمایا میں ایک ایسی تدبیر تم کو نہ بتا دوں جس سے تم کو کافی مال مل جائے۔ اس نے پوچھا یا حضرتؑ وہ تدبیر کیا ہے؟ فرمایا خلیفہ کی بیٹی مر گئی ہے۔ اس کو اس کا بڑا غم ہے اور ابھی تک کسی نے اس کی مناسب تعزیت نہیں کی ہے۔ تم جا کر اس کی تعزیت اس طرح کرو جس طرح میں بتاتا ہوں۔ اس سے تم کو بڑی دولت مل جائے گی۔ اس نے عرض کی یا حضرتؑ اس تعزیت کے کلمات آپ مجھے یاد کرا دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا جا کر اس سے کہنا الحمد للہ الذی

ستر ھا بجلوسک علی قبر ھا ولا ھتکھا بجلوسھا علی قبرک

خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو بیٹی کی قبر پر بٹھا کر اس کا پردہ رکھ لیا اور آپکی صاحبزادی کو آپ کی قبر پر بٹھا کر اسکی پردہ دری نہیں کی۔ یہ کلمات یاد کر کے وہ شخص خلیفہ پاس گیا اور اسی عنوان سے اس کی تعزیت کی۔ خلیفہ نے ایسی معرفت کی بات سنی تو اس کا سب ہم وغم زائل ہو گیا اور اس کو بہت کچھ مال دے دیا۔ پھر اس سے کہا تجھ کو خدا کی قسم سچ بتا کیا یہ بات تو نے خود ہی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ امام حسنؑ نے مجھے تعلیم فرمائی ہے۔ خلیفہ نے کہا تو نے سچ کہا کیونکہ وہی ہر کلام فصیح کے معدن ہیں۔ پھر اس شخص کو اور زیادہ مال دے کر رخصت کیا۔ (نور الابصار صـ ۱۲۳)

حضرتؑ کا تواضع: علماء کی ایک جماعت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ ایک دفعہ چند نادار لڑکوں کے پاس سے گزرے۔ ان سب کے پاس

روٹیوں کے ٹکڑے تھے اور وہ بیٹھے کھا رہے تھے۔ لڑکوں نے حضرتؑ سے کہا حضور
بسم اللہ۔ حضرت فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور ان سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانے
لگے۔ پھر ان سب کو اپنے گھر لے گئے۔ اچھے کھانے کھلائے، عمدہ کپڑے
پہنائے اور فرمایا حقیقی دریا دلی ان لڑکوں ہی کی ہے کیونکہ ان سب نے
جب مجھے کھلایا اس کے سوائے ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں اور میرے پاس تو
اس سے زیادہ موجود ہے۔ (مرآۃ الجنان جلد ۱ ص ۱۲۳)

حضرتؑ کا توکل: ایک دفعہ حضرتؑ کو معلوم ہوا کہ جناب ابوذر غفاری
کہتے ہیں کہ مجھے تونگری سے زیادہ ناداری اور صحت سے زیادہ بیماری
محبوب ہے"۔ تو حضرتؑ نے فرمایا خدا ابوذر پر رحم فرمائے وہ یہ کہتے ہیں مگر
میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضا و قدر پہ توکل کرے وہ ہمیشہ اسی چیز
کو پسند کریگا۔ جسے خدا اس کے لئے پسند کرے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ
کلام حضرت امام حسینؑ کا ہے (مرآۃ الجنان جلد ۱ ص ۱۲۵)

حضرتؑ کی عبادت: حضرتؑ نے ۲۵ حج پا پیادہ کئے اس طرح کہ آپ
کی سواری کی اونٹنیاں ساتھ جاتیں مگر آپ اس پر سوار نہیں ہوتے۔ فرماتے تھے
کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ اس کی ملاقات کو جاؤں اور اس
کے گھر تک پا پیادہ نہ جاؤں (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۷)

حضرتؑ کا معصوم ہونا: ایک شخص نے حضرت حسنؑ سے عرض کی کہ آپ کو
رسول خدا صلعم کی کچھ باتیں یاد ہوں تو بیان کیجئے۔ حضرتؑ نے بیان فرمایا۔
مجھے حضرت رسول خداؐ کی ایک یہ بات یاد ہے کہ میں نے ایک مرتبہ صدقہ کی
کھجوروں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں رکھ لی تھی تو حضرتؐ نے اس کو
میرے منہ سے نکال لیا اس حال میں کہ اس میں میرا لعاب دہن مل چکا تھا۔
اور اس کو صدقہ کی کھجوروں میں ملا دیا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہؐ ایک کھجور کی
کیا بات تھی۔ حضرتؐ نے فرمایا ہم آل محمدؐ کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔
(اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا نے حضرتؑ کو بھی معصوم قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے جب بچپن میں آپ نے وہ کھجور منہ میں ڈال لی تو آں حضرت صلعم نے نکال کر پھینک دی۔ اگر آپ درجۂ عصمت پر فائز نہیں ہوتے۔ تو آں حضرت صلعم کو اس کے چھین کر پھینک دینے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ امام حسنؑ وحسینؑ ان کھجوروں سے کھیل رہے تھے اسی کھیل میں امام حسنؑ نے ایک کھجور اپنے منہ میں رکھ لی یعنی کھانا نہیں چاہا بلکہ صرف کھیل میں رکھ لیا تھا۔ حضرت رسولِ خداؐ نے دیکھا۔ تو اخفیاطاً اس کو بھی نکال لیا اور فرمایا اما علمت ان ال محمدؐ لا یاکلون الصدقہ اے حسنؑ تم کو معلوم نہیں ہے ... کہ آلِ محمدؐ صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری پ ۶ ص ۴۲۵)

حضرت حجۃ الاسلام شہیدِ ثالث قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا کہ "امام پر اگرچہ بلا واسطہ وحی نازل نہیں ہوتی اس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کر لیتا ہے جس پر حضرات اہلسنت کے علامہ ابن حجر عسقلانی کا وہ قول دلالت کرتا ہے۔ جو انہوں نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح میں لکھا ہے جس میں آنحضرت صلعم نے امام حسنؑ پر جب آپ شیر خوار تھے اور صدقہ کی کھجور منہ میں رکھ لی تھی۔ اعتراض کیا تھا۔ اور آپ سے فرمایا تھا۔ کخ کخ۔ اما تعلم ان الصدقۃ علینا حرام۔ تھو کو تھو کو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے۔ اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ امام حسنؑ اس وقت دودھ پیتے تھے۔ آپ پر ابھی کسی شرعی امر کی تکلیف نہیں تھی۔ آں حضرتؐ نے ان پر یہ اعتراض کیوں کیا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ صدقہ ہم لوگوں پر حرام ہے اس جواب علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یہ دیا ہے۔ بعد ما ستواء حال الحسن وحال غیرہ لان

الحسن فی تلک الحال کان یطالع اللوح المحفوظ امام حسنؑ اور دوسرے بچے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ امام حسنؑ اس حالت شیر خوارگی میں بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے اس وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم نے وہ جملہ فرمایا۔ (احقاق الحق ص۱۲۷)

آں حضرت کی فریفتگی

آں حضرت صلعم ایک دفعہ خطبہ پڑھتے تھے اس وقت امام حسنؑ اور امام حسینؑ گھر سے باہر سرخ کپڑے پہنے ہوئے آرہے تھے۔ مگر ان کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ آں حضرتؐ یہ دیکھ کر منبر سے اتر پڑے اور ان کو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا۔ اس کے بعد فرمایا یا اللہ سچ فرماتا ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آرہے ہیں اور ان کے پاؤں لغزش کرتے ہیں اور مجھ سے رہا نہیں گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کردی اور انکو اٹھالیا۔ (اسد الغابہ جلد ۳)

امام حسنؑ کا حلم

حضرتؑ کے حلم و تحمل کے واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت سوار جارہے تھے کسی شامی نے حضرتؑ کو دیکھ کر گالیاں بکنی شروع کیں مگر حضرت نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا جب وہ دل بھر کر اپنا گناہ کرچکا تو حضرتؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے اس کو سلام کیا۔ پھر مسکرا کر فرمایا اے شیخ میں گمان کرتا ہوں کہ تم پردیسی ہو اور شاید تم کو کچھ شبہ ہوگیا ہے۔ جس کی وجہ سے تم نے مجھے اتنی گالیاں دیں۔ اگر تم مجھ سے کوئی فرمائش کرو تو میں پوری کرنے کو حاضر ہوں۔ اگر کچھ مانگو تو دینے کو موجود ہوں۔ اگر کوئی بات دریافت کرو تو بتا دوں۔ اگر سواری کی ضرورت ہو تو میں تم کو گھوڑا یا اونٹ دے دوں۔ اگر بھوکے ہو تو چلو کھانا کھلاؤں۔ اگر پہننے کو کپڑے نہ ہوں تو جس قدر چاہو کپڑے

دے دوں۔ اگر محتاج ہو تو میں اتنا مال دیدوں جس سے خوش ہو جاؤ۔ اگر تم آوارہ وطن ہو تو میں تم کو اپنے گھر میں جگہ دوں۔ اور اگر ان باتوں کے علاوہ تمہاری کوئی حاجت ہو تو اس کو بھی پوری کر دوں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی سواری میرے گھر کی طرف بڑھاؤ اور دعوت قبول کر لو جب تک دل چاہے رہو میں تمہاری خدمت کرتا اور ہر قسم کا آرام پہونچاتا رہوں گا اس لئے کہ خدا کے فضل سے میرا مکان وسیع ہے۔ لوگوں میں میری جاہ و عزت بھی ہے اور میرے پاس مال بھی ہے۔

جب اس مرد شامی نے حضرتؑ کا یہ سب کلام سنا تو رونے لگا۔ پھر کہتا اشہد انک خلیفۃ اللہ فی ارضہ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ وکنت انت وابوک ابغض خلق اللہ الی والان انت احب خلق اللہ الی۔ وحول رحلہ الیہ وکان ضیفہ الی ان ارتحل وصار معتقدا لمحبتہم میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی زمین پر اس کے خلیفہ آپ ہی ہیں۔ خدا نے جس خاندان کو رسالت کا شرف بخشا ہے اس کی عظمت و جلالت کو وہی سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اس وقت کے قبل تک دنیا میں کسی شخص کو بھی آپ کے والد سے زیادہ دشمن نہیں رکھتا تھا۔ مگر اب سب سے زیادہ آپ ہی مجھے محبوب ہو گئے۔ پھر اس نے اپنی سواری حضرتؑ کے گھر کی طرف پھیری اور جب تک اس شہر میں رہا حضرتؑ ہی کا مہمان رہا اور ان حضراتؑ کی محبت کا پورا معتقد ہو گیا۔ (مناقب جلد ۴ صفحہ ۵۳)

حضرت کی حکمت آمیز باتیں

بہت ہیں جن سے انسان کو حکمت و معارف کے خزانے حاصل ہوتے ہیں۔ اور ان پر انسان عمل کرے تو فرشتوں کے قریب ہو جائے۔ مثلاً فرمایا لا ادب لمن لا عقل لہ ولا مودۃ لمن لا ھمۃ لہ ولا حیاء

لمن لا دین له۔ ورأس العقل معاشرة الناس بالجمیل و بالعقل تدرك الدار ان جمیعا ومن حرم العقل حرمهما جمیعا جس کو عقل نہیں ملی اس کو ادب بھی نہیں ملا۔ جس کو ہمت نہیں حاصل ہوئی وہ محبت بھی نہ پا سکا۔ اور جس کو شرم نہیں ہے اس کو مذہب سے بھی تعلق نہیں۔ عقل کا سر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور بھلائی کی زندگی بسر کی جائے۔ اور عقل ہی سے دونوں گھر (دنیا و آخرت) حاصل ہوتے ہیں جو شخص عقل سے محروم ہو گا۔ وہ دونوں گھروں سے بھی محروم رہے گا۔ یہ بھی فرمایا:۔ هلاك الناس فی ثلاث فی الکبر والحرص والحسد فالکبر هلاك الدین وبه لعن ابلیس والحرص عدو النفس والحسد رائد سوء ومنه قتل هابیل۔ تین برائیوں سے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں تکبر، حرص اور حسد۔ تکبر سے دین مٹ جاتا ہے اسی وجہ سے ابلیس (شیطان) ملعون قرار پایا۔ اور حرص انسان کی جان کا دشمن ہے (یعنی جس شخص میں حرص پیدا ہوئی وہ اپنا آپ دشمن ہو گیا) اور حسد برائی کا پیغام لانے والا ہے۔۔ اسی سبب سے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ حضرت یہ بھی فرماتے تھے، کہ جب پدر بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کی وفات کا وقت پہونچا تو میں بہت پریشان ہوا حضرت نے فرمایا کیوں حسن! تم گھبراتے ہو؟ میں نے عرض کی یا حضرتؑ میں آپ کو اس حال میں دیکھتا ہوں تو کیوں نہ بد حواس ہوں حضرت نے فرمایا بیٹے میری چار باتیں ہمیشہ یاد رکھنا۔ اگر تم انہیں یاد رکھو گے تو ان کے ذریعہ سے ہر مصیبت سے نجات ملی رہے گی۔ اے بیٹا لا غنی اکثر من العقل ولا فقر مثل الجهل ولا وحشة اشد من العجب ولا عیش الذ من حسن الخلق۔ واعلم ان مروأة القناعة والرضا اکبر مروأة الاعطاء وتمام الصنیعة خیر من

ابتداً انما عقل سے بہتر کوئی تونگری نہیں اور جہالت ایسی کوئی فقیری نہیں اور خود پسندی سے زیادہ سخت کوئی وحشت نہیں اور حُسنِ خلق سے زیادہ مزے کی کوئی زندگی نہیں ۔ اور اس بات کو بھی سمجھ رکھو کہ قناعت اور رضا کی مروت مال عطا کرنے کی مروت سے بڑھی ہوئی ہے اور احسان کا تمام کرنا اس کے شروع کرنے سے بہتر ہے (نور الابصار صہ ۱۲۲)

نیکی کا عوض کس طرح کرتے

حضرت کے ساتھ جو شخص کوئی بھلائی کرتا ۔ حضرت اس کا عوض ہزار گنا سے زیادہ کیتے ۔ ابو الحسن مدائنی وغیرہ نے لکھا ہے ۔ کہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ اور (جناب زینبؑ کے شوہر) عبداللہ بن جعفر ساتھ ہی حج کو چلے ۔ اتفاق سے راستہ میں ان کے کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں اور تینوں حضرات کو بھوک اور پیاس نے بہت ستنایا ۔ راہ میں ایک خیمہ نظر آیا ۔ تو یہ حضرات اس طرف روانہ ہوئے وہاں پہونچے تو ایک بوڑھی عورت دیکھی اس سے پوچھا کیوں بہن کوئی چیز پینے کی ہے ؟ اس نے کہا ہاں ۔ یہ سُنتے ہی تینوں صاحب اپنی سواریوں سے اُتر پڑے مگر اس بڑھیا کے پاس ایک بکری کے سوا کوئی چیز تھی ہی نہیں ۔ اس نے کہا آپ لوگ اسی بکری کو دوہکر اس کا دودھ پی لیں ۔ بیچاروں نے ایسا ہی کیا ۔ جب پیاس کم ہوئی تو بھوک کا زور ہوا ۔ پوچھا کچھ کھانے کو بھی ہے ؟ اُس نے کہا بس یہی بکری ہے اس کے سوائے کچھ نہیں ۔ میں آپ لوگوں کو قسم دیتی ہوں کہ اس بکری کو ذبح کر ڈالیں اور میں لکڑی کا سامان کرتی ہوں ۔ آپ لوگ بھون کر اسی کو کھالیں ۔ ان لوگوں نے اس کی فرمائش پوری کی کھا پی کر کچھ دیر آرام کیا اور جب جانے لگے تو کہا اے بہن ہم

لوگ قریش کے کچھ آدمی ہیں حج کرنے جاتے ہیں۔ جب بخیر و عافیت واپس آئیں توتم ہم لوگوں کے پاس مدینہ میں آنا تاکہ ہم بھی تمہاری کچھ خدمت کرسکیں۔ یہ کہہ کر سب روانہ ہو گئے۔ جب اس کا شوہر آیا تو اس عورت نے پورا واقعہ بیان کر دیا وہ بہت غضبناک ہوا اور کہا تو نے بکری ایسے لوگوں کیلئے کیوں ذبح کر دی جن کو ہم لوگ پہچانتے تک نہیں ہیں۔ بات ختم ہو گئی۔ ایک مدت دراز کے بعد اُس عورت اور اُس کے شوہر کو قحط کا سامنا ہوا۔ دونوں سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ آخر مدینہ کا رُخ کیا۔ اور وہاں بھیک مانگنے لگے۔ ایک روز وہ عورت کسی گلی میں سوال کرتی ہوئی جاتی تھی اور امام حسنؑ اپنے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے حضرتؑ نے اس کو دیکھ پہچان لیا۔ اور پکار کر اپنے پاس بلایا۔ فرمایا اے کنیز خدا تم مجھ کو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا فلاں سال فلاں مہینہ میں فلاں روز ہم لوگ جا کر تمہارے خیمہ میں مہمان ہوئے تھے۔ اُس نے کہا اے صاحب میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں میں نے اب بھی آپ کو نہیں پہچانا۔ حضرتؑ نے فرمایا خیر اگر تم مجھے نہیں پہچانتیں تو میں تم کو پہچانتا ہوں۔ پھر حضرتؑ نے اپنے غلام کو حکم دیا۔ کہ ایک ہزار بکریاں خرید کر اور ایک ہزار اشرفیاں اس کو دے دو۔ جب یہ چیزیں اس کو مل گئیں تو اس کو اسی غلام کے ساتھ امام حسینؑ کے پاس بھیجا۔ حضرتؑ نے بھی اس کو پہچان لیا اور ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں آپ نے بھی دیں۔ پھر اس کو غلام کے ساتھ جناب عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجا انہوں نے بھی اس کو بہت زیادہ مال اور بکریاں دیں۔ اس طرح مال و دولت کا انبار لے کر وہ مدینہ سے اپنے گھر پلٹی کہ گئی تھی بالکل فقیر ہو کر اور

واپس آئی سب سے زیادہ خوش حال ہوکر (نورالابصار ص۱۲۱)

خلافت ظاہری کو چھوڑنا

حضرت علیؑ کے بعد حضرت امام حسنؑ عراق۔ ایران۔ خراسان۔ حجاز اور یمن وغیرہ میں خلیفہ ہوئے (یہ واقعہ ۴۰ھ کا ہے) اُن چالیس ہزار آدمیوں نے جنہوں نے حضرت علیؑ سے معویہ سے جنگ کرنے پر آپکی شہادت میں جانے کی بیعت کی تھی۔ امام حسنؑ سے بھی بیعت کرلی۔ اتنے میں معویہ نے آپ پر چڑھائی کردی اور ساٹھ ہزار فوج لیکر مقام مسکن میں اترا جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی جانب اوانا کے قریب واقع ہے۔ امام حسنؑ یہ سُن کر خود تو بڑا حصہ فوج کا لے کر کوفہ سے ساباط مدائن میں آگئے اور ۱۲ ہزار فوج قیس بن سعد کی ماتحتی میں معویہ کی پیش قدمی روکنے کے لئے روانہ کردی۔ اسی درمیان میں معویہ نے مخفی طور پر یہ فریب کیا کہ ایک شخص کو مدائن بھیجا جہاں امام حسنؑ مقیم تھے۔ اور یہ مشہور کرایا کہ حضرتؑ کے سپہ سالار قیس بن سعد نے معویہ سے صلح کر لی۔ اور اسی طرح دوسرے شخص کو قیس کے لشکر میں بھیج کہ یہ مشہور کرایا کہ امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کرلی۔ پس جب دونوں جگہ یہ خبر شائع ہوئی۔ تو امام حسنؑ کی فوج میں بغاوت پھیل گئی فوجی آپ کے خیمے پر ٹوٹ پڑے آپ کا کل اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلے تک گھسیٹ لیا۔ دوش پر سے روا بھی اُتار لی۔ بعض گمراہوں نے معویہ سے سازش کرکے اور رشوتیں لے کر ارادہ کیا کہ آپ کو گرفتار کرکے معویہ کے حوالہ کردیں اور ان کے بعض رئیسوں نے خفیہ خط وکتابت کرکے اطاعت قبول کرلی اور اسے لکھا کہ بہت جلد عراق چلے آیئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ امام حسنؑ کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کردیں گے۔ حضرت کمال صدمہ سے اپنے مدائن

کے گورنر سعد کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک خارجی نے موقع پاکر ران پر ایسا زخم لگایا جو ہڈی تک پہونچا۔ آپ زخمی حالت میں مدائن کے قصر میں جاکر ٹھہرے۔ سعد نے علاج کرایا اور حضرتؑ کچھ مدت میں اچھے ہو گئے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرتؑ نے خلقِ خدا کی خونریزی کا اندیشہ کر کے ترک ظاہری خلافت کا ارادہ کر لیا۔ اور ۶ یا ۷ ماہ کی ظاہری خلافت کے بعد ان شرائط پر معویہ سے صلح کر کے حکومت سے دستبردار ہو گئے (۱) معویہ مسلمانوں پر کتاب خدا اور سیرتِ خلفاء صالحین کے مطابق حکومت کرے گا۔ (۲) بیت المال کوفہ میں جو رقم بچ گئی ہے۔ وہ امام حسنؑ کو دی جائے گی کہ حضرتؑ زمانہ حکومت کے دیوان ادا کر دیں۔ (۳) فسا اور دارالجبرد کا خراج امام حسنؑ کو ملتا رہے گا کہ اہلبیتؑ خرچ کرتے رہیں (۴) اب سے حضرت علیؑ پر سب و شتم نہ کیا جائے گا۔ (۵) معویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنا کوئی ولیعہد مقرر کرے بلکہ شوریٰ کی رو سے اس کے بعد مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوگا۔ اور بروایت اوکلی وحیوۃ الحیوان وطبری و ابن قتیبہ وغیرہ یہ شرط اس طرح تھی کہ معویہ کے بعد امام حسنؑ خلیفہ ہوں اور حضرتؑ کا انتقال ہو جائے۔ تو امام حسینؑ ہوں (۶) زمینِ خدا پر شام۔ مصر عراق۔ حجاز۔ یمن وغیرہ میں ہر جگہ لوگ جان و مال سے امن و امان میں رہیں گے۔ (۷) اصحابِ علیؑ و شیعیان علیؑ کا جان و مال۔ عورتیں اور اولاد سب مامون و محفوظ رہیں گے۔ (۸) حسن بن علیؑ اور اُن کے بھائی حسینؑ اور اہلبیتؑ میں سے کسی شخص کے حق میں کہیں خفیہ یا علانیہ معویہ تعرض نہیں کرے گا۔ سب محفوظ رہیں گے۔ انہیں کسی طرح کا خوف نہیں دلایا جائے گا۔ (۹) معویہ اس عہدنامہ پر خدا سے عہد و میثاق کرے اور اسے پورا کرے۔ (صواعق محرقہ صہ ۸۱)

معویہ اور امام حسنؑ قریب کوفہ انبار میں جمع ہو گئے اور وہیں اس عہد نامہ پر فریقین کے دستخط اور لوگوں کی گواہیاں ثبت ہوئیں۔ مگر معویہ نے ان شرطوں سے کسی کو بھی پوری نہیں کیا۔ یہ عہد نامہ ۲۵ ربیع الاوّل ۴۱ھ کو لکھا گیا۔ اس کے بعد معویہ نے لوگوں سے اپنی بیعت لی اور اس سال کا نام سنت الجماعت رکھا گیا۔ اس کے بعد معویہ نے عمرو عاص کی تحریک سے حضرت امام حسنؑ کو خطبہ دینے پر مجبور کیا تو حضرتؑ نے منبر پر جا کر فرمایا۔ اے لوگو خدائے تعالیٰ نے ہم میں سے اول کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اور آخر کے ذریعہ سے تمہیں خونریزی سے بچایا۔ معویہ نے اُس امر میں مجھ سے جھگڑا کیا جس کا میں اُس سے زیادہ مستحق ہوں لیکن میں نے لوگوں کی خوں ریزی کی نسبت اس امر کا ترک کر دینا بہتر سمجھا۔ تم رنج و ملال نہ کرو کہ میں نے حکومت اس کے نا اہل کو دے دی اور اس کے حق کو بے موقع جگہ رکھا ہے۔ میری نیت اس معاملہ میں صرف امت کی بھلائی ہے۔ یہاں تک فرمانے پائے تھے۔ کہ معویہ نے کہا بس اے حضرت زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۳۲۵)

حضرت کے اس خطبہ کے بعد معویہ منبر پر گیا اور خطبہ میں کہا الحمد اللہ آج تمام امور کا انتظام ہو گیا ہے۔ بہت کچھ تردد و پریشانی کے بعد حق اپنی جگہ پر آ کر ٹھہرا ہے۔ میں نے اس معاملہ کی ابتدا میں جو شرطیں کی ہیں۔ وہ محض باہمی میل ملاپ اور امت کے ایک زبان ہونے کے لئے تھیں۔ اب خرابیاں جاتی رہیں۔ اپنے وعدہ کا مجھے اختیار ہے۔ پورا کروں یا نہ کروں۔ اب کسی کی مجال نہیں کہ میری مخالفت کرے۔ سب کو میری اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے اس کی یہ باتیں سن کر سب لوگ برہم ہو گئے اسے گالیاں دیں۔ اور مار ڈالنے کا قصد کیا جس سے معویہ ڈر گیا اور اپنی گفتگو پر پشیمان ہوا۔ اس کی یہ باتیں سن کر لوگوں نے امام حسنؑ سے کہا کہ جب معویہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہا۔

تو آپ بھی اس صلح سے انکار کر دیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ مجھے اپنے قول سے پھرنا مناسب نہیں۔ لڑائی جھگڑا نہ کرو اور صبر سے کام لو۔ اس کے بعد حضرت امام حسنؑ مع امام حسینؑ و عبداللہ بن جعفر اپنے عیال و اطفال کو لیکر مدینہ میں چلے آئے اور یہیں رہنے لگے۔ معویہ سال میں کچھ مال آپ کے پاس بھیج دیتا اور حضرتؑ اس کو لے کر غربا و مساکین میں خیرات کر دیتے تھے۔ لیکن باوجود اس درجہ علیحدگی کے حضرتؑ کا وجود معویہ کی آنکھوں میں کھٹکتا رہتا تھا۔ خاص کر اس وجہ سے کہ وہ اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا۔ اور عہدنامہ کی رو سے یہ امر ممکن نہ تھا۔ لہذا وہ اس کوشش میں مصروف ہوا کہ کسی طرح حضرتؑ کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے خفیہ طور پر حضرتؑ کی زوجہ جعدہ بنت الاشعث کو ایک لاکھ درہم اور اپنے بیٹے یزید سے اس کی شادی کرنے کا لالچ دے کر حضرتؑ کو زہر دلوا دیا۔ (مروج الذہب جلد ۶ صفحہ ۵۵ و استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ وغیرہ)

معویہ امام حسنؑ کی شہادت کی خبر سن کر مارے خوشی کے سجدے میں گر پڑا اور اس زور کی تکبیر کہی کہ دور تک آواز پہونچی۔ اس کو سن کر فاختہ بنت قرظہ نے معویہ سے پوچھا کیوں تکبیر کہی۔ کہا حسنؑ کی موت سن کر فاختہ نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون پھر رو کر کہنے لگیں کہ آہ سید المرسلین اور خاتم المرسلین کے فرزند نے رحلت فرمائی۔ (مروج الذہب و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ وغیرہ)

امام حسنؑ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضرت رسول خدا صلعم کے پاس دفن کرنا چنانچہ امام حسینؑ نعش مبارک کو روضۂ رسولؐ میں دفن کرنے لائے مگر بنی امیہ و گروہ عثمانی مروان وغیرہ مانع ہوئے۔ اور حضرت عائشہ ایک خچر پر سوار ہو کر آئیں اور فرمایا کہ گھر میرا ہے میں دفن نہیں ہونے دیتی بعض لوگ غل مچا کر کہنے لگے اے عائشہ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر

(جنگ جمل) لڑتی ہو اور کبھی خچر پر سوار ہو کر پیغمبرؐ کے نواسے کے جنازے پر جھگڑتی ہو اور ان کے نانا کے پاس دفن نہیں ہونے دیتیں ہر چند لوگوں نے کہا۔ مگر حضرت عائشہ نہ مانیں۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ کی طرف سے تیر باری شروع ہو گئی اور کئی تیر امام حسنؑ کے تابوت میں پیوست ہو گئے۔ مجبوراً لوگوں نے حضرتؑ کی نعش مبارک کو لا کر بقیع میں دفن کیا (کامل جلد ۳ صہ ۱۸۲ وغیرہ)

حضرتؑ کی کثرتِ طلاق

تاریخ کے اوراق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت امام حسنؑ کثرت سے نکاح کرتے اور چند دنوں کے بعد ان عورتوں کو طلاق دیدیا کرتے تھے۔ حضرتؑ پر یہ اعتراض مختلف اغراض سے کیا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ تاریخ وسیر کے اوراق کی سیر کرتے ہیں وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ ۴۱ھ میں حضرتؑ نے حکومت سے دستبرداری اختیار کی اور صلح نامہ میں یہ شرط بھی کی کہ معویہ کے بعد امام حسنؑ ظاہری خلیفہ ہوں۔ معویہ نے اس وقت حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے یہ شرط بھی مان لی اور اس پر دستخط کر دیا مگر اس کو بڑی فکر ہوئی کہ کسی طرح اس سلطنت کو اپنے خاندان میں منتقل کر دے اور اپنے بعد اپنے فرزند یزید کو بادشاہ بنائے۔ اس وجہ سے وہ برابر کوشش کرتا رہا کہ حضرت امام حسنؑ کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرتؑ کو زہر دے کر آپ کا کام تمام کر دے تاکہ یزید کو بادشاہ بنانے میں آسانی ہو۔ اور عرصہ کی طرح مشہور ہے۔ جب عمر بن سعد ایسا شخص صوبے کی حکومت کی طمع میں امام حسینؑ کا خون ظاہر بہانے پر راضی ہو گیا تو ایک ایک لاکھ درہم کے انعام کے وعدوں پر حضرتؑ کی بیویوں کا سازش میں شریک ہو جانا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہو سکتا۔ غرض معویہ حضرتؑ کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرتؑ کو زہر دلوانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اور جب یہ راز فاش ہو جاتا تھا۔ تو حضرت

ان بیویوں سے بچنے کے لئے مجبور ہوتے تھے۔ کہ ان سب کو طلاق دے دیں اور دوسری عورتوں سے نکاح کرلیں۔ کچھ دنوں بعد وہ بیویاں بھی معویہ کی سازش میں شریک ہوجاتیں تو حضرت اُن کو بھی طلاق دے کر دوسری عورتیں نکاح میں رکھتے۔ غرض یہی سلسلہ جاری رہا۔ آخر حضرت ؑ کی بیوی ہی نے حضرت ؑ کا کام تمام کردیا۔ پس حضرت ؑ کا عورتوں کو طلاق دینا محض اس وجہ سے تھا کہ زہر خورانی کا حملہ نہ ہو۔ مگر حضرت ؑ کب تک کامیاب ہوتے آخر وہی ہوا جو معویہ چاہتا تھا۔

حضرت ؑ کی معویہ سے صلح

اکثر مسلمان یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن ؑ نے معویہ سے صلح کیوں کی حالانکہ آپ کے چھوٹے بھائی امام حسین ؑ نے اسی معویہ کے بیٹے یزید سے جہاد کیا۔ اور آخر شہادت پر فائز ہوئے۔ مگر افسوس یہ لوگ احکام خدا و افعال انبیاء و مرسلین پر نظر نہیں کرتے۔ خدا کا اصول یہ رہا ہے۔ کہ اپنے ہادیوں کا حکم دیتا ہے کہ پہلے گمراہ لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کریں اور ان کی سختیوں کو برداشت کرکے ان کی ہدایت کی کوشش کرتے رہیں۔ جب اس سے کام نہ چلے اور وہ ان کی جان کے درپے ہوجائیں تو آخری حالت میں بدرجہ مجبوری ان سے جہاد کرکے اپنی ذات اور دوسرے مطیع بندوں کی جان کی حفاظت کریں۔ اسی اصول کے ماتحت اکثر انبیاء و مرسلین نے اپنے مخالفین کے مظالم پر صبر کیا اور بعض جہاد کے لئے بھی مامور ہوئے۔ قرآن مجید واضح کرتا ہے۔ کہ انبیاء کے آنے پر جب اُن کی قوموں نے ان کی نافرمانی کی تو خدا اور وہ انبیاء بھی ایک مدت تک گویا صلح کے اصول پر انتظار کرتے رہے کہ شاید اب بھی یہ لوگ سنبھل جائیں اور جب بالکل اُن کی طرف سے مایوسی ہوجاتی تھی۔ تب خدا کا عذاب نازل ہوتا تھا۔ حضرت رسول خدا صلعم بھی شروع میں ۱۳ برس تک صبر و صلح ہی سے بسر کرتے رہے اور باوجودیکہ

مکہ معظمہ میں حضرتؐ کا قبیلہ۔ خاندان۔ حضرتؐ کے اعزہ اور اہل اسلام سب ہی تھے مگر حضرتؐ نے کبھی ان سے جہاد نہیں کیا۔ بلکہ بالکل خاموشی، صلح اور آشتی سے ہدایت کی کوشش کرتے رہے لیکن جب ان لوگوں کی زیادتیاں موقوف نہیں ہوئیں اور حضرتؐ کے ہجرت کر جاتے پر بھی انہوں نے مدینہ میں حضرتؐ کو ستانا شروع کیا۔ تو اب حضرتؐ کو جہاد کا حکم ہوا اور حضرتؐ نے اپنے کو نیز مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچانے کے لیے تلوار اٹھائی۔ بالکل اسی اصول کی پابندی میں حضرت امیرالمومنینؑ نے بھی اپنے زمانے کے ابتدائی تین دور میں صلح و صبر سے کام لیا اور آخری دور میں تینوں جماعتوں سے جہاد کیا۔ خلیفہ اوّل۔ خلیفہ دوم۔ خلیفہ سوم سے حضرتؑ کا جہاد نہ کرنا اور صبر و صلح سے پیش آنا بالکل اس طرح تھا۔ جس طرح حضرت رسول خداؐ نے مکہ میں جہاد نہیں کیا۔ اور جنگ جمل۔ جنگ صفین و جنگ نہروان میں حضرتؑ نے اسی طرح اپنے مخالفین سے جہاد کیا جس طرح حضرت رسول خداؐ نے (اپنے آخری دور) مدینہ میں غزوۂ بدر۔ احد و خندق وغیرہ جنگ کی۔ اسی طرح رسول خداؐ کے دونوں پارۂ جگر اور حضرت امیرالمومنینؑ کے فرزند امام حسن و امام حسینؑ نے مل کر دونوں بزرگوں کی ابتدائی زندگی کی صلح اور آخری زندگی کے جہاد کی پیروی کی۔ بڑے صاحبزادے نے (جن کے حلم کی یہ حالت تھی کہ حضرتؑ کے انتقال پر آپ کا شدید ترین دشمن مروان بد بخت چیخ چیخ کر روتا تھا۔ امام حسینؑ نے پوچھا کہ تم تو حضرتؑ کو اس درجہ ستاتے تھے اب روتے کیوں ہو۔ تو اس نے کہا ہاں میں اس بزرگ پر ظلم کرتا تھا جو حلم میں اس پہاڑ سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۹) معویہ سے صلح اور چھوٹے فرزند نے یزید سے جہاد کیا۔ علاوہ بریں انبیاءؑ و مرسلین کا معمول یہی رہا ہے۔ کہ جب مخالفین صلح اور رحم کی درخواست پیش کرتے تھے تو وہ حضراتؑ اس کو منظور کر لیتے تھے حضرت رسول خداؐ سے بھی

حدیبیہ میں کفار نے صلح کی درخواست کی تو حضرت نے منظور کرلی اور اگرچہ بعض مسلمان اس کو ناپسند کرتے رہے مگر حضرت نے کفار کا دل رکھ لیا۔ اسی طرح جب معویہ نے امام حسنؑ سے صلح کی درخواست کی تو حضرتؑ کو اپنے نانا کی پیروی میں اسے منظور ہی کرنا مناسب تھا۔ صحیح بخاری کی یہ روایت پڑھو۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حسنؑ بن علیؑ حضرت معویہ کے مقابلہ پر پہاڑوں کے مثل لشکر لے گئے تھے۔ تو حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معویہ سے کہا۔ میں حسنؑ بن علیؑ کے ہمراہ ایسے جنگی لشکر دیکھ رہا ہوں کہ جب تک وہ اپنے حریفوں کو قتل نہ کریں پیٹھ نہ پھیریں گے تو ان سے حضرت معویہ نے کہا اور خدا کی قسم وہ ان دونوں یعنی معویہ اور عمرو عاص سے اچھے تھے کہ اے عمرو اگر اُن لوگوں نے اِن لوگوں کو قتل کرڈالا اور اِن لوگوں نے اُن لوگوں کو قتل کرڈالا تو پھر میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے کو کون رہ جائے گا۔ اُن کی عورتوں کے انتظام کے لئے میرے پاس کون ہوگا۔ پھر معویہ نے حضرت امام حسنؑ کے پاس دو قریشی مرد عبد الرحمٰن بن سمرہ و عبداللہ بن عامر کو بھیجا اور اُن سے کہا کہ امام حسنؑ کے پاس جاؤ اور اُن پر صلح کی بات چیت پیش کرو۔ اُن سے خوب اچھی طرح کہنا اور اُن کو صلح کی طرف بُلانا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت امام حسنؑ کے پاس گئے اُن سے گفتگو کی اُن سے کہا اور صلح کی طرف انہیں بُلایا تو اُن سے حسنؑ بن علیؑ نے کہا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں ہم نے بہت کچھ مال جنگ کی تیاری میں خرچ کیا ہے اور یہ لوگ اپنے خونوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اب اگر ہم خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو ان لوگوں کی عافیت میں خلل پڑ جائے گا۔ ان دونوں نے کہا کہ معویہ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور یہی آپ سے درخواست اور خواہش کرتے ہیں۔ حضرت امام حسنؑ نے کہا کہ پھر اس بات کا ذمہ دار کون ہوگا۔ کہ ان

لوگوں کی عافیت اور معاش کا انتظام عمدہ طور پر ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے اس کے ذمہ دار ہیں۔ پس جو بات اُن سے حضرت اُن حضرت حسنؑ نے کہی انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا حضرت امام حسنؑ نے حضرت معویہ سے صلح کر لی۔ (ترجمہ صحیح بخاری از مرزا حیرت دہلوی جلد ا ص۳۴۷)۔

ایک طرف معویہ کی یہ درخواست تھی۔ دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے سامنے حضرت رسول خدا صلعم کی مشہور پیشین گوئی تھی کہ امام حسنؑ کے بارے میں حضرتؐ نے فرمایا تھا یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا (ترجمہ صحیح بخاری جلد ا ص۳۴۷) پس کیا حضرت امام حسنؑ سے یہ ہو سکتا تھا۔ کہ حضرت صلح کی درخواست نامنظور کر کے حضرت رسول خداؐ کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیتے؟ بلکہ حضرتؑ کا تو فرض تھا۔ کہ جس طرح ہو حضرت رسول خدا صلعم کی پیشین گوئیوں کی تصدیق ہی کریں اور ذرہ برابر اس کے خلاف نہ ہونے دیں۔ اس وجہ سے بھی آپ صلح کر لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ غرض جو لوگ حضرتؑ پر اعتراض کرتے ہیں۔ انہیں اسی طرح حضرت رسول خدا صلعم پر بھی اعتراض کرنا چاہیئے کہ کیوں حضرتؐ نے خود کفار مکہ سے مشہور صلح حدیبیہ کی اور پھر کیوں اپنے بڑے فرزند حضرت امام حسنؑ کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی کہ آپ کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح ہو جائے گی اور کیوں حضرتؑ سے یہ امید کی کہ یہ معویہ کی درخواست صلح کو منظور کر لیں گے۔

حضرتؑ کی اولاد و ازواج

حضرتؑ کی اولاد آٹھ بیٹے اور ۷ بیٹیاں تھیں (۱) زید بن حسن اور ان کی دو بہنیں ام الحسن اور ام الحسین ایک زوجہ ام بشیر دختر ابو مسعود بن عقبہ سے تھیں۔ (۲) حسن

مثنیٰ بن حسنؑ دوسری زوجہ خولہ دختر منظور فزاریہ سے تھے۔ (۳) عمرو بن حسنؑ وقاسم وعبداللہ تیسری زوجہ سے تھے۔ (۴) عبدالرحمٰن بن حسنؑ چوتھی زوجہ سے تھے۔ حسن اثرم، طلحہ اور ان کی بہن فاطمہ پانچویں زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ سے تھیں۔ (۵) اور حضرتؑ کی دوسری صاحبزادیاں ام عبداللہ و فاطمہ و ام سلمہ و رقیہ مختلف بیویوں سے تھیں۔ (ارشاد ص۲۰۸)

حضرتؑ کے فرزند زید بن حسنؑ بڑے جلیل القدر اور صدقات رسول اللہ صلعم کے متولی بھی تھے۔ ۹۰ سال کی عمر پاکر دنیا سے انتقال کیا۔ خلیفہ بنی امیہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے والی کو آپ کے بارے میں لکھا تھا کہ ان زید ابن الحسن شریف بنی ھاشم ذو سنھم۔ زید حسنؑ خاندان بنی ہاشم کے شریف اور محترم بزرگ ہیں۔ آپ نے سنہ ۱۲۰ھ (سنہ ۷۲۸ء) میں انتقال کیا۔

حسن مثنیٰ

حضرت امام حسنؑ کے دوسرے فرزند جناب حسن مثنیٰ بڑے جلیل القدر، فاضل، متقی، سردار اور صدقات حضرت امیرالمومنینؑ کے متولی تھے۔ آپ کی شادی حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی۔ آپ بھی حضرتؑ کے ساتھ کربلا میں آئے۔ خود جہاد کیا۔ آخر زخمی ہوکر گرے تو لوگوں نے سمجھا کہ انتقال کر گئے۔ مگر جان باقی جب شہداء کربلا کے سر ان کے بدن سے جدا کئے جاتے تھے تو معلوم ہوا کہ آپ ابھی زندہ ہیں۔ آپ کے ماموں ابو احسان اسماء نے آپ کو عمر بن سعد سے لے لیا۔ کوفہ میں لاکر علاج کرایا۔ اور آپ صحیح ہوکر مدینہ واپس تشریف لائے پھر وہیں رہتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے کب، اور کس عمر میں انتقال کیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ کو پوشیدہ زہر دلوایا جس سے آپ نے ۳۵ سال کی عمر میں غالباً ۸۶ھ ہجری میں انتقال کیا اور بعض کا قول ہے کہ خلیفہ سلیمان

بن عبدالملک نے زہر دلوا دیا اور آپ نے ۵۲ سال کی عمر میں ۹۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔ آپ کی وفات کا صدمہ آپ کی زوجہ محترمہ یعنی حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ کو اس قدر ہوا کہ آپ کی قبر پر خیمہ نصب کر کے سال بھر تک وہیں پڑی رہیں۔ شب بھر عبادت خدا بجا لاتیں اور دن بھر روزہ رکھتیں۔ آپ کے حسن و جمال کے بارے میں لکھا ہے۔ کانت تشبہ بالحور العین لجمالہا۔ آپ حسن و جمال میں حور عین کا مشابہ تھیں۔ غرض پورے سال بھر تک شوہر کی قبر پر سوگواری کی اور جب دوسرا سال شروع ہوا تو اپنے خیمے وہاں سے اٹھوا دیئے اور وہاں سے واپس گئیں۔ (ارشاد ص۲۱۱ وغیرہ)

حضرتؑ کے تیسرے چوتھے اور پانچویں صاحبزادے عمرو۔ قاسم و عبداللہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ اور چھٹے فرزند عبدالرحمن اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کے ساتھ حج کرنے گئے تو راہ میں بمقام ابواء حالت احرام میں انتقال کر گئے اور ساتویں بیٹے حسین اثرم اور آٹھویں فرزند طلحہ بھی بڑے معزز و محترم تھے۔ حضرت امام حسنؑ کی صاحبزادیوں میں جناب فاطمہ بڑی جلیل القدر تھیں۔ ان کی شادی حضرت امام زین العابدینؑ سے ہوئی تھی جن سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے۔

جناب محمد نفس زکیہ و جناب ابراہیم

امام حسنؑ کے دوسرے فرزند حسن مثنیٰؑ کے پوتوں جناب نفس زکیہ و جناب ابراہیم کا واقعہ بھی اسلامی تاریخ میں خونی حرفوں سے لکھا ہوا ہے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی اولاد مدینہ میں عزلت گزینی اور عسرت میں بسر کرتی اور سلطنت بنی امیہ و بنی عباس کے معاملات سے الگ تھلگ ہو کر علمی اور مذہبی خدمات میں مشغول رہتی تھی۔ خصوصاً ائمہ اہلبیتؑ صرف اپنے جد بزرگوار حضرت رسول خدا کے دین کو فروغ دینے اور خلق خدا کو ہدایت کرنے کے کام میں لگے رہتے تھے مگر باوجود ان کی تنگ دستی

کے ان کے اہل شہر ان کی اس قدر تعظیم کرتے تھے۔ کہ کسی اور کی نہیں ہوتی تھی۔ اس سبب سے خلفاء بنی عباس برابر ان کے قتل کے درپے ہوتے تھے۔

۱۳۲ سنہ ہجری میں بنی اُمیہ کا زمانہ ختم اور بنی عباس کا دور شروع ہوا مگر دونوں خاندان کے خلفاء کو خواہ مخواہ اولاد امام حسینؑ سے کھٹکا لگا رہتا تھا۔ کہ کہیں لوگ اُن کے گرویدہ ہو کر اُن کو خلیفہ نہ بنالیں۔ اس سبب سے وہ ان کی رسوائی اور تخریب کے درپے رہتے۔ خاصکر خاندان بنی عباس کا دوسرا بادشاہ منصور نوان حضرات کے خون کا سخت پیاسا رہتا تھا۔ اُس کے سادات سے سخت دشمنی کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ کہ جس زمانہ میں بنی امیہ کی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ بنو ہاشم نے ایک جلسہ کر کے امام حسنؑ کے فرزند جناب حسن مثنیٰ کے صاحبزادے عبداللہ کے بیٹے محمد کو (جو امام حسنؑ کے پروتے اور جناب حسن مثنیٰ کے پوتے تھے اور) جو اپنی نیک سیرتی کی وجہ سے نفس زکیہ کہے جاتے تھے خلیفہ منتخب کر لیا تھا اور خود منصور نے جو اُس جلسہ میں شریک تھا۔ اُن کی بیعت کر لی تھی۔ مگر حضرت امام جعفر صادقؑ اس جلسہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ اس جلسہ کے خلاف تھے۔ جب ساز باز سے خلافت بنی عباس میں آ گئی اور منصور بادشاہ ہوا تو اس بیعت کا خیال کر کے اُسے اور بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ پس اُس نے جناب نفس زکیہ اور اُن کے بھائی ابراہیم کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھ نہ آئے تو منصور نے اُن کے والد عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو ۱۴ دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ پابجولاں کوفہ میں بلا کر قید کر دیا اور محمد و ابراہیم کی تلاش میں جا بجا جاسوس مقرر کر دیئے۔ مجبور ہو کر جناب نفس زکیہ نے اپنے بھائی ابراہیم کو کوفہ اور اہواز کی طرف بھیج دیا کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی طرف کریں اور کہا کہ اسی روز میں بھی مدینہ میں ایسا ہی کروں گا۔

مگر اتفاق ایسا ہوا کہ جناب نفس زکیہ کو اپنے بھائی ابراہیم کی تیاریوں کے مکمل
ہونے سے پہلے ہی اعلان کرنا پڑا اور اس طرح منصور کو پہلے ایک بھائی سے اور
پھر دوسرے بھائی سے لڑنے کا موقع مل گیا۔ اولاً جناب نفس زکیہ نے زور پکڑ کر منصور کے گورنر
کو مدینہ سے نکال دیا۔ اور حجاز و یمن نے جناب محمد نفس زکیہ کو خلیفہ اسلام
تسلیم کر لیا۔ یہاں تک کہ اہلسنت کے مشہور امام مالک نے بھی جناب محمد
نفس زکیہ کی بیعت کر لی۔ اور ان کی حقیقت دعویٰ کی تائید میں فتویٰ دیئے۔
منصور نے یہ حالت دیکھ کر اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو جناب نفس زکیہ
سے لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ موقع جنگ پر جناب نفس زکیہ کے ساتھ
صرف تین سو آدمی رہ گئے اور ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۵ھ ہجری (۷۶۲ء)
کی لڑائی میں سب کے سب لڑ کر شہید ہو گئے۔ تھوڑے دنوں بعد آپ کے
بھائی ابراہیم بھی جو بصرہ۔ واسط و اہواز وغیرہ پر قابض ہو گئے تھے مقابلے
پر نکلے اور اہلسنت کے مشہور امام ابو حنیفہ صاحب نے بھی ان کی تائید میں
لوگوں کو آمادہ کیا۔ ابراہیم نے ایک بڑی فوج مہیا کر کے بادشاہ منصور
کی فوجوں کو سخت شکستیں دیں۔ مگر آخر کوفہ کے قریب عیسیٰ بن موسیٰ کی
فوج کے مقابلہ میں مقام . . . . باخمری پر ۲۴ر ذیقعدہ ۱۴۵ھ
کو ایک تیر کھا شہید ہوئے۔ اس کے بعد منصور نے اہل بصرہ اور اہل مدینہ پر
جناب محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی مدد کرنے کے جرم میں اپنا غصہ اتارا۔ بصرہ کے
بہت سے آدمی قتل کئے۔ اولاد امام حسنؑ و امام حسینؑ کی جائدادیں ضبط کر
لیں۔ اولاد امام حسنؑ سے بکثرت حضرات کو قتل کیا۔ بہت لوگوں کو زندہ
دیواروں میں چنوا دیا۔ اور بہت سے قید کر دیئے امام مالک تک کو
تازیانے لگوائے اور امام ابو حنیفہ صاحب کو تو قید ہی کر دیا۔ عبداللہ بن
حسن مثنیٰ اور ان کے ہمراہی قیدیوں میں سے بعض کو فوراً قتل کر دیا۔
غرض اولاد امام حسنؑ کے مصائب و آفات سے تاریخ کے اوراق سرخ

ہوئے ہیں۔ اور اس مختصر کتاب (تاریخ ائمہ) میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

حضرت امام حسنؑ کے روضہ کی کرامت

حضرات اہلسنت کے بکثرت معتبر علماء نے لکھا ہے۔ کہ اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے تھے کہ ایک بدمعاش شخص نے حضرت امام حسنؑ کے مزار مطہر پر پائخانہ پھیر دیا۔ اس پر اس کو جنون ہو گیا اور وہ کتوں کی طرح سے بھونکنے لگا اور اسی طرح بھونکتا ہوا مر گیا۔ جب وہ دفن کیا گیا تو اس کی قبر سے بھی کتّے کے بھونکنے کی سی آواز نکلتی رہی (حلیۃ الاولیاء ابو نعیم وارجح المطالب صہ ۲۶۲ ونور الابصار مطبوعہ مصر صہ ۱۲۲)

تیسرا باب ۳

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام

حضرت رسول خدا صلعم کے دوسرے پارۂ جگر۔ حضرت امیر المومنینؑ کے دوسرے فرزند اور جناب سیدہ کے دوسرے لال تھے۔ ۳ یا ۵ شعبان سنہ ۴ ہجری تک جد بزرگوار اور والدہ ماجدہ کے ساتھ سنہ ۴۰ ہجری تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ۔ اور سنہ ۴۹ یا سنہ ۵۰ ہجری تک اپنے برادر عالی قدر کے ہمراہ رہے اسی وقت مسلمانوں کے حقیقی تیسرے امام ہوئے اور سنہ ۶۱ ہجری کی ۱۰ محرم کو کربلا میں شہید ہوئے۔

ولادت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے حمل اور ولادت امام حسنؑ میں ایک طہر کا فاصلہ تھا۔ اور علامہ واقدی کہتے تھے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حمل حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کی پچاس راتوں کے بعد قرار پایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو اصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھا ہے اور نزل الابرار میں علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ سب روایتوں میں قابل ترجیح یہی روایت ہے۔

اسم گرامی ابو احمد عسکری نے کہا ہے کہ یہ نام (حسنؑ و حسینؑ) زمانہ جاہلیت میں کسی کا معلوم نہیں ہوتا۔ اور مفضل نے کہا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دو نام حسنؑ و حسینؑ چھپا رکھے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے دونوں صاحب زادوں کا نام حسنؑ و حسینؑ اور تیسرے فرزند کا نام محسن رکھا۔ اس کے بعد فرمایا میں ان تینوں کے وہ نام رکھتا ہوں جو حضرت ہارون پیغمبرؑ کے بیٹوں کے نام تھے۔ یعنی شبّر۔ شبیر اور مشبّر۔

کنیّت و القاب حضرتؑ کی کنیت ابو عبداللہ اور القاب سیّد طیّب زکی۔ سبط رشید۔ وفی۔ مبارک۔ تابع لمرضات اللہ دلیل علیٰ ذات اللہ۔ شہید اکبر اور سید الشہداء تھے۔ اور حضرتؑ اور آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ حضرت رسول خداؐ کے ارشاد کے مطابق سید اشباب اھل الجنۃ (جوانان اہل بہشت کے سردار) مشہور ہیں۔ اور باتفاق آپ دونوں بزرگ سبطا نبی الرحمۃ (نبی رحمت کے دو نواسے) بھی کہے جاتے ہیں اور حضرت رسول خدا کے کل اہل و اولاد میں یہ دونوں صاحبزادے آپ کو سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھے۔

حضرت رسولؐ خدا سے مشابہت حضرت امام حسنؑ اپنے سینہ سے سر تک اور حضرت امام حسینؑ اپنے سینہ سے پاؤں تک بالکل حضرت رسول خداؐ کے مشابہ تھے۔ حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے۔ کہ حسنؑ و حسینؑ میری دنیا کے بہار ہیں۔

عقیقہ و ختنہ جب حضرتؑ پیدا ہوگئے تو حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور ساتویں روز عقیقہ کیا اور ایک یا دو مینڈھا ذبح کیا اور جناب سیّدہؑ سے فرمایا کہ ان کے بالوں کو وزن کر کے اس کے برابر چاندی خیرات کرو۔ اور ساتویں ہی روز آپ کا ختنہ بھی کرا دیا۔

آیۂ تطہیر کے مصداق

حضرت امام حسین علیہ السلام اہل کساء کے پانچویں شخص ہیں۔ شداد بن عبداللہ کہتا تھا۔ کہ میں نے واثلہ بن اسقع سے سُنا کہ جب امام حسینؑ کا سر (بعد شہادت) لایا گیا تو اہل شام سے ایک شخص نے آپ اور آپ کے والد کو گالیاں دیں۔ تو واثلہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خدا کی قسم میں حضرت علیؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ وجناب سیدہ کو اُس وقت سے برابر دوست رکھتا ہوں۔ جب سے میں نے حضرت رسول خداؐ کی ان کے متعلق حدیثیں سنیں۔ میں ایک دن نبی صلعم کے حضور میں ام سلمہ کے مکان پر گیا تھا۔ اتنے میں حضرت حسنؑ آئے انہیں رسولِ خدا صلعم نے اپنے داہنے زانو پر بٹھا لیا اور پیار کیا۔ پھر حضرت امام حسینؑ آئے تو انہیں حضرتؐ نے اپنے بائیں زانو پہ بٹھا لیا۔ اور پیار کیا۔ پھر حضرت فاطمہؑ آئیں۔ انہیں حضرتؐ نے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلایا۔ بعد اس کے فرمایا۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ اے میرے اہلبیت! خدا کا ارادہ برابر یہی رہتا ہے۔ کہ تم لوگوں سے ہر برائی دور کئے رہے اور جس قدر ہو تم لوگوں کو پاک و پاکیزہ رکھے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صہ ۲۶) اس قسم کی متعدد حدیثیں صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ۔ کنز العمال وغیرہ میں بھی ہیں۔

حضرتؑ کی عبادت

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی پچیس حج پاپیادہ کئے اور جس قدر حج آپ نے کئے وہ سب عراق جانے سے پہلے کئے۔ عراق سے آپ نے کوئی حج نہیں کیا۔ عراق سے آنے کے بعد صرف بیس سال اور چند مہینے زندہ رہے۔ آپ عراق سے مدینہ ۴۱ھ ہجری میں آئے تھے۔ اور شروع ۶۱ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ آپ بہت ہی بزرگ۔ زیادہ روزہ رکھنے والے نماز پڑھنے والے اور حج و صدقہ اور تمام امور خیر کے زیادہ بجالانے والے

تھے۔ آپ کی قبر مشہور ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۷) نماز کی حالت واقعات کربلا سے ظاہر ہے کہ ایسی عبادت آج تک کسی نے بھی نہیں کی۔

حضرتؑ کی منزلت عیزار ابن حریب سے روایت ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر کعبۃ اللہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ راستے میں حضرت امام حسینؑ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو کہا آج کے دن یہ شخص اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۵) اس سے زیادہ جناب ابوہریرہ کا قول ہے۔ ایک جنازہ میں بہت سے لوگ جاتے تھے۔ مشہور صحابی ابوہریرہؓ بھی تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی تشریف لے گئے تھے۔ راہ میں ابوہریرہ اپنے کپڑوں سے حضرت امام حسینؑ کے پاؤں کی گرد جھاڑنے لگے تو حضرتؑ نے فرمایا اے ابوہریرہ تم میرے پاؤں جھاڑتے ہو؟ اس کے جواب میں ابوہریرہ نے کہا دعنی منک فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقہم اے حضرتؑ آپ مجھے چھوڑ دیجئے اور اس کام سے نہ روکیے۔ آپ کے فضائل و مناقب جس قدر مجھے معلوم ہیں وہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو لوگ آپ کو پیدل چلنے ہی نہ دیں بلکہ اپنے کاندھوں پر لیے پھریں۔ (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۳ صفحہ ۱۹) اس سے ثابت ہوا کہ حضرتؑ کے کل فضائل لوگوں کو معلوم نہیں ہیں۔

حضرتؑ کے بارے میں خلیفہ دوم کا قول مذکورہ بالا اقوال سے زیادہ اہم حضرت عمر کا قول ہے حضرت امام حسینؑ بیان فرماتے تھے، کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے پاس گیا، دیکھا کہ وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے ہیں یہ دیکھ کر میں منبر پر چڑھ گیا۔ اور کہا میرے ... باپ کے منبر پر سے اتر جایئے اور اپنے

منبر پر جا کر بیٹھے جو آپ کے باپ کا ہو۔ حضرت عمر نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے۔ پھر انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور جب اس سے اترے تو مجھے بھی اپنے ساتھ اپنے گھر لیتے گئے۔ وہاں پہنچ کر پوچھنے لگے کیوں جی یہ بات تم کو کس نے سکھائی تھی۔ میں نے کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں سکھائی (میں نے خود اپنے دل سے کہی) تب حضرت عمر بولے میرا باپ تم پر فدا ہو جائے۔ تم کبھی کبھی میرے ہاں آیا کرو۔ اس پر میں ایک دن ان کے ہاں گیا مگر معلوم ہوا کہ معویہ اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں۔ حضرت عمر کے بیٹے دروازے پر تھے۔ وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہنے لگے صاحبزادے! تم میرے ہاں آئے نہیں ہیں نے کہا میں تو آیا تھا۔ مگر آپ اور معویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے تو میں بھی عبداللہ بن عمر کے ساتھ واپس گیا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا میرے لڑکے سے زیادہ تمہارا حق ہے۔ فانما انبت ما تری فی روسنا اللہ ثم انتم۔ کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال تک صرف خدا کے فضل اور آپ حضرات (اہلبیت طاہرینؑ) کے طفیل ہی ہیں پیدا ہوا ہے۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۲۵ وکنز العمال جلد ۷ ص ۲۵ وازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۸۰ وغیرہ) جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر کا دلی اعتقاد یہ تھا کہ حضرت حسنؑ و حسینؑ وغیرہ خدا کے ایسے پیارے بندے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو خدا دنیا کو پیدا نہیں کرتا۔ حضرت انہیں حضراتؑ کے طفیل میں دوسرے بھی پیدا ہوئے اور حضرت عمر کا رویاں رویاں تک انہیں حضراتؑ کے برکات وجود کا ممنون احسان ہے۔ اور ممدوح نے اپنے اس اعتقاد کو حضرت امام حسینؑ کے سامنے ظاہر بھی کر دیا۔

جناب ابن عباس کا برتاؤ جناب ابن عباس حضرت رسول خدا صلعم کے چچازاد بھائی اور بڑے جلیل القدر

صحابی تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؑ سوار ہونے لگے تو انہوں نے حضرتؑ کی رکاب پکڑ کر حضرتؑ کو سوار کیا۔ اس پر کسی نے کہا اے ابن عباس آپ رشتے اور عمر دونوں میں امام حسینؑ سے بڑے ہیں۔ پھر آپ ان کے سامنے ایسی ذلت برداشت کرتے ہیں؟ اس پر وہ بگڑ کر بولے یا لکع وما تدری من ھذان ابنا رسول اللہ اولیس مما انعم اللہ بہ علی ان امسك لهما واسوی علیهما۔ اے کم بخت تجھے کیا معلوم کہ یہ دونوں بزرگ کون ہیں۔ یہ دونوں حضرت رسول خدا صلعم کے فرزند ہیں ان کے طفیل میں خدا نے جو نعمتیں مجھے دی ہیں ان کے مقابلے میں کیا میں ان کی رکاب بھی نہ پکڑوں اور انہیں گھوڑے پر سوار بھی نہ کروں۔ (ناسخ جلد ۶ ص ۲۵۴)

حضرتؑ کی سخاوت

مشہور صحابی رسول اسامہ بن زید ایک دفعہ بیمار ہوئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ پہنچے تو سنا کہ وہ کہتے ہیں واغماہ ہائے میرا غم واندوہ۔ امام حسینؑ نے پوچھا اے بھائی تمہیں کس بات کا غم ہے؟ انہوں نے کہا اپنے قرض کا جو ساٹھ ہزار درہم ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کچھ غم نہ کرو میں اسے ادا کر دوں گا۔ انہوں نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے ادا کرنے سے پہلے میں مر جاؤں گا اور یہ بوجھ لے کر دنیا سے جاؤں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تمہاری زندگی ہی میں اسے ادا کر دوں گا۔ غرض حضرتؑ نے ان کے مرنے سے قبل ان کا پورا دین (ساٹھ ہزار درہم) ادا کر دیا۔

ایک دفعہ کوئی دیہاتی عرب شہر مدینہ میں آ کر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہاں سب سے زیادہ کریم کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت امام حسینؑ۔ وہ گیا تو حضرتؑ کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ حضرتؑ کی بغل میں کھڑا ہو کر حضرتؑ کی مدح میں شعر پڑھنے لگا۔ حضرتؑ نے نماز سے سلام پھیرا تو قنبر سے پوچھا کہ مال حجاز سے کچھ بچا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں چار ہزار اشرفیاں۔ حضرتؑ نے

سب منگاکر دو جاؤں میں باندھ دیں اور دروازے سے ہاتھ بڑھاکر اس دیہاتی عرب کو وہ کل اشرفیاں دیدیں اور شرم کی وجہ سے اس کے سامنے نہیں آئے بلکہ حضرت کے اشعار پڑھے، دیہاتی عرب آپ سے کل اشرفیاں لے کر رونے لگا۔ حضرتؑ نے یہ دیکھ کر فرمایا تو میرے مال کو کم سمجھ کر روتا ہے؟ اس نے کہا نہیں یا حضرتؑ بلکہ یہ خیال کرکے روتا ہوں کہ مٹی حضرتؑ کے وجود کو کس طرح کھائے گی۔

ایک شخص شعیب خزاعی بیان کرتا تھا کہ حضرت امام حسینؑ جب کربلا میں شہید ہو چکے تو آپ کی پیٹھ میں بہت سے گھٹے ملے۔ لوگوں نے امام زین العابدینؑ سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ حضرت اپنی پشتِ مبارک پر غلوں اور روپیہ اشرفیوں کی گٹھڑیاں لادکر بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ انہیں کے گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔

عبدالرحمٰن اسلمی نے حضرتؑ کے کسی لڑکے کو (جو امام نہیں تھے) بچپن میں سورہ الحمد یاد کرایا تھا جب حضرتؑ نے صاحبزادے سے سُن لیا کہ یاد ہے تو عبدالرحمٰن کو ایک ہزار اشرفیاں۔ ایک ہزار قیمتی خلعتیں دیں اور اس کے مُنہ کو موتیوں سے بھر دیا۔ لوگوں نے عرض کی حضور سے اسے اتنا کیوں دیدیا؟ فرمایا اس نے جو عظیم الشان خدمت کی ہے اس کے مقابلہ میں میرا یہ انعام کیا حقیقت رکھتا ہے!!! (مناقب جلد ۴ ص ۶۶) ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ کی نظروں میں مالِ دنیا کی کوئی حقیقت تھی ہی نہیں۔

حضرتؑ کی حاضر جوابی

ایک دفعہ معویہ، عمرو عاص اور حضرت امام حسین علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے تھے، عمرو عاص نے حضرتؑ کو خفیف اور ذلیل کرنے کے لئے حضرتؑ سے مذاق کرنا شروع کیا۔ کہا اے فرزند علیؑ! یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں کی اولاد زیادہ ہوتی اور آپ لوگوں کی کم ہوتی ہے۔ حضرتؑ نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

بغاث الطیر اکثرها فراخا   وام الصقر مقلاة نزورا

(مگر دو اور حقیر و ذلیل چڑیوں کے بچے کثرت سے ہوتے رہتے ہیں اور شکاری پرندے جیسے باز، شاہین، بحری وغیرہ کی ماں ایک ہی دفعہ جنتی اور قلیل اولاد ہوا کرتی ہے)

پھر عمرو عاص نے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں کی مونچھ کا بال آپ لوگوں کی مونچھ سے بہت پہلے سفید ہو جاتا ہے۔ حضرتؑ نے فوراً جواب دیا وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کی عورتیں گندہ دہن ہوتی ہیں جب تم لوگوں کا منہ اپنی بیویوں کے منہ کے پاس پہنچتا ہے تو ان کے گندے بخارات اور بدبو دار سانسوں کا اثر تمہارے منہ پر پڑ کر اس کو جھلس دیتا ہے جس سے تم لوگوں کے منہ کے بال جلد سفید ہو جاتے ہیں۔ اب عمرو عاص نے پوچھا اور اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں کی ڈاڑھیاں گھنی اور ان کے بال بھرپور رہتے ہیں اور ہم لوگوں کی ڈاڑھی کے بال اچٹے ہوئے رہتے ہیں۔ اس پر حضرتؑ نے فوراً یہ آیت پڑھ دی

والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ والذی خبث لا یخرج الا نکدا (عمدہ زمین سے اس کا سبزہ اچھا ہی نکلتا ہے اور جو زمین بھدی اور خبیث ہوتی ہے اس کی پیداوار بھی خراب ہی ہوتی ہے (پ ۸ ع ۱۴) ابھی یہیں تک باتیں ہوئی تھیں کہ حضرتؑ کی فصاحت و بلاغت سے پریشان ہو کر معویہ نے عمرو عاص سے کہا تم کو میرے حق کی قسم اب چپ ہو جاؤ۔ جانتے نہیں یہ کون ہیں۔ ارے بھائی یہ علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند ہیں (ان سے کسی بات میں بھی کوئی جیت سکتا ہے ؟) تب حضرتؑ نے یہ شعر پڑھا ؎

ان عادت العقرب عدنا لھا فکانت النعال لھا حاضرۃ

قد علم العقرب واستیقنت ان لالھا دنیا والاخرۃ

(اگر پھر بچھو پلٹے گا تو میں بھی اس کی طرف پلٹوں گا اور اس کو مارنے کے لئے میری جوتی اسی طرح حاضر رہے گی۔ بچھو کو خوب معلوم بلکہ یقین ہے کہ اس کے حصہ میں نہ دنیا ہے اور نہ آخرت ہی۔ (مناقب جلد ۴ ص ۲۵ و بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۴۸)

حضرت کی مناجات

ایک مرتبہ انس بن مالک رات کو حضرتؑ کے ساتھ جا رہے تھے۔ جاتے جاتے حضرت خدیجہ کی قبر پر پہونچے۔ اُسے دیکھ کر حضرت رونے لگے اور انس سے کہا بھائی تم اب اپنے گھر جاؤ (اور مجھے یہیں چھوڑ دو) انس کہتے تھے کہ میں حضرتؑ کے پاس سے کھسک گیا مگر قریب ہی ایک جگہ چھپ کر دیکھنے لگا۔ کہ حضرتؑ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ نے وہاں نمازیں پڑھنی شروع کیں۔ اس کے بعد خدا سے اس طرح مناجاۃ کرنے لگے ۔

یا رب یا رب انت مولاہ — فارحم عبیدا الیک ملجاہ
یا ذا المعالی علیک معتمدی — طوبیٰ لمن کنت انت مولاہ
طوبیٰ لمن کان خائفا ارقا — یشکو الی ذی الجلال بلواہ
وما بہ علۃ ولا سقم — اکثر من حب المولاہ
اذا اشتکیٰ بثہ وغصتہ — اجابہ اللہ ثم لباہ
اذا ابتلی بالظلام مبتھلا — اکرمہ اللہ ثم ادناہ

(اے میرے رب۔ اے میرے رب تو ہی میرا آقا اور مولا ہے۔ پس تو اپنے اس حقیر بندے پر رحم فرما جو تیری پناہ چاہتا ہے۔ اے بلندیوں والے تجھ ہی پر میرا پورا بھروسا ہے۔ جس کا تو مولا ہو گیا اس کی خوش قسمتی کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ جو بندہ ہوشیار اور بیدار رہے اور تجھ ہی ایسے ذوالجلال والاکرام سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کرے وہ کیسا مبارک اور نیک بخت ہے۔ اس کو کوئی شکایت اور مرض اپنے مولا کی محبت سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جب وہ اس سے اپنے غم واندوہ کی شکایت کرے تو فوراً اللہ اس کی دعا قبول کرلے تو اللہ اس کی عزت بڑھا دے اور اس کو اپنے دربار میں مقرب کرے۔

حضرتؑ کی مناجات ابھی یہیں تک پہونچی تھی کہ خدا کی طرف سے ہاتف

غیبی نے اس طرح جواب دیا ہے

لبیک عبدی وانت فی کنفی ۔ وکلما قلت قد علمناہ
صوتک تشتاقہ ملائکتی ۔ فحسبک الصوت قد سمعناہ
دعاءک عندی یجول فی حجب ۔ فحسبک الستر قد سفرناہ
لو ہبت الریح من جوانبہ ۔ خرصر یعا لما تغشاہ
سلنی بلا رغبۃ ولا رہب ۔ ولا حساب انی انا اللہ

(اے میرے بندے میں تیرے لئے حاضر ہوں تو میری خاص بارگاہ میں داخل ہوگیا اور جو کچھ تو نے کہا وہ سب میں نے سن لیا۔ تیری آواز اتنی پیاری ہے کہ میرے فرشتے اس کے مشتاق رہتے ہیں۔ تو نے اپنی آواز سے اس وقت جو مناجات کی وہ سب میں نے خوب سن لی۔ تیری دعا میرے ہاں حجابوں میں جولانیاں کر رہی ہے۔ تو نے جو دعا کی اس قدر کافی ہے۔ میں نے تیرے اوپر سے تردد کے پردے ہٹا دیئے۔ اگر اس کے اطراف وجوانب سے ہوائیں چلیں تو لوگوں پر اس سے ایسی کیفیت طاری ہو جس سے وہ غش کھا کر گر پڑیں۔ تجھ کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے بغیر کسی بات کی پروا یا خوف یا حساب (کے خیال) کے مانگ لے۔

حضرت کی شہادت کی پیشین گوئیاں

جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے امام حسنؑ کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ لوگ اس کو مجبور کریں گے تو اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہو جائے گی۔ اسی طرح خدا ورسولؐ نے حضرت امام حسینؑ کے بارے میں بھی پیشین گوئی کی تھی کہ حضرتؑ کی امت آپ کو قتل کر ڈالے گی مثلاً مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک بی بی ام الفضل بنت حارث ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس گئیں اور کہا اے رسول خدا میں نے آج کی رات ایک برا خواب دیکھا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کیا

دیکھا۔ کہا یا حضرتؐ وہ بہت سخت ہے حضرتؐ نے فرمایا سنوں بھی تو کہ کیا دیکھا انہوں نے کہا ،میں نے دیکھا کہ گویا آپ کے بدن مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو میری بیٹی فاطمہؑ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں رہے گا۔ غرض جناب فاطمہؑ کے ہاں حسینؑ پیدا ہوتے اُور میری گود میں رہنے لگے اور ویسی ہوا جو حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد میں حسینؑ کو لیکر آں حضرتؐ کے ہاں گئی اور انہیں حضرتؐ کی گود میں رکھ کر دوسری طرف متوجہ ہوگئی۔ اب جو مڑی تو دیکھا کہ حضرت رسول خداؐ کی دونوں آنکھوں سے آنسو کے دو دریا جاری ہیں۔ ام الفضل نے کہا اے رسولؐ خدا آپ پر میرے باپ ماں فدا ہوں آپ روتے کیوں لگے ہیں؟ فرمایا ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے خبر دی کہ میری اُمت بہت جلد میرے اس فرزند کو قتل کر دے گی۔ میں نے کہا یا حضرتؐ کیا اس فرزند کو؟ حضرت نے فرمایا ہاں اور وہ میرے پاس ان کی قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے تھے (مشکوۃ مطبوعہ لاہور جلد ۸ صفحہ ۱۴۰) اس قسم کی پیشین گوئیاں بہت کثرت سے ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ آں حضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر تھی اور حضرت دوسروں کو بھی اس سے مطلع فرماتے تھے۔

بیعت یزید کے لئے معویہ کی کوشش

حضرت امام حسنؑ کو معویہ نے بار بار زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔ اور اسی وقت سے اس کی کوشش کرنے لگا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنا دے۔ تمام بخت و پز کر کے اس نے پہلے اہل شام سے پھر اہل عراق سے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے لی اور ۵۶ھ ہجری میں ہزار سواروں کی جمعیت سے حجاز کی جانب روانہ ہوا۔ مدینہ کے قریب پہونچا تو پہلے امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو دیکھ کر معویہ نے کہا خوشی اور بھلائی نہ ہو اس شتر قربانی کو جس کا خون بھڑک رہا ہے اور

اللہ اس کا خون بہانے والا ہے۔ امام حسینؑ نے کہا اے معویہ خدا کی قسم میں ایسے کلمات کا سزاوار نہیں ہوں۔ معویہ نے بدزبانی کی اور کہا بلکہ اس سے بدتر کلمات کے سزاوار ہو۔ بعد ازاں مدینہ میں پھر مکہ میں جاکر اور لوگوں کو تلوار کا خوف دلا کر جبراً بیعت لے لی۔ مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کے استقلال میں کسی قسم کا فرق نہیں ہونے پایا۔

اروےٰ بنت حارث اور معویہ کی گفتگو

اس زمانے میں تقریباً ہر شخص معویہ سے نفرت کرتا اور منہ پر اُس کو ظالم و غاصب کہہ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک معظمہ اروےٰ جو حارث کی بیٹی تھیں (اور بہت بوڑھی ہو چکی تھیں) معویہ کے پاس آئیں اور اُن سے اور معویہ سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔ معویہ۔ مرحبا اے خالہ۔ کہو کیسی ہو۔

اروےٰ۔ اے بھانجے اچھی ہوں۔ تو نے کفرانِ نعمت کر کے اپنے ابن عم (حضرت علیؑ) کے ساتھ بدی کی۔ اور اپنے لئے تو نے وہ لقب اختیار کیا جس کا تو اہل نہیں ہو سکتا۔ اور اہلبیتؑ سے وہ حق لے لیا جس کا تو مستحق نہیں تھا۔ اے معویہ اس دین میں مصائب و آفات کے لحاظ سے اہلبیت رسولؐ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جب خدا نے رسول مقبولؐ کو اپنے پاس بلا لیا تو ان کے بعد بنی تیم اور بنی عدی (یعنی خاندان ابوبکر و عمر والے) اور بنی امیہ نے جھپٹ کر خاندانِ رسولؐ سے ان کا حق چھین لیا۔ اور تم لوگ ہم پر حاکم بن بیٹھے۔ حالانکہ اہلبیتؑ کا مرتبہ تم سب میں ایسا تھا۔ جیسا بنی اسرائیل کا مرتبہ آل فرعون میں اور حضرت رسول خداؐ کے ساتھ حضرت علیؑ کی وہ منزلت تھی جو حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کی تھی۔ یہ سُن کر معویہ کے وزیر عمرو عاص نے کہا

عمرو عاص۔ اے گمراہ ضعیفہ چپ رہ اور بیہودہ گوئی ختم کر۔ تیری عقل

سلب ہو گئی ہے۔

اروی:۔ اے زن باغیہ کے فرزند! تو مجھ سے باتیں کرنے کی جرأت کرتا ہے؟ اور اپنی حقیقت کو نہیں دیکھتا کہ تیری ماں مکہ میں مشہور زناکار عورت تھی اور سستی اجرت پر اپنی عصمت و حرمت بیچا کرتی تھی۔ چنانچہ تجھ پر پانچ مردوں نے دعویٰ کیا تھا۔ اور اُن میں سے ہر شخص تجھے اپنا (ہی) بیٹا کہتا تھا۔ آخر کار تیری ماں سے پوچھا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ مجھ سے ان پانچوں (مردوں) سے تعلق رہتا تھا اب پانچوں شخصوں کی صورت سے اس لڑکے کی صورت ملاؤ اور جس سے مشابہ پاؤ اُس کا بیٹا قرار دے دو۔ تب تو عاص بن وائل کے ساتھ زیادہ مشابہ ہونے کی وجہ سے اُس کا لڑکا قرار دیا گیا۔

(اروی کا یہ کلام سن کر)

معویہ:۔ گزشتہ باتوں کا ذکر نہ کرو۔ اللہ نے اس کو معاف کر دیا۔ (تاریخ ابو الفدا جلد صـ ۱۸۸ وروضۃ المناظر جلد ا صـ ۱۳۴ برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۱۱ صـ ۱۳۴)

حضرت امام حسینؑ پر یزید کی سختی

ماہ رجب ۶۰ھ ہجری میں معویہ نے انتقال کیا اور یزید خلیفہ ہوا۔ جو ظالم بے رحم۔ دغا باز تھا۔ گانے بجانے، ناچ رنگ۔ اور شراب خواری ہی میں دن رات بسر کرتا تھا۔ اس کے مصاحب کمینہ اور بدکار تھے۔ علماء دین کی توہین اس طرح کرتا کہ جہاں جاتا ایک سجائے ہوئے شامی گدھے پر ایک بندر کو علماء کے ایسے کپڑے پہنا کر ساتھ لئے پھرتا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی مدینہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو فرمان بھیجا کہ حسینؑ ابن علیؑ۔ عبد اللہ بن زبیر اور عبد اللہ بن عمر سے میری بیعت لو۔ اگر انکار کریں۔ تو ان کے سر روانہ کرو۔ عبد اللہ بن عمر نے فوراً بیعت کر لی۔ لیکن ابن زبیر اور امام حسینؑ نے انکار کیا اور حاکم مدینہ کی سختی پر مکہ معظمہ چلے آنے کا ارادہ کیا۔ امام حسینؑ نے

شب کو روضہ رسولؐ پر حاضر ہو کر زیارت پڑھی اور حضرت کی اُمت کے برتاؤ کو ذکر کیا۔ پھر رات بھر نماز میں مشغول رہ کر صبح کو واپس آئے۔ دوسری رات کو پھر گئے۔ اور قبر مبارک پر سر رکھ کر سو گئے۔ خواب میں دیکھا۔ کہ رسول خدا صلعم نے مع جماعت ملائکہ تشریف لاکر امام حسینؑ کا سر اپنے سینے پر رکھا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا بیٹا میں دیکھتا ہوں۔ عنقریب میری امت تم کو کربلا میں قتل کرے گی۔ حضرتؑ نے فرمایا اے نانا مجھے دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ابھی وقت مجھے اپنے ساتھ اس قبر میں رکھ لیجیے۔ حضرتؐ نے فرمایا نہیں ابھی تم کو دنیا میں رہنا ضروری ہے۔ تاکہ درجہ شہادت پر فائز ہو۔ حضرتؑ بیدار ہو گئے۔ تو اب مکہ معظمہ کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور ۲۸ رجب کو مدینہ سے نکل کر اس خیال سے مکہ میں آئے ہے کہ خانۂ خدا میں کسی کو ستانا منع ہے۔ یہاں امن ملے گا۔

. . . .

. . . .

مکہ معظمہ میں ۳ شعبان کو حضرتؑ پہنچ گئے۔ یہاں آکر عبداللہ ابن زبیر تو خلافت حاصل کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہو گئے۔ اور امام حسینؑ کے پاس کوفیوں کے بے شمار خطوط آنے شروع ہو گئے۔ جنہوں نے بنی امیہ کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے اور حضرتؑ کو اپنا امام و پیشوا بنانے کی غرض سے طلب کیا۔ حضرتؑ نے پہلے تو اُن خطوط کا کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر کوفیوں نے حضرت کو لکھا کہ یا ابن رسول اللہؐ ہم بنو امیہ کے ظلم و ستم سے عاجز آگئے ہیں۔ اور یزید کی بدکاریوں اور خلاف شریعت افعال سے بیزار ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ تشریف لاکر ہماری امامت قبول فرمائیں اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو ہم پیش خدا آپ کے گریبان گیر ہوں گے کہ ہم نے امام کو دین کی حفاظت کے لیے بلایا اور وہ نہیں آئے۔ جب

اس مضمون کے بکثرت خطوط پہونچے تو آپ پر کوفہ جانا ضروری ہوگیا۔ کیونکہ اُن لوگوں نے حجت قائم کردی تھی۔ آپ کے بعض اعزہ نے منع بھی کیا۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ مجھے رسول خدا صلعم نے عالم خواب میں ایک حکم دیا ہے۔ اور اس کی تکمیل مجھے ضروری ہے۔ پس آپ نے پہلے اپنے چچیرے بھائی جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا جن کے پہونچتے ہی ۱۸ یا ۳۰ ہزار کوفیوں نے بیعت کرلی۔ پھر ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ ہجری کو حضرتؑ بھی اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر مکہ سے کوفہ روانہ ہوگئے۔ یزید ان حالات سے مطلع ہوا تو ابن زیاد حاکم بصرہ کو تاکید ی

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حکم بھیجا کہ جلد کوفہ جاکر مسلم بن عقیل کو قتل کرے۔ ابن زیاد فوراً کوفہ پہنچا اور لوگوں کو ڈرا کر جناب مسلم سے جدا کرنے لگا۔ ۸ ذی الحجہ تک سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ۹ ذی الحجہ کو آپ نے تن تنہا لشکر ابن زیاد سے یادگار جنگ کی۔ تین ہزار کے لشکر نے آپ کی جائے قیام کو گھیر لیا۔ اُس پر آپ تلوار لے کر ٹوٹ پڑے اور سب کو بھگا دیا۔ دوبارہ وہ لوگ حملہ آور ہوئے آپ نے پھر حملہ کرکے سب کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ آپ ایسے قوی تھے۔ کہ ابن زیاد کے سپاہیوں کی کمر ہاتھ سے پکڑ کر آسمان کی طرف پھینکتے اور وہ مثل گیند کے گرتے تھے۔ جس طرف حملہ کرتے ابن زیاد اس طرح بھاگتا جس طرح شیر کے حملہ سے بکریاں بھاگتی ہیں [۱]

جب کسی طرح وہ لوگ مقابلہ پر نہ جم سکے تو دھوکا فریب کی صورت

---

[۱] جناب مسلم کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ملی تو ہتھیار لگا کر باہر نکل آئے اور مثل شیر اُس فوج پر حملہ آور ہو کر ۔ ۔ سب کو قتل کرنے لگے۔ تب سردار

نکالی راہ میں ایک گڑھا کھود کر اس کو خس و خاشاک سے پاٹ دیا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ جناب مسلم کو گڑھے کی خبر نہیں تھی۔ لڑتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے کہ اسی گڑھے میں گر گئے۔ پھر کیا تھا۔ فوج آپ پر ٹوٹ پڑی۔ لوگ مشکیں باندھ کر دربارِ ابن زیاد میں لے گئے۔ پھر اس کے حکم سے آپ کو کوٹھے پر لے گئے قتل کر کے سر کاٹ لیا۔ اور دھڑ کو کوٹھے سے نیچے گرا دیا۔ یہ واقعہ ۹ ذی الحجہ سنہ۶۰ہجری کا ہے۔ اس کے بعد آپ کے دونوں مظلوم بچے محمد اور ابراہیم بھی قتل کر دیئے گئے۔ حضرت امام حسینؑ کو جو بتاریخ ۸ ذی الحجہ عراق کی طرف روانہ ہو گئے تھے اِن واقعات کی اطلاع مقام ثعلبیہ میں ہوئی جو کوفہ سے قریب تھا۔ جب کوفہ دو منزل باقی رہ گیا تو ابن زیاد کا سردارِ فوج حُر بن یزید ریاحی دو ہزار سواروں کے ساتھ پہونچ کر امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا اور کہا۔ میں آپ کو گرفتار کر کے کوفہ لے چلنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ غرض حُر کے ساتھ حضرتؑ آگے بڑھے تو راہ میں ابن زیاد کا خط حُر کے نام اس مضمون کا آیا کہ حسینؑ کو ایسی جگہ روکو۔ جہاں پانی نہ ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳

فوج نے ابن زیاد سے کمک طلب کی۔ اس نے کہلایا میں نے تجھ کو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ صرف ایک شخص کو گرفتار کرنے کو بھیجا اور اس نے تم سب کو اس طرح تہ و بالا کر دیا۔ تو سردار فوج نے ابن زیاد کے ہاں کہلایا کہ کیا تو نے مجھے کسی بقال یا حلوائی سے لڑنے کو بھیجا ہے تجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھے اس شیر ببر کے مقابلے کو بھیجا ہے۔ جو اپنی تیغ براں سے بڑے بڑے بہادروں کا خون گرا دیتا ہے۔ (روضۃ الشہداء)

(چنانچہ حضرتؑ کربلا میں ۲/ محرم ۶۱ھ ہجری کو اتر پڑے۔ دوسرے یا تیسرے دن عمر بن سعد کوفہ سے بہت بڑی فوج کے ساتھ کربلا پہونچا۔ پھر شمر بھی آ پہنچا اور ساتویں سے عمرو بن الحجاج بڑی فوج کے ساتھ گھاٹ پر اس غرض سے مقرر کیا گیا۔ کہ وہ لوگ امام حسینؑ اور ان کے ساتھ والوں کو پانی لے جانے سے روکیں۔ غرض امام حسینؑ پر ہر ساعت ظلم و تعدی بڑھتی گئی۔ بچے پیاس سے تڑپنے لگے مگر کسی کو رحم نہیں آتا تھا۔ جناب زینبؑ و ام کلثوم بھائی کے مصائب پر سخت پریشان تھیں۔ مگر حضرت امام حسینؑ نہایت استقلال سے اسلام کی حفاظت پر آمادہ تھے۔ بار بار ابن زیاد اور عمر سعد کی طرف سے پیغام آتا تھا۔ کہ بیعت یزید کر لیجئے۔ تو ہر مصیبت سے نجات ملے مگر حضرتؑ خدا و رسولؐ کی مرضی کے خلاف کسی طرح نہیں کر سکتے تھے۔ شمر نے کربلا میں پہونچ کر حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو بلا بھیجا اور کہا میں تم کو امان دیتا ہوں۔ جناب عباسؑ نے فرمایا خدا تجھ پر اور تیری امان پر بھی لعنت کرے۔ اے بے حیا تو ہم کو امان دیتا ہے۔ اور فرزند رسولؐ کے لئے امان نہیں؟ پھر واپس چلے آئے۔ ۹ محرم سہ پہر کو عمر سعد اپنی فوج لے کر حضرتؑ کیطرف بڑھا۔ حضرتؑ اپنے خیمے کے آگے سر بزانو بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ حضرت زینبؑ نے لشکر مخالف کی آوازیں سن کر امام حسینؑ کو جگا دیا۔ آپ نے سر اٹھا کر فرمایا اے بہن اس وقت نانا نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ تم ہمارے پاس آ رہے ہو۔ یہ سنتے ہی حضرت زینبؑ نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا ہائے یہ کیا مصیبت ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے بہن کچھ مصیبت نہیں ہے۔ پھر جناب عباسؑ نے کہا اے بھائی دشمن آ پہونچے۔ حضرتؑ نے فرمایا میں سوار ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر اٹھے مگر جناب عباسؑ نے

غرض

کہ آپ زحمت نہ فرمائیں۔ میں جاتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا اچھا سوار ہو اور جاکر ان سے دریافت کرو کہ کیوں آئے ہو۔ جناب عباس گئے تو وہ لوگ رک گئے اور آپ نے واپس آکر کہا کہ لشکرِ مخالف کہتا ہے۔ یا بیعتِ یزید کرو۔ یا ہم سے لڑو۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر ممکن ہو تو پھر جاکر ان لوگوں سے کل صبح تک کی مہلت مانگو تاکہ آج کی شب ہم لوگ عبادت الٰہی اور دعا و استغفار میں بسر کریں۔ حضرت عباسؑ مکرر گئے۔ شب بھر کی مہلت لے کر پلٹے اور لشکرِ عمر سعد واپس گیا۔ شبِ عاشورا حضرتؑ نے اپنے اصحاب واعزہ کو جمع کرکے فرمایا کہ میں اپنے اصحاب واعزہ سے زیادہ وفادار اور پرہیزگار کسی دوسرے کے اصحاب واعزہ کو نہیں پاتا۔ خدا تم سب کو میری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اب میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں یہاں سے چلے جاؤ کہ دشمن کا مطلب صرف مجھ سے ہے۔ یہ تقریر سن کر حضرتؑ کے بھائی۔ بیٹے۔ بھتیجے۔ بھانجے اور اصحاب نے جانے سے انکار کیا۔ یہاں تک لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر میں یہ جان لوں کہ آپ کی رفاقت میں قتل ہونے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا۔ اور زندہ ہونے کے بعد جلا کر خاک کر دیا جاؤں گا اور اسی طرح ستر بار میرے ساتھ کیا جائے گا تب بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ پر اپنی جان نثار کر دوں۔ اس پر حضرتؑ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر امام حسینؑ کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا۔ اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر زمین میں لکڑی بھر دی تاکہ لڑائی کے وقت وہ جلا دی جائے اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہنچ سکیں (جیسا کہ حضرت رسول خداؐ نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔) پھر امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب تمام رات نماز و استغفار و دعا و تضرع میں مشغول

رہے۔ میدانِ کربلا میں اُس شب ان حضرات کی عبادت کی آواز اس طرح گونجتی رہی۔ جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ ۱۰ محرم (روزِ عاشور) صبح کو لشکرِ ابن سعد نے جس کی تعداد ۲۲ ہزار سے ۳۰ ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ حضرت ؑ کے لشکر پر جس میں ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے یا کچھ زیادہ تھے حملہ کر دیا۔ حضرت ؑ صفِ اعداء کے مقابل آئے اور اُن لوگوں کو بہت سمجھایا کہ کیوں میرا خونِ ناحق بہاتے ہو کئی بار حضرت ؑ نے وعظ و پند کا فرض ادا کیا۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے امام حسین ؑ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی خطیب اور متکلم کو ایسی تقریر کرتے نہیں سُنا جو حسین ؑ کی تقریر سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو۔ (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۴۲) امام حسین ؑ کا خطبہ سُن کر حُر بن یزید ریاحی امام حسین ؑ کی طرف چلے آئے اور اپنے گناہ سے توبہ کی۔ پھر اصحاب امام حسین ؑ یکے بعد دیگرے جہاد کر کے شہید ہوتے رہے مگر شہید ہونے سے پہلے ایک ایک صحابی چالیس پچاس دشمنوں کو قتل کر ڈالتا تھا۔ مثلاً مسلم بن عوسجہ مخالف کے ۵۶ شخصوں کو ہلاک کر کے شہید ہوئے۔ اس کے بعد شمر نے لشکرِ امام حسین ؑ پر بائیں طرف سے حملہ کیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر امام حسین ؑ کے اصحاب نے لشکرِ اعداء سے خوب جنگ کی اور اگرچہ وہ کل ۳۲ سوار تھے مگر جس طرف رُخ کرتے صفِ اعداء کو درہم و برہم کر دیتے تھے یہ حال دیکھ کر عزرہ ابن قیس نے عمر سعد سے کہلا بھیجا کہ تم دیکھتے نہیں ان معدودے چند حسینی لشکر والوں نے ہماری افواج پر کیا آفت برپا کر رکھی ہے۔ اب جلد اور سپاہیوں اور تیر اندازوں کو مدد کے لئے بھیجو۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۵۰)

اصحاب حسین ؑ نے مخالفین سے دوپہر تک ایسی شدید جنگ کی جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ دشمنوں کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ سوائے ایک سمت کے اور کسی طرف سے حملہ کر سکیں۔ پھر شمر نے خیام کی جانب بڑھ کر آواز دی کہ میرے پاس آگ لاؤ تا کہ ان خیموں کو جلا دوں۔ یہ سُن کر مخدراتِ عصمت چلا اُٹھیں تو امام حسین ؑ نے شمر کو للکارا کہ کیا تو میرے خیام اور اہل و عیال کو جلائے گا؟ آخر شمر باز رہا۔ دورانِ جنگ میں نماز ظہر کا وقت آگیا تو ابو ثمامہ صائدی نے حضرت ؑ سے عرض کی کہ میری

خواہش ہے۔ حضور کے ساتھ یہ نماز ادا کر کے میں خدا سے ملاقات کروں۔ یہ سُن کر حضرتؑ نے سر اٹھایا۔ اور فرمایا اللہ تم کو مصلیین ذاکرین کا جزا عطا کرے کہ تم نے نماز کا ذکر کیا۔ بیشک یہی اول وقت نماز کا ہے۔ مخالفین سے کہو کہ ہم کو نماز کی مہلت دیں۔ حصین بن نمیر بولا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ اس پر حبیب ابن مظاہر نے غضب ناک ہو کر حصین کو ڈانٹا تو اس نے حملہ کر دیا۔ جنگ چھڑ گئی اور آخر حبیب شہید ہو گئے جس سے امام حسینؑ بہت ہی شکستہ اور افسردہ ہو گئے۔ پھر حُرؑ اور زہیر بن قین نے دشمنوں سے خوب ہی جہاد کیا۔ یہ دیکھ کر شمر نے آواز دی کہ سب مل کر حُر کو گھیر لیں۔ جس کے بعد وہ گھوڑے سے گرے اور آواز دی کہ اے فرزند رسولؐ اس جان نثار کی خبر لیجیے۔ امام حسینؑ میدان جنگ میں جا کر حُر کو اٹھا لائے اور اُن کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آستین سے ان کے چہرے کی گرد صاف کرنے لگے۔ حُر میں جان باقی تھی۔ اپنا سر حضرتؑ کی گود میں دیکھ کر خوش ہو گئے اور کہا اے فرزند رسولؐ آپ مجھ سے راضی ہیں؟ امام نے فرمایا میں بھی راضی ہوں اور میرا خدا بھی۔ حُر نے یہ بشارت سُن کر خلد بریں کی راہ لی۔ پھر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ظہر بعنوان صلوٰۃ خوف پڑھی مگر اعداء دین شدید شر کر کے حضرتؑ کی جانب تیر برسانے لگے تو سعید بن عبداللہ اور زہیر بن القین حضرتؑ کے آگے کھڑے ہو گئے کہ جو تیر آتے ان کو اپنے جسم پر لیں امام حسینؑ تک نہ پہونچنے دیں۔ چنانچہ اس قدر تیر سعید بن عبداللہ کے بدن پر لگے کہ وہ گر کر شہید ہو گئے اور زہیر بھی شہید ہوئے۔ اصحاب کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بہادر جہاد کر کے شہید ہونے لگے۔ جن میں حضرت قاسم بن امام حسنؑ بھی تھے۔ باوجودیکہ وہ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔ مگر ۳۰ پیادے اور ۵۰ سوار تہ تیغ کر دیئے۔ یہ حال دیکھ کر اعداء نے ایسی تیر باری کی کہ حضرت قاسم کا گھوڑا بیکار ہو گیا پھر جناب قاسم مجروح ہو کر گرے اور آواز دی اے عم محترم میری خبر لیجیے۔ حضرتؑ شکاری پرند کی طرح جھپٹ کر ان کے پاس پہونچے اور مثل شیر غضبناک حملہ آور ہوئے۔ مگر افسوس

جناب قاسمؑ کی لاش پامال ہو گئی۔ پھر حضرت عباسؑ نے اپنے حقیقی تینوں بھائیوں عبداللہ و جعفر و عثمان کو آمادہ کیا کہ جا کر جہاد کریں اور امام حسینؑ پر اپنی جان فدا کریں۔ تینوں بہادر شہید ہو گئے تو خود حضرت عباسؑ آمادہ ہوئے (آپ کی شہادت کا واقعہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) پھر جناب علی اکبرؑ آمادۂ جہاد ہوئے۔ تو حضرتؑ نے ان کے بدن پر ہتھیار لگائے۔ زرہ اور جوشن پہنایا۔ حضرت علیؑ کا کمر بند زیب کمر کر کے خود فولادی سر پر رکھا اور اسپ عقاب پر سوار کیا۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے خدا تو گواہ رہنا اب ان سے لڑنے کو وہ جوان جاتا ہے جو صورت، سیرت رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا اور میں جب حضرتؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس جوان کو دیکھ لیتا تھا غرض آپ میدان کارزار میں پہونچے۔ آپ کی عمر اس وقت ۱۸ سال کی تھی چہرہ آفتاب ایسا تھا۔ میدان قتال آپ کے نور جمال سے منور ہو گیا۔ آپ فوج میں گھس پڑے اور اپنے دادا علی مرتضیٰ کی شان سے لڑنا شروع کیا جس طرف رخ کرتے کشتوں کے ڈھیر لگا دیتے تھے۔ ۱۲۰ آدمیوں کو قتل کر کے جب پیاس شدید ہوئی تو امام حسینؑ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے اے بابا جان پیاس مجھے مارے ڈالتی ہے اور ہتھیاروں کی گرانی پریشانی کرتی ہے۔ اگر تھوڑا پانی مل جاتا تو اس قوم جفا کار کو اس کے ظلم و ستم کا مزہ چکھا دیتا۔ حضرتؑ نے فرمایا اپنی زبان میرے منہ میں دے دو۔ آپ نے زبان دی اور پھر فوراً کھینچ کر کہا اے بابا آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ پھر دوبارہ میدان جنگ میں جا کر لڑنے لگے۔ عمر سعد نے محکم اور ابن نوفل کو دو ہزار سواروں کے ساتھ آپ سے لڑنے کو بھیجا۔ آپ نے ایسا شدید حملہ کیا کہ وہ سب پسپا ہو گئے۔ اس دفعہ بھی آپ نے ۸۰ شخصوں کو قتل کیا۔ یہ دیکھ کر اشقیاء نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور نیزہ و تیر و شمشیر سے زخمی کرنا شروع کیا۔ آپ زخموں سے چور چور ہو کر گرے اور حضرتؑ کو آواز دی۔ حضرتؑ میدان جنگ میں پہونچے اور بیٹے کی لاش در خیمہ پر اٹھا لائے حضرت فرماتے تھے۔ اے

فرزند! تمہارے بعد زندگانی دنیا پر خاک ہے۔ پھر حضرتؑ اپنے چھوٹے بچے علی اصغرؑ کو لائے اور دشمنوں سے کہا کہ پیاس سے یہ جاں بلب ہے اس کو پانی پلا دو۔ عمر بن سعد نے حرملہ سے کہا۔ امام حسینؑ کی بات کاٹ دے۔ اس نے ایسا تیر مارا کہ علی اصغر امامؑ کے ہاتھ پر تڑپ کر شہید ہو گئے۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اُس ظالم نے پہلے علی اصغرؑ کو تیر مارا پھر خنجر سے ذبح کیا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۱) حضرتؑ نے وہ تیر علی اصغر کے حلق سے کھینچ کر پھینک دیا اور اس طفل معصوم کا خون بطور کفن کے ان کے بدن پر مل کر فرمایا تمہارا مرتبہ خدا کے نزدیک ناقہ صالح سے بڑھ کر ہے (تاریخ یعقوبی) پھر حضرتؑ نے اپنی تلوار سے تھوڑی زمین کھود کر علی اصغرؑ کو دفن کر دیا۔ (روضۃ الصفاء جلد ۳ صفحہ ۱)

اب حضرتؑ نے آواز استغاثہ بلند کی تو امام زین العابدینؑ عصا پر ٹیکتے اور تلوار کھینچتے ہوئے بے اختیار خیمہ سے نکل پڑے مگر حضرتؑ نے دیکھ لیا تو اپنی بہن ام کلثوم سے فرمایا ان کو پکڑ کر اندر لے جاؤ ایسا نہ ہو کہ نسل آل محمدؐ سے دنیا خالی ہو جائے۔ جناب ام کلثوم کسی طرح آپ کو خیمہ میں واپس لے گئیں۔ حضرتؑ نے پھر استغاثہ بلند کیا تو اب حضرتؑ کے بھتیجے عبداللہ بن امام حسنؑ نکل پڑے اور دوڑتے ہوئے چچا کے پاس پہونچ گئے۔ وہاں ایک شقی نے اس بچے کو بھی حضرتؑ کی گود میں ذبح کر ڈالا۔ جب حضرت امام حسینؑ خود جہاد کے لئے آمادہ ہوئے تو ایک پرانا کپڑا منگایا اور اُس کو جا بجا سے چاک کر کے پہنا تاکہ آپ کی شہادت کے بعد دشمن اس کے لئے طمع نہ کریں اتنے میں دشمنوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ لیکن جب امام حسینؑ داہنی جانب والوں پر حملہ کرتے تھے تو اُس پوری جماعت کو تتر بتر کر دیتے تھے اور جب بائیں طرف والوں پر حملہ آور ہوتے تھے تو اُن سب کو مار کر ہٹا دیتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ واللہ میں نے امام حسینؑ سے زیادہ ثابت

قدم اور قوی دل کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جو ہر طرح مغلوب ہو چکا ہو اور جس کے بھائی بھتیجے، عزیز اور رفیق سب قتل ہو گئے ہوں۔ بخدا دشمنوں کی فوج آپ کے حملوں سے داہنے بائیں اس طرح بھاگتی تھی۔ جس طرح بھیڑ یئے کے حملہ کرنے سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۹) اسی اثنا میں حضرت زینبؑ باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں کہ کاش اس وقت آسمان زمین پر گر پڑے۔ اے عمر بن سعد امام حسینؑ قتل ہو رہے ہیں اور تو دیکھتا ہے۔ یہ سن کر عمر بن سعد کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ منہ پھیر کر رونے لگا تھوڑی دیر میں حضرتؑ گھوڑے سے گر پڑے اور غروب آفتاب سے پہلے ہی حضرتؑ کا . . . . سر مبارک جسدِ اطہر سے جدا کر لیا گیا۔ حضرتؑ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے حضرتؑ کا لباس اُتار لیا۔ حتیٰ کہ زیر جامہ تک بدن پر نہ رہنے دیا۔ کل مال و متاع لوٹ لیا یہاں تک کہ عورتوں کے سروں کی چادریں بھی چھین لیں، پھر امام حسینؑ کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ حضرتؑ کے واقعہ شہادت پر مدینہ میں سب سے پہلے حضرت ام سلمہ نے نوحہ و بکا کیا کیونکہ رسول مقبولؐ نے ان کو ایک شیشہ پُر از خاکِ کربلا دے کر فرمایا تھا کہ جس وقت یہ مٹی خونِ تازہ ہو جائے سمجھ لینا کہ حسینؑ شہید ہو گئے۔ چنانچہ جب بروز عاشورا ام سلمہ نے خواب میں رسول اللہؐ کو اس حال سے دیکھا کہ رو رہے ہیں اور حضرتؐ کے سر اور ڈاڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے تو پوچھا یا رسول اللہؐ کیا حال ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میں مقتل حسینؑ پر گیا تھا۔ یہ خواب دیکھ کر جناب ام سلمہ بیدار ہوئیں تو رونے لگیں۔ اور اُس شیشہ کو دیکھا کہ وہ خاک خون ہو گئی تو ام سلمہ نے واحسینا کی صدا بلند کی اور ان کی صدائے واویلا سُن کر عوراتِ مدینہ میں ایسا شورِ ماتم برپا ہوا کہ کبھی نہیں سُنا گیا تھا۔ (تاریخ یعقوبی)

معتبر مورخین اسلام نے یہ بھی لکھا ہے، کہ واقعہ شہادت کے بعد دو

تین مہینہ تک طلوع آفتاب کے وقت سے کچھ دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۷) یہ بھی علماء محققین نے لکھا ہے۔ کہ جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے خون برس رہا ہے روزِ شہادت امام حسینؑ بیت المقدس میں جو پتھر اُٹھایا جاتا تھا۔ اس کے نیچے خون تازہ نظر آتا تھا۔ (سر الشہادتین صفحہ ۹۳)

علامہ سیوطی وغیرہ نے آیہ فما بکت علیھم السمّاء کے ماتحت لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔ تو چار مہینے تک آسمان سُرخ رہا۔ عطا کہتے تھے کہ آسمان کے رونے سے اس کے کناروں کا سُرخ ہو جانا مُراد ہے۔ اور جمیل بن مرہ سے روایت ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے اونٹ یزید کے لشکر والے پکڑ لے گئے۔ اور ذبح کرنے کے بعد پکا کر چکھا تو وہ گوشت مثل حنظل کے کڑوا ہو گیا تھا۔ جس کو کوئی بھی کھا نہ سکا۔ (سر الشہادتین صفحہ ۹۵)

بعد شہادت لشکرِ ابنِ سعد نے امام حسینؑ کے خیموں میں آگ لگا دی پھر دو روز وہیں رہا۔ اور اپنے کشتوں کو دفن کیا مگر شہدائے امام حسینؑ کی لاشیں اسی طرح چھوڑ دیں جب وہ کربلا سے روانہ ہو گیا تو نزدیک پاس کے مسلمانوں

... نے ان حضرات کی لاشیں دفن کیں۔ جب عمر سعد مخدراتِ اہلبیتؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ کو قیدی بنا کر اور ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور یہ قافلہ ادھر سے گذرا جہاں امام حسینؑ اور حضرتؑ کے اعزہ و احباب کی لاشیں پڑی تھیں تو جناب زینبؑ وغیرہ ان لاشوں کو دیکھ کر نوحہ و بکا کرنے اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگیں اور فریاد کرتی تھیں کہ اے نانا آپ کا حسینؑ جلتی ریت پر پڑا ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی بنائی گئیں اور آپ کی ذریت مقتول ہوئی۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۳)

یہ قیدی قافلہ کربلا سے چل کر کوفہ میں پہونچا۔ جب دربار ابنِ زیاد میں داخل ہوا تو ابنِ زیاد امام حسینؑ کے سر کو سامنے رکھ کر حضرتؑ کے لب و دندان پر چھڑی لگانے لگا۔ زید بن ارقم صحابی رسولؐ وہاں موجود تھے بگڑ گئےؓ اور کہا اے ابن زیاد اپنی چھڑی ہٹالے واللہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا ہے کہ ان دانتوں اور ہونٹوں پر بوسہ دیتے تھے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۳) ابن زیاد نے یہ بھی کہا کہ خدا نے یزید کو فتح دی اور کذاب بن کذاب حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا۔ یہ سن کر عبداللہ بن عفیف ازدی نے کہا کہ اے مرجانہ کے بیٹے (حسینؑ بن علی کذاب نہ تھے بلکہ) تو خود کذاب تیرا باپ کذاب تیرا وہ (یزید) کذاب اور اس کا باپ کذاب جس نے تجھ کو یہاں کا حاکم بنایا ہے۔ اے ابن مرجانہ تو اولادِ نبیؐ کو قتل کرتا ہے اور صدیقوں ایسی باتیں بتاتا ہے۔ یہ سن کر ابن زیاد نے غصہ میں کہا کہ اس کو میرے پاس پکڑ لاؤ۔ لوگ بیچارے کو پکڑ لے گئے۔ اس نے ان کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا اور امام حسینؑ کے سر کو کوفہ کی گلیوں میں پھرایا۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۴ و کامل جلد ۴ صفحہ ۳۴)

جب امام حسینؑ کا سر مبارک نیزے پر بلند کر کے پھرایا جانے لگا تو ایک جگہ سے گذرا جہاں کوئی شخص سورہ کہف کی تلاوت کرتا تھا۔ جب وہ اس آیۃ پر پہونچا کہ ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا (کیا تم جانتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری قدرت کی عجیب و غریب نشانیوں سے تھے۔) تو خدا نے امام حسینؑ کے سر مبارک کو گویا کیا جس نے فصیح زبان سے کہا: اعجب من اصحاب الکہف قتلی وحملی میرا قتل اور میرے سر کا نیزے پر تمام پھرایا جانا اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ عجیب و غریب ہے (سر الشہادتین صفحہ ۹۹) اس کے بعد ابن زیاد نے امام زین العابدینؑ کو طوق و زنجیر میں جکڑ کر اور مخدراتِ اہلبیتؑ کو شترانِ بے کجاوہ پر سوار کر کے حضرت امام حسینؑ اور دوسرے شہداء کربلا کے سروں کے ساتھ یزید کے پاس روانہ کر دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۴)

اس سفر میں ایک جگہ لوگوں نے ایک دیر کی دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا۔

اترجو امة قتلت حسینا ۔۔۔ شفاعة جدّہ یوم الحساب

(جن لوگوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ کس طرح امید کر سکتے ہیں۔ کہ بروز قیامت اُن کے نانا اُن کی شفاعت کریں گے) لوگوں نے اس دیر کے راہب سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے۔ اُس نے کہا یہ اس زمانہ کا نہیں ہے بلکہ تمہارے پیغمبرؐ (محمد مصطفیٰؐ) کی بعثت سے پانچ سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ (حیوۃ الحیوان جلد ا صـ۵۳)

جب یہ حضرات ملک شام دربار یزید میں پہونچے تو یزید ایک طشت میں حضرتؑ کا سر رکھ کر حضرتؑ کے دانتوں پر چھڑی لگانے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی رسولؐ ابو برزہ سلمی سے نہ رہا گیا بگڑ کر کہا اے یزید اپنی چھڑی کو ان دانتوں پر سے ہٹا لے۔ میں نے بارہا رسولؐ اللہ کو دیکھا ہے کہ ان دانتوں کو چوستے تھے لے یزید اس کو بھی جان لے کہ جب تو بروز قیامت میدانِ حشر میں آئے گا۔ تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا اور امام حسینؑ کے شفیع ان کے جد حضرت رسول خداؐ ہوں گے (تاریخ کامل جلد ۴ صـ۳۵) یزید حضرتؑ کے دانتوں کو چھڑی سے مار کر یہ کفریہ اشعار بھی پڑھتا تھا ؎

لیت اشیاخی ببدر شھدوا ۔۔۔ جزع الخزرج من وقع الاسل

لاھلوا و استھلوا فرحا ۔۔۔ ثم قالوا یا یزید لا تشل

قد قتلنا القرن من ساداتھم ۔۔۔ وعدلنا قتل بدر فاعتدل

لست من عتبۃ ان لم انتقم ۔۔۔ من بنی احمد ما کان فعل

لعبت ھاشم بالملک فلا ۔۔۔ ملک جاءہ لا وحی نزل

کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہو کر مجھ کو داد دیتے کہ میں نے رسولؐ کے خاندان سے ان کا کیسا اچھا بدلہ لے لیا اور مجھ کو دعا دیتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ بیکار نہ ہو۔ میں نے اُن کے چنے ہوئے بزرگوں اور سادات بنی ہاشم کو قتل کیا اور جنگ بدر کا انتقام لیا

تو عوض پورا ہو گیا۔ محمدؐ نے جو کچھ کیا تھا۔ اگر میں اُن سب کا انتقام اُن کی اولاد سے نہ لیتا تو بے شک عتبہ کی نسل میں شمار ہونے کے قابل نہ رہتا۔ درحقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان (محمدؐ) کے پاس نہ کبھی کوئی فرشتہ آیا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی۔ (تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۸ وغیرہ) یزید نے کچھ دنوں ان حضرات کو قید رکھا پھر اس اندیشہ سے کہ کہیں آلِ رسولؐ کی حمایت میں فساد نہ پھیل جائے ان کو رہا کر دیا اور نعمان بن البشیر کو حکم دیا کہ سامان سفر کر کے اہلبیتؑ رسالت کو مدینہ پہونچا دے۔ ایک شخص نے حضرت امام زین العابدینؑ سے پوچھا کہ اے فرزند رسولؐ آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہی حال جو آل فرعون میں بنی اسرائیل کا تھا کہ لوگ ہماری اولاد کو قتل کرتے ہیں۔ ہمارے سردار اور بزرگ کو بر سر منبر بُرا کہتے ہیں اور ہم کو ہمارے حق سے محروم کر رکھا ہے (طبقات ابن سعد) کتابوں سے اس امر کا صحیح پتا نہیں چلتا کہ حضرات اہلبیتؑ کوفے سے کب روانہ ہوئے شام کب پہونچے وہاں سے کب رہا ہوئے اور مدینہ میں کس تاریخ کو واپس آئے۔ اور نہ اس کا یقینی پتا چلتا ہے کہ سر مبارک کہاں دفن کیا گیا

امام حسینؑ کو یزید نے قتل کرایا یا نہیں

اس زمانہ میں بعض سادہ لوح حضرات کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ابن زیاد یا عمر سعد نے اپنی رائے سے امام حسینؑ کو قتل کیا۔ یزید نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر (۱) علامہ جمال الدین محدث نے لکھا ہے یزید نے ولید حاکم مدینہ کو لکھا کہ "حسینؑ فرزند علیؑ کا سر میرے خط کے جواب کے ساتھ روانہ کرو" (روضۃ الاحباب نسخہ قلمیہ) (۲) جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے شاگرد جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب نے لکھا ہے "اس میں شک نہیں کہ یزید پلید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا۔ اس فعل پر راضی رہا اور اس واقعہ سے خوش ہوا۔ جمہور اہلسنت و جماعت کا مختار مذہب یہی ہے جیسا کہ معتمد علیہ کتابوں

میں لکھا ہے مثلاً علامہ مرزا محمد بدخشی کی کتاب مفتاح النجاۃ۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب مناقب السادات۔ علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب تکمیل الایمان وغیرہ بہت سی معتبر کتابوں میں لکھا ہے (تحریر الشہادتین ص۴۷) (۳) علامہ شبراوی نے لکھا ہے کچھ شک نہیں کہ یزید پر بدبختی سوار تھی کہ اُس نے اہلبیت پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا دیئے۔ اپنا لشکر امام حسینؑ کے قتل کو بھیجا۔ امام حسینؑ کو قتل اور آپ کے اہل وعیال کو قید کیا (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر ص۱۸) (۴) علامہ قسطلانی نے لکھا ہے یزید پر لعن جائز ہے۔ کیونکہ جب اُس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا تب ہی کافر ہوگیا اور حق یہ ہے کہ قتل امام حسینؑ پر یزید کا راضی اور اس سے بہت خوش ہوتا اور اہلبیتؑ نبی صلعم کی اہانت کرنا متواتر واقعات سے ہے (شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص۸۵) (۵) بالکل وہی عبارت علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی ص۱۸۱ میں بھی ہے (۶) یزید نے اپنے حاکم عراق ابن زیاد کو لکھا کہ امام حسینؑ سے قتال کرو۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۴۰) اور یہ مسلم ہے کہ قتال میں ہر فریق دوسرے کو قتل ہی کرنا چاہتا ہے۔ تو یزید نے بھی ابن زیاد کو یہی حکم دیا کہ امام حسینؑ سے لڑ کر ان کو قتل کر دو۔ (۷) مورخ جلیل علامہ مسعودی نے لکھا ہے جب بنی عباس نے بنی امیہ سے سلطنت چھین لی اور خاندان بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان کی بیٹیاں خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے پاس گرفتار کر کے لائی گئیں تو اُن سب نے رحم کی درخواست کی۔ اس پر صالح بن علی نے ان سب پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں ان میں یہ بھی کہا گیا ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید نے امام حسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید کے حکم سے عمر بن سعد حضرت رسول خدا صلعم کے حرم کو قید کر کے یزید کے پاس نہیں لایا اور ان مخدرات عصمت و طہارت کے لانے کے پہلے امام حسینؑ کے سر کو شام کے دیہاتوں اور شہروں میں نہیں

پھیرا یا؛ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۲۱) یہ واقعہ ۱۳۲ھ ہجری یعنی واقعۂ کربلا سے صرف ۷۱ سال بعد کا ہے۔ جب اس کے جاننے والے لاکھوں آدمی دنیا میں موجود تھے۔ (۸) انہیں علامہ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے "جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یزید نے حضرت رسولؐ کے نواسے کو قتل کر دیا تو اس کے عامل مدینہ کو وہاں سے نکال دیا" (مروج الذہب بر تاریخ کامل جلد ۹ صفحہ ۱۲۸) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام جانتے تھے کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل کیا۔ (۹) علامہ محمد فرح مصری لکھتے ہیں "یزید کے عجیب و غریب حالات ہیں۔ شراب پیتا تھا۔ فرزند رسولؐ کو قتل کر دیا۔ خانہ کعبہ کو ڈھا دیا۔ اس میں آگ لگا دی" (جلد ۶ صفحہ ۱۵۷)۔ (۱۰) خود ابن زیاد نے کہا ہے اما قتلی الحسینؑ فانہ خرج علی امام وامۃ مجتمعۃ وکتب الی الامام یامرنی بقتلہ میں نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے اس کا حکم دیا کہ ان کو قتل کر دوں (اخبار طوال مطبوعہ مصر صفحہ ۲۷۹) اس اخبار طوال کے مصنف مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابو حنیفہ دینوری ہیں جن کی وفات ۲۸۱ھ ہجری میں ہوئی تھی (۱۱) علامہ ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا اما قتلی الحسینؑ فانہ اشار الی یزید بقتلہ او قتلی فاخترت قتلہ میں نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے حکم دیا کہ حضرت کو قتل کروں ورنہ وہ مجھے ہی قتل کر دے گا۔ لہٰذا میں نے امام حسینؑ ہی کا قتل کرنا اختیار کیا اور اپنے کو بچا لیا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵۵)

(۱۲) جب واقعۂ کربلا کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعت لینی شروع کی اور جناب عبداللہ بن عباس نے اس سے انکار کیا تو یزید سمجھا کہ ابن عباس میری طرف ہیں۔ اس پر اس نے آپ کو ایک خط لکھا کہ میں آپ کو بہت انعام دوں گا۔ آپ میری حمایت کرتے رہیے۔ اس کے جواب میں جناب ابن عباس نے یزید کو ایک طویل خط بھیجا۔ اس میں یہ بھی لکھا "تو کس عقل سے مجھ سے ان باتوں کی امید رکھتا ہے۔ وقد قتلت حسینا وفتیان عبد المطلب حالانکہ تو ہی نے امام حسینؑ اور

خاندان بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کر ڈالا جو ہدایت کے روشن چراغ اور ارکان دین وایمان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵) ۔ (۱۳)

خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ معتضد باللہ نے ایک فرمان میں لکھا ہے۔۔ پھر یزید نے سب سے زیادہ اسلام سوز دین کش یہ کیا کہ حضرت رسولؐ خدا کے فرزند اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے پارۂ جگر امام حسینؑ کو شہید کر ڈالا۔ وہ اس بے دردی سے ان لوگوں کو قتل کر تا رہا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمانوں کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کافروں کو قتل کر رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۸) (۱۴) خود یزید کا بیٹا معویہ جب خلیفہ ہوا تو ایک طولانی خطبہ بیان کیا جس میں یہ بھی کہا میرا باپ جو کسی قسم کی قابلیت نہیں رکھتا تھا تخت پر بیٹھا اور اس نے اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے حضرت حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر ڈالا (تحریر الشہادتین صفحہ ۱۰۳ وصواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴ وحیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۴ و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ وغیرہ)

امام حسینؑ کے قتل میں کون لوگ شریک تھے

باوجودیکہ امام حسینؑ کو انہیں لوگوں نے قتل کیا جو یزید کو خلیفہ جانتے تھے اور وہ وہی تھے جو اس کے پہلے معویہ۔ حضرت عثمان و حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتے تھے مگر یہ بھی زمانہ کا انقلاب عظیم ہے کہ آج بعض ناواقف لوگ دعوے کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شیعوں نے خطوط لکھ کر کوفہ بلایا اور پھر انہیں لوگوں نے آپ کو قتل کیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اُس وقت کوفہ میں شیعہ تھے ہی نہیں سب کے سب غیر شیعہ بھرے ہوئے تھے۔ اور انہیں غیر شیعہ مسلمانوں نے حضرتؑ کو دھوکا دینے کے لیے خطوط بھیج کر کوفہ میں بلایا۔ اگر ان خطوط لکھنے والوں میں دو ایک شیعہ تھے بھی تو وہ نہ کربلا میں گئے نہ امام حسینؑ سے لڑے بلکہ حضرتؑ کی شہادت کے بعد بغاوت کی اور امام حسینؑ کا انتقام لینے کی کوشش کرتے رہے۔ اُس وقت کوفہ میں شیعوں کے نہ ہونے کی

بڑی دلیل یہ ہے کہ علامہ محمد بن عقیل نے لکھا ہے۔ کہ معویہ نے کوفہ والوں پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر کیا۔ زیاد چونکہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ میں رہ چکا تھا۔ وہاں کے شیعوں سے واقف تھا۔ اس نے ہر پتھر اور ڈھیلے کے نیچے سے شیعوں کو نکال کر قتل کیا۔ ان کو دھمکیاں دیں۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ ان کو درختوں پر سولی دیا۔ ان کو عراق سے نکال باہر اور آوارہ وطن کر دیا۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی پہچانا ہوا شخص عراق میں نہیں بچا۔ (نصائح کافیہ ص۳۷)

اس پر بھی غور کرو۔ کہ جب امام حسینؑ نے مکہ سے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو جناب ابن عباس نے آپ کو منع کیا اور کہا عراق والے دھوکا فریب کی جماعت ہیں۔ آپ ان کے قریب بھی نہ جائیں بلکہ یمن تشریف لے جائیں کہ وہاں آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں۔ (تاریخ طبری جلد ۶ ص۲۱۷) جس سے یقین ہوا کہ کوفہ میں اُس وقت شیعہ نہیں تھے ورنہ جناب ابن عباس یمن کی یہ خصوصیت نہ بیان کرتے کہ لا بیلك بھا شیعۃ یعنی جناب ابن عباس حضرت امام حسینؑ کو یمن جانے کی رائے اس وجہ سے دیتے تھے کہ وہاں حضرتؑ کے شیعہ تھے پس اگر اُس وقت کوفہ میں بھی شیعہ ہوتے تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ یمن جایئے کہ وہاں آپ کے والد کے شیعہ ہیں۔ ہر شخص اُن کا جواب دے دیتا کہ جس طرح یمن میں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں کوفہ میں بھی ہیں۔ مگر چونکہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے شیعہ نہیں تھے۔ اور یمن میں تھے۔ اس وجہ سے اس جملہ کے کہنے کی ضرورت ہوئی۔ اور مورخ طبری نے لکھا ہے کہ جب یزید کے حکم سے ابن زیاد کوفہ آیا اور حضرت مسلم کے میزبان جناب ہانی کو گرفتار کرا کے اپنے ہاں بلایا تو ان سے کہا اے ہانی! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرا باپ (زیاد) اس شہر کا حاکم ہو کر آیا تھا۔ تو یہاں جس قدر شیعہ تھے سب کو قتل کر دیا سوائے تمہارے باپ اور حجر کے کسی شیعہ کو نہیں چھوڑا۔ پھر حجر بھی جس طرح قتل کئے گئے تم کو معلوم ہے (تاریخ

طبری جلد ۶ صہ ۲۰۲) جس سے بھی معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کو کوفہ میں جن لوگوں نے بلایا۔ اُن میں کوئی شیعہ نہیں تھا۔ بلکہ سب کے سب غیر شیعہ تھے۔ اس لئے کہ کل شیعوں کو تو زیاد نے اس سے بہت پہلے ہی قتل کر دیا تھا۔

امام حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کر لی

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کر لی امام حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کی مگر اس کی وجہ حضرت امام حسنؑ کی صلح کے موقع پر لکھی جا چکی ہے کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ میں کفار سے جہاد نہیں کیا اسی طرح حضرتؐ کے بڑے فرزند امام حسنؑ نے اپنے مخالفین سے جنگ نہیں کی۔ اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے مدینہ میں آکر انہیں کفار سے جنگ کی اُسی طرح حضرتؐ کے چھوٹے فرزند امام حسینؑ نے اپنے مخالفین سے جہاد کیا۔ علاوہ بریں حضرتؑ تو اپنے جد بزرگوار کے احکام کے تابع تھے۔ جو حکم حضرت رسول خداؐ نے دیا اس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ آں حضرت صلعم نے تو دوسروں سے بھی فرما دیا تھا۔ کہ حسینؑ جہاد کریں تو تم لوگ۔ ان کی مدد کرنا۔ فرمایا تھا۔ میرا فرزند حسینؑ عراق کی زمین کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ تم میں سے اُس وقت جو لوگ موجود ہوں اُنہیں چاہیئے کہ حسینؑ کی مدد کو ضرور جائیں۔ (کتاب ماثبت بالسنتہ صہ ۱) اور خواب میں بھی آں حضرت صلعم امام حسینؑ سے اس کی تاکید فرماتے رہے۔ علامہ ابن اثیر جزری و دیار بکری نے لکھا ہے جب معویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ وہاں اہل کوفہ کے خطوط حضرتؑ کے پاس پہونچے لہٰذا انہوں نے سفر کا سامان تیار کر لیا۔ بہت لوگوں نے حضرتؑ کو منع کیا۔ ان میں محمد بن حنفیہ ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے۔ مگر حضرت حسینؑ نے

فرمایا کہ میں نے رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے۔ اس کو میں ضرور کروں گا۔ چنانچہ وہ عراق چلے گئے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۷ و تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۳۴) علامہ طبری وغیرہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اُن لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرت رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھا جس میں آپ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کر سکتا خواہ اس سے میرا نقصان ہی ہو۔ (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۱۹ و کامل جلد ۴ ص ۱۶)

حضرت کی اولاد حضرت امام حسینؑ کی پانچ بیویوں سے چھ اولاد (چار بیٹے اور دو بیٹیاں) ہوئیں۔ پہلی زوجہ جناب شہربانو سے حضرت امام زین العابدینؑ اور دوسری زوجہ لیلیٰ سے جناب علی اکبرؑ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ تیسری زوجہ قبیلہ قضاعہ سے تھیں جن سے ایک فرزند جعفر پیدا ہوئے تھے۔ چوتھی زوجہ رباب سے جناب علی اصغرؑ اور چھوٹی بیٹی سکینہ تھیں۔ پانچویں زوجہ ام اسحاق سے بڑی بیٹی فاطمہ تھیں (ارشاد ص ۲۷) جناب علی اصغرؑ کربلا میں تیر کھا کر شہید ہوئے اور دونوں صاحبزادیوں میں سے بڑی جناب فاطمہؑ کی شادی امام حسنؑ کے بیٹے جناب حسن مثنیٰ کے ساتھ اور چھوٹی جناب سکینہؑ کی شادی بھی امام حسنؑ ہی کے بیٹے عبداللہ کے ساتھ واقعۂ کربلا کے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ (اعلام الوریٰ ص ۱۲۷)

شہداءِ کربلا کتنے اور کون کون تھے۔ اس میں بہت اختلاف ہے۔ علامہ سماوی کی کتاب ابصار العین، ناسخ التواریخ، بحار و جلاء العیون زیادہ معتبر کتابیں ہیں مگر سب کے بیان میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اس وجہ سے زیارت ناحیہ مقدسہ میں جن حضرات کے نام مذکور ہیں وہی اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں۔ (۱) مالک بن عبد بن سریع (۲) شعیب بن

حارث بن سریع (۳) شوذب مولیٰ شاکر (۴) عابس بن ابی شبیب شاکری (۵) عمار بن ابی سلامۃ ہمدانی (۶) عبدالرحمٰن بن عبداللہ الکدری الارحبی (۷) حنظلہ بن اسعد شیبانی (۸) ابو ثمامہ عمر بن عبداللہ صائدی (۹) عمر بن جندب خضرمی (۱۰) قاسم بن حبیب ازدی (۱۱) زہیر بن سلیم ازدی (۱۲) اسلم بن کثیر ازدی (۱۳) سالم مولےٰ بنی المدینۃ الکلبی (۱۴) جبلہ بن علی شیبانی (۱۵) زاہد مولےٰ عمرو الحمق الخزاعی (۱۶) یزید بن زیاد بن مظاہر کندی (۱۷) سعید مولیٰ عمر (۱۸) عمرو بن خالد صیداوی (۱۹) جندب بن حجر خولانی (۲۰) حبان بن حارث سلمانی ازدی (۲۱) عمار بن حسان (۲۲) مجمع بن عبداللہ عائذی (۲۳) فرزند مسعود بن حجاج (۲۴) حجاج بن مسروق (۲۵) زید بن معقل جعفی (۲۶) زہیر بن بشیر خثعمی (۲۷) سیف بن مالک (۲۸) سالم مولے عامر بن مسلم (۲۹) قعنب بن عمرو تمری (۳۰) عامر بن مسلم (۳۱) عبداللہ و عبیداللہ فرزندان یزید بن ثبیت (۳۳) یزید بن ثبیت قیسی (۳۴) عمرو بن ضبیعہ ضبعی (۳۵) عیسیٰ بن مالک ضبعی (۳۶) ضرغامہ بن مالک (۳۷) کنانہ بن عتیق (۳۸) و (۳۹) قاسط و کردس فرزندانِ ظہیر تغلبی (۴۰) حجاج بن زید سعدی (۴۱) شبیب بن عبداللہ نہشلی (۴۲) عون بن جوی مولا ابوذر غفاری (۴۳) و (۴۴) عبداللہ و عبدالرحمٰن فرزندان عروہ بن حراق (۴۵) قیس بن مسہر صیداوی (۴۶) انس بن کاہل اسدی (۴۷) نافع بن ہلال بجلی (۴۸) عبداللہ بن عمیر کلبی (۴۹) حر بن یزید ریاحی (۵۰) حبیب بن مظاہر اسدی (۵۱) عمرو بن قرظہ انصاری (۵۲) زہیر بن قین بجلی (۵۳) عمرو بن جنادہ انصاری (۵۴) یزید بن حصین ہمدانی (۵۵) بشر بن عمر حضرمی (۵۶) سعید بن عبداللہ حنفی (۵۷) مسلم بن عوسجہ اسدی (۵۸) قارب مولیٰ امام حسینؑ (۵۹) منجح مولیٰ امام حسینؑ (۶۰) سلیمان مولیٰ امام حسینؑ (۶۱) سوار بن ابی حمیر (۶۲) عمرو بن عبداللہ جندعی (۶۳) نعیم بن عجلان۔

جناب عقیل کی اولاد

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) ابو عبداللہ بن مسلم (۳) عبداللہ بن مسلم (۴) عبدالرحمٰن

بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل۔

عبداللہ بن جعفر کی اولاد (۱) محمد (۲) عون۔

حضرت امام حسنؑ کی اولاد (۱) جناب قاسم (۲) جناب عبداللہ (۳) جناب ابوبکر۔

اولاد حضرت امیرالمومنینؑ (۱) محمد (۲) عبداللہ اکبر (۳) جعفر اکبر (۴) عثمان اکبرؑ (۵) حضرت عباس۔

اولاد حضرت امام حسینؑ (۱) حضرت علی اکبرؑ (۲) حضرت علی اصغرؑ (عبداللہ) مگر یقین نہیں کہ زیارت میں سب نام مرقوم ہیں۔

ابو محمد

حضرت امام زین العابدین

علیہ السلام

چوتھا باب

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

(آپ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے اور شیعوں کے چوتھے امام ہیں۔ بنا بر قول جناب شیخ مفید و شیخ طوسی علیہما الرحمہ ۱۵ ر جمادی الاولیٰ ۳۸ھ (۶۵۸ء) کو مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ۲ سال چند ماہ تک جد بزرگوار حضرت امیر المومنین ؑ کی آغوش عاطفت میں پرورش پائی۔ پھر ۵۰ ہجری تک عم معظم اور پدر بزرگوار کے ہمراہ اور ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری تک محض والد ماجد کے ساتھ رہے۔ بعد واقعۂ کربلا خاندان رسالت کے سردار اور شیعوں کے ظاہری امام قرار پائے۔ ۳۴ سال مشغول ہدایت و ارشاد ناس رہ کر ۲۵ ر محرم ۹۵ھ ہجری (۷۱۴ء) کو طرف عالم جاودانی کے رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں اپنے عم معظم حضرت امام حسن ؑ کی بغل میں دفن کئے گئے۔ آپ کے عہد امامت میں خلفاء اسلام سے یزید معویہ پھر معاویہ بن یزید۔ پھر مروان بن الحکم پھر عبدالملک بن مروان پھر ولید بن عبدالملک کی دنیوی سلطنت رہی اور اسی ولید کے زمانہ میں حضرت ؑ نے زہر سے وفات پائی۔

اسم گرامی | حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے پدر بزرگوار سے اس

قدر الفت تھی کہ اپنے تینوں فرزند کے نام علیؑ ہی رکھا جس پر یزید نے (جب یہ حضرات قید ہو کر اس کے دربار میں پہونچے) تعجب سے کہا تھا عجب! آپ کے پدر بزرگوار نے اپنے کل لڑکوں کا نام علی ہی رکھا؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں میرے پدر بزرگوار کو اپنے والد ماجد سے نہایت محبت تھی اس سبب سے کل لڑکوں کا نام علی ہی رکھتے رہے (مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۳۱) چونکہ حضرتؑ ہی امام حسینؑ کے والد اکبر تھے اس سبب سے علی اکبر آپ ہی کا نام تھا۔ لیکن عوام نے غلط طور پر یہ مشہور کر دیا کہ علی اکبر وہ بزرگ تھے۔ جو کربلا میں شہید ہوئے خواجہ محمد پارسا وغیرہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں امام حسینؑ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بڑے علی اصغر تھے۔ جو امام زین العابدین ہیں۔ آپ کا لقب اصغر اس سبب سے ہوا کہ اپنے جد امجد حضرت علیؑ کی زندگی میں پیدا ہوئے اور دو سال تک حضرتؑ کے ساتھ رہے پس آپ کے جد حضرت علی علیہ السلام اکبر تھے۔ اور آپ علی اصغر (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۱۵) مگر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ کو علی اصغر کہنا اکثر احادیث کی مخالفت کرنا ہے۔ جو اس پر دال ہیں کہ آپ اُن علیؑ سے بڑے تھے۔ جو کربلا میں شہید ہوئے (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲) اس زمانہ میں آپ امام زین العابدینؑ کے نام سے مشہور ہیں اور جو علی کربلا میں شہید ہوئے اور جو آپ سے چھوٹے تھے علی اکبر مشہور ہیں۔

والدہ گرامی

آپ کی والدہ کے حالات میں مورخین کے درمیان شدید اختلاف ہے پہلا اختلاف نام میں ہے۔ بعض غزالہ۔ بعض شاہ زنان بنت یزدجرد۔ بعض سلافہ۔ بعض شہر بانویہ۔ بعض شہر بانو۔ بعض خولہ۔ بعض جیدا اور بعض برہ بنت النوشجان کہتے ہیں لیکن سید المحققین جناب شیخ مفید و علامہ طبرسی وغیرہ آپ کا نام شاہ زنان بنت کسریٰ یزدجرد لکھتے ہیں۔ ممکن ہے۔ اصل نام یہی اور مشہور شہر بانو ہو۔ دوسرا اختلاف اس

میں ہے کہ آپ اپنے وطن (ایران) سے مدینہ میں کب آئیں اور حضرت امام حسینؑ
کی زوجیت سے کیونکر مشرف ہوئیں۔ اس امر میں کئی قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن
مشہور صرف دو ہیں پہلی یہ کہ آپ حضرت عمر کے زمانے میں فتح مدائن کی غنیمت میں
اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ تشریف لائیں اور جناب امیر علیہ السلام نے آپ
کو خرید کر حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں دے دیا اور دوسری یہ کہ حضرت امیر المومنینؑ
نے حریث بن جابر کو بعض بلاد مشرق (ایران) کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اُس
نے جناب شاہ زنان کو آپ کی بہنوں کے ساتھ جناب امیرؑ کے پاس بھیجا اور
حضرتؑ نے آپ کی شادی امام حسینؑ سے کر دی۔ پہلی روایت کہ خلیفہ دوم کے
زمانے میں فتح مدائن کی غنیمت میں آئیں اس وجہ سے غلط معلوم ہوتی ہے۔ کہ
مورخین کا اتفاق ہے۔ کہ مدائن ماہ صفر ۱۶ھ میں فتح ہوا ہے۔ (معجم البلدان
جلد ۷ صفحہ ۴۱۳ اردو ترجمہ فتوح العجم از واقدی صفحہ ۱۶ تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۶۱
تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ فتوحات اسلامیہ جلد ۱
صفحہ ۹ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۲۸ وغیرہ) اور یزدجرد ۱۴ھ کے شروع میں تخت نشین
ہوا ہے۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ وکامل جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ وابن خلدون بقیہ جلد ۲ صفحہ ۸۶
وابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۵۶ وغیرہ) جنگ قادسیہ بقول ابو الفدا وغیرہ ۱۵ھ ہجری میں
ہوئی ہے اور تخت نشینی کے وقت یعنی ۱۴ھ ہجری میں معتبر مورخین نے
یزدجرد کی عمر ۲۱ سال لکھی ہے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۸۱ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲
تاریخ ابن خلدون بقیہ جلد ۲ صفحہ ۹۱ فتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۶۶) اس حساب
سے فتح مدائن کے وقت یعنی ۱۶ھ ہجری کے شروع میں یزدجرد کی عمر
۲۲ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور وہ عرب جیسے گرم ملک کا باشندہ
نہیں تھا۔ کہ ۱۴ سال کی عمر میں عورتوں سے مباشرت کے قابل ہو جاتا۔
ضرور ۱۷۔۱۸ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی ہوگی۔ اب اگر جناب شہر
بانو یزدجرد کی پہلی اولاد بھی مانی جائیں اور یزدجرد کے اٹھارھویں انیسویں

سال بھی پیدا ہوئی ہوں۔ تو فتح مدائن کے وقت اُن کی عمر کسی طرح پانچ چھ سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت حضرت عمر کا اُن کو امام حسینؑ کی زوجیت کے لئے بخشنا یا جناب امیرؑ کا خرید کر امام حسینؑ سے ان کی شادی کرنا بالکل خلاف عقل ہے درصورتیکہ اُس وقت امام حسینؑ بھی بالغ نہیں بلکہ صرف ۱۲ سال کے تھے۔ (کیونکہ حضرتؑ کی ولادت سنہ ۴ ہجری میں ہوئی تھی) اُس وقت اگر امام حسینؑ اس امر کو چاہتے بھی تو جناب امیرؑ سختی سے روک دیتے اور اس امر کو آپ کی صحت کے لئے نہایت خطرناک سمجھتے۔ حضرت رسول خدا صلعم کی شادی اُس وقت ہوئی جب آپ ۲۵ سال کے تھے۔ جناب امیرؑ کی شادی بھی اُس وقت ہوئی جب آپ ۲۵ سال کے تھے۔ پھر امام حسینؑ کے ساتھ یہ دشمنی کیوں کی جاتی کہ جب آپ نہ ۲۵ سال کے ہوئے نہ ۲۰ سال نہ ۱۸ سال کے بلکہ بالغ تک نہیں ہوئے صرف ۱۲ سال کے تھے۔ کہ شہر بانو آپ کے حوالہ کر دی جاتیں؟ غرض کسی طرح حضرت عمر کے زمانہ میں شہر بانو کا مدینہ آنا اور حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں داخل ہونا درست نہیں معلوم ہوتا زمانہ حال کے نامور مورخ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی صاحب کی تحقیق بھی یہی ہے۔ لکھتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر مشہور ہے۔ کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمر نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں اُن کے بیچنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؑ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اُس سے اُن کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خود اُن کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؑ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کیں۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے۔

کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں۔ ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؑ کے حال میں یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کر دی۔ لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زمخشری کے سوا طبری۔ ابن اثیر یعقوبی۔ بلاذری۔ ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہونچا جب مسلمان حلوان پر چڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہونچکر ۳۰ھ ہجری میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے۔ مارا گیا۔ اس کی آل و اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا۔ یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ سال کی تھی کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے۔ اور فارس ۱۷ھ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے اُن کی نابالغی میں اُن پر اس قسم کی عنایت کی ہو گی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہو گی اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۱۷۲) مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ ایک اور زبردست وجہ ایسی ہے جس سے اس قصہ کا غلط ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جناب امیرؑ کے دو صاحبزادے تھے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور ۱۶ھ ہجری میں دونوں نابالغ تھے۔ لیکن امام حسنؑ پھر بھی بڑے تھے۔

اگر جناب امیرؑ نے اپنے فرزند سے شادی کے لئے جناب شہر بانو کو تجویز بھی کیا تو حضرت امام حسنؑ کو کیوں نہیں دیا۔ یا حضرتؑ ہی سے شادی کیوں نہیں کی بڑے لڑکے کی فکر پہلے ہوتی ہے۔ پس اگر واقعاً جناب شہر بانو سنہ ۱۶ ہجری میں مدینہ آئیں اور حضرت عمر یا حضرت امیر المومنینؑ انہیں جناب امیرؑ کے فرزند کو مرحمت فرماتے تو یہ بڑے صاجزادے امام حسنؑ کے حصہ میں آتیں نہ امام حسینؑ کے۔

رہی دوسری روایت کہ حضرت امیر المومنینؑ کی ظاہری خلافت میں آپ آئیں اور حضرتؑ نے امام حسینؑ سے ان کی شادی کر دی۔ یہ البتہ ایسی ہے جو نقل اور عقل دونوں سے صحیح ثابت ہوتی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے۔ کہ حضرت امیر المومنین علیؑ نے حریث بن جابر جعفی کو بعض بلاد مشرق (خراسان) کا والی مقرر کر کے بھیجا اور حریث نے یزدگرد کی دو بیٹیاں حضرتؑ کی خدمت میں ایران سے بھیجیں۔ حضرت نے ایک بیٹی شہر بانو اپنے صاجزادے امام حسینؑ کو دی اور دوسری بیٹی گیہان بانو محمد بن ابی بکر کے حوالہ کی۔ جناب شہر بانو سے حضرت امام زین العابدینؑ اور گیہان بانو سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے۔ (روضۃ الصفا جلد ۳ صہ ۹ مطبوعہ مطبع نولکشور) علامہ اربلی نے کشف الغمہ مطبوعہ ایران صہ ۲۰۱ میں علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اعلام الوری صہ ۱۵۱ میں نیز جامع التواریخ صہ ۱۴۹ و عمدۃ الطالب صہ ۱۸۱ میں بھی اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ نیز دوسری کتب تاریخ و حدیث میں بھی یہی روایت ہے اور عقلاً بھی اس کی صحت کا گمان ہوتا ہے۔ کیونکہ جناب امیرؑ کی خلافت سنہ ۳۶ ہجری سے سنہ ۴۰ ہجری تک تھی۔ اس زمانہ میں جناب شہر بانو کی عمر بھی کافی تھی اور حضرت امام حسینؑ بھی تیس ۳۰ سال سے زیادہ عمر کے تھے۔ اور حضرت امام حسنؑ کی شادی اس سے پہلے ہو چکی تھی۔

حضرت کا شرف نسبی

آپ دادیہال اور نانیہال دونوں طرف سے

علی خاندان کے جوہر تھے۔ دادا حضرت رسول خدا صلعم اور نانا بادشاہ ایران کسریٰ نیز دگرد۔ اس مضمون کو عربی شاعر ابو الاسود دئلی نے کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

وان غلاما بین کسریٰ وھاشم لاکرم من نیطت علیہ التمائم

یقیناً وہ صاحبزادے جن کے نانا بادشاہ کسریٰ اور دادا حضرت ہاشم ہیں، دنیا بھر کے لڑکوں سے زیادہ شریف اور کریم ہیں (اصول کافی ص۲۵۵) اس موقع پر بعض علماء اہلسنت نے لکھا ہے: انظروا الی برکۃ العدل حیث جعل اللہ تبارک وتعالیٰ الائمۃ المھدیین من بنت یزدجرد المنتسب الی کسریٰ نوشیروان الملک العادل دون سائر زوجاتہ عدل وانصاف کی برکت کا یہ تماشہ دیکھو کہ خدا نے حضرات ائمہ طاہرینؑ کو امام حسینؑ کی انہیں بیوی (شہربانو) سے پیدا کیا جو مشہور نوشیرواں عادل شہنشاہِ ایران کی اولاد سے تھیں اور حضرتؑ کی دوسری بیویوں کی اولاد کو یہ شرف نہیں دیا۔ (فصل الخطاب قلمی ورق ۲۶۱ ینابیع المودۃ ص۲۱۵ وغیرہ) اور جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے امام حسینؑ کے بیٹوں میں امام زین العابدینؑ بھی ہیں۔ انہیں سے حضرت امام حسینؑ کی نسل بڑھی کیونکہ حضرتؑ کی کئی اولاد ہوئیں۔ مگر روز عاشوراء سوائے حضرت زین العابدینؑ کے کوئی لڑکا زندہ نہیں بچا۔ خدا نے آپ ہی کے صلب سے رسول خدا صلعم کی اولاد اس کثرت سے پیدا کی جن کی تعداد کو وہی جان سکتا ہے اور اس نسل میں خدا نے اتنی برکت دی کہ ان کو یورپ سے بجم تک پھیلا دیا یہاں تک کہ کوئی ملک کوئی شہر ان لوگوں (سادات و آلِ رسولؐ) سے خالی نہیں ہے۔ اس کے خلاف یزید کا انجام ہوا کہ اس کی یا اس کی اولاد یا اس کے خاندان والوں کی نسل سے ایک شخص بھی نہیں بچا بلکہ کوئی چراغ جلانے والا، یا آگ روشن کرنے والا بھی نہیں رہا۔ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کے

کیسا سچا وعدہ فرمایا تھا کہ اے رسولؐ ہم تمہاری نسل کو بہت بڑھائیں گے اور تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔ (قرآن مجید پ۳۰ سورہ کوثر۔ اسماء رجال مشکوٰۃ قلمی ص۳۶) اور جناب مُلّا معین صاحب فرنگی محل لکھتے ہیں۔ امام حسینؑ کی نسل بیٹوں میں صرف امام زین العابدینؑ سے اور بیٹیوں میں محض جناب فاطمہ سے بڑھی جو جناب حسن مثنیٰ کی بیوی تھیں۔ خدا نے امام زین العابدینؑ کے صلب سے بکثرت اولاد پیدا کی اور آپ کی نسل (سادات اور آل رسولؐ) کو پچھم اور پورب ہر طرف پھیلا دیا۔ یہاں تک کہ دنیا کا کوئی حصہ بلکہ کوئی شہر حضرتؑ کی اولاد سے خالی نہ ملے گا۔ اس کے خلاف یزید اور اس کی اولاد کی نسل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے ایسا بھی کوئی نہیں بچا جو ایک ہی گھر آباد کرتا یا کسی جگہ بھاڑ ہی جھونکتا باوجود اس کے امام حسینؑ شہید ہوئے۔ تو آپ کے صرف ایک بیٹے امام زین العابدینؑ بچے تھے۔ (انہیں کی نسل اس قدر بڑھی) اور جب یزید مرا تو اس کے ۱۵ بیٹے موجود تھے۔ (جن سب کی نسل ہوتی تو کس قدر ترقی کرتی) واقعاً خدا کا قول سب سے زیادہ سچا ہے جس نے حضرت رسول خدا صلعم کو خوشخبری دے دی تھی۔ کہ اے رسول ہم نے تم کو بہت بڑی نسل دی ہے۔ اور تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔ (وسیلۃ النجاۃ ص۳۱۲)

حضرت کا ذاتی شرف

حضرات اہلسنت کے امام زہری و ابن عینیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ سے افضل ہم نے کسی کو نہیں پایا اور حضرتؑ سے زیادہ علم فقہ کا جاننے والا بھی نہیں پایا اور آپ سے زیادہ ورع وتقویٰ کسی شخص میں نہیں پایا۔ (تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص۳۲۰) امام زین العابدینؑ حدیث بیان کرنے میں نہایت معتمد علیہ اور صادق الروایۃ تھے۔ آں حضرتؐ سے بکثرت حدیثیں

روایت کی ہیں۔ بہت بڑے عالم تھے۔ اور اہلبیتؑ میں اُن کا مثل و نظیر کوئی نہیں تھا۔ (حیوٰۃ الحیوان جلد ا ص ۱۲۱) آپ کے خوفِ خدا و مناجات وغیرہ کے واقعات کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔

حلیہ مبارکہ
حضرتؑ کا رنگ گندمی تھا۔ آپ اوسط قدو قامت کے نحیف و زار تھے۔ (نور الابصار ص ۱۳۶ و اخبار الدول ص ۱۰۹) آنحضرتؑ جمال و جلال و صولت با کمال داشت ہر کرا نظر بہ چہرۂ مبارک می افتاد بجز اعزاز و احترام و عزلت و اکرام چارہ نمی دید۔ حضرتؑ کو اعلیٰ درجے کا جمال۔ جلال اور صولت حاصل تھی۔ حضرتؑ کے چہرۂ مبارک پر جس شخص کی بھی نظر پڑتی وہ حضرتؑ کے اعزاز و احترام و عزت و اکرام کرنے پر مجبور ہو جاتا (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۱۹) حضرتؑ کو دیکھ کر حاجیوں کا حجرِ اسود کے پاس سے ہٹ جانا مشہور واقعہ ہے جو آگے آتا ہے۔

کنیت اور القاب
آپ کی کنیت ابو محمد۔ ابوالحسن اور ابوالقاسم تھی اور القاب یہ تھے۔ زین العابدینؑ سید العابدین۔ عابد۔ سجاد۔ سید الساجدین۔ زین الصالحین۔ وارث علم النبیین امام المومنین منار القانتین۔ الخاشع۔ المتہجد۔ الزاہد۔ العدل۔ البکاء ذو الثفنات۔ امام الامۃ۔ ابو الائمہ۔ الزکی۔ الامین الخاص۔ سید العابدین۔

حضرتؑ کے عہدِ طفولیت کی معرفت
حضرتؑ بچپن میں ایک دفعہ بیمار ہوئے۔ تو امام حسینؑ نے فرمایا تم کو جس چیز کی خواہش ہو بیان کرو۔ حضرتؑ نے عرض کی میری خواہش یہ ہے کہ میرا شمار اُن لوگوں میں ہو جو خدا کی قضا و قدر کے خلاف کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے۔ امام حسینؑ نے یہ سُن کر فرمایا شاباش تم اپنی اس خواہش میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مشابہ ہو گئے۔ کیونکہ جب جبرئیلؑ نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ کی کوئی

حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا میں اپنے پروردگار کی مرضی کے خلاف کوئی امر نہیں چاہتا کیونکہ خدا مجھے کافی اور بہترین کارساز ہے" (بحار جلد ۱۱ صہ ۲۱)

حضرتؑ کی عبادت

اس حد کی ہوئی کہ آپ کا لقب ہی زین العابدین ہوگیا۔ حضرت رسول خداؐ نے اس کی پیشین گوئی بھی فرمادی تھی۔ فرمایا تھا۔ بروز قیامت ایک منادی پکارے گا کہ زین العابدینؑ کہاں ہیں۔ اس پر میرا فرزند علی بن الحسینؑ صفوں سے جھومتا ہوا نکلے گا۔ اور وہ حالت اس وقت میرے پیش نظر ہے (بحار جلد ۱۱ صہ ۲) اور دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ ایک شب کو حسب معمول محراب عبادت میں کھڑے نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ اس اثنا میں ایک اژدہا آپ کے سامنے آیا۔ لیکن حضرتؑ اس سے کچھ بھی نہ ڈرے اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ پھر وہ اژدہا قریب آیا اور حضرتؑ کا انگوٹھا اپنے منہ میں لے لیا جب بھی حضرتؑ اسی طرح مشغول رہے۔ پھر اس نے زور سے انگوٹھے میں کاٹا۔ پھر بھی حضرتؑ متوجہ نہیں ہوئے۔ جب فارغ ہوئے تو اس اژدہے کو نکالا۔ اس کے بعد سنا کہ کوئی آواز آتی ہے انت زین العابدین تم ہی عبادت کرنے والوں کی زینت ہو یہ آواز تین مرتبہ آئی مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا جس سے معلوم ہوا کہ غیبی آواز تھی۔ (کشف الغمہ صہ ۱۹۸) حضرتؑ اس کثرت سے سجدہ کرتے کہ آپ کی پیشانی دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں انگوٹھوں پر اتنے اونچے گھٹے پڑ جاتے جو سال میں دو مرتبہ ترشوائے جاتے اور ہر مرتبہ گھٹے کی پانچ تہ نکلتی تھی۔ اس سبب سے لوگ آپ کو ذوالثفنات بھی کہتے (بحار جلد ۱۱ صہ ۳) مورخ ابن عساکر کا بیان ہے کہ دمشق میں امام زین العابدینؑ کی مسجد مشہور ہے۔ اور آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں مشہد علیؑ۔ بجامع دمشق زبان زد ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صہ ۱۲۱) معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ قیدی ہو کر دمشق تشریف لے گئے تو کسی مسجد میں کثرت سے عبادت کرتے تھے اس سبب سے لوگ اس مسجد کو مشہد علیؑ (امام زین العابدینؑ کی مسجد) کہتے تھے۔

حضرتؑ کا حلم

ایک شامی بیان کرتا تھا کہ میں ایک دفعہ مدینہ گیا تو ایک وجیہ شخص کو دیکھا۔ لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ علی ابن الحسینؑ (امام زین العابدین) ہیں۔ یہ سنتے ہی میں اُن کے پاس آیا اور اُن کے دادا حضرت علیؑ کو گالیاں دینے لگا۔ وہ کھڑے سنتے رہے جب میرا کلام ختم ہو گیا تو انہوں نے کہا میں سمجھتا ہوں تم مسافر ہو۔ میں نے کہا ہاں انہوں نے کہا تو آؤ میرے ساتھ چلو اور میرے مکان میں ٹھہرو اگر تم کو یہاں رہنے کیلئے کسی مکان کی ضرورت ہو گی تو میرا مکان حاضر ہے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو حسب خواہش مال بھی پیش کروں گا اور اگر کوئی دوسری حاجت ہو تو میں اس کے پورا کرنے میں بھی مدد کروں گا۔ یہ سن کر میں آپ کے پاس سے واپس آیا لیکن اسطرح کہ آپ سے زیادہ میرے دل میں کسی شخص کی محبت نہیں تھی۔ حیوۃ الحیوان جلد ا صـ ۱۲۱) ایک شخص نے حضرتؑ سے کہا کہ فلاں شخص میرے سامنے آپ کی غیبت کرتا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا اچھا میرے متعلق جو کہا ہے اگر صحیح ہے تو خدا مجھے بخش دے اور اگر تم نے غلط کہا ہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو بخش دے۔ یہ فرما کر وہاں سے واپس تشریف لائے۔ (نورالابصار صـ ۱۲۶) ایک شخص نے حضرتؑ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا بھائی تم نے اُس شخص کی ہم نشینی کے حق کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا کہ اُس کی برائیاں مجھ تک پہونچا دیں۔ اور نہ میرا حق ادا کیا کیونکہ ایک بھائی کی مجھ تک ایسی شکایت کی بات پہونچائی جس کو میں جانتا نہ تھا۔ موت ہر شخص کو آنے والی ہے۔ اور بروز قیامت ہم سب زندہ ہو کر ایک جگہ جمع ہوں گے اور روز محشر سب کے فیصلے کے لئے مقرر ہے۔ جب کہ خدا ہم سب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ دیکھو پھر کبھی غیبت نہ کرنا۔ کیونکہ یہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے اور جان لو کہ جو شخص لوگوں کی زیادہ غیبت کرتا ہے۔ وہ خود اپنے عیوب کی گواہی دیتا ہے (احتجاج طبرسی رح صـ ۳۰۴) ایک روز حضرتؑ مسجد سے نکلے تو آپ کو ایک شخص گالیاں دینے لگا۔ آپ کے غلام وغیرہ اس کی طرف بڑھے

لیکن حضرتؑ نے سب کو روکا اور اُس سے فرمایا میرے جو حالات تم سے پوشیدہ ہیں وہ اب یہ بتاؤ کہ تمہاری کوئی حاجت ہے کہ میں اُس کے رفع کرنے میں تمہاری مدد کروں؟ یہ حلم دیکھ کر وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا۔ پھر حضرتؑ نے اس کو چند قیمتی کپڑے اور پانچ ہزار درہم عطا فرمائے۔ یہ دیکھ کر وہ بول اٹھا اشھد انک من اولاد المصطفےٰ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حضرت رسول خدا صلعم کے خلف صالح ہیں۔ ایک اور شخص حضرتؑ کو گالیاں دینے لگا، تو فرمایا بھائی میرے اور جہنم کے درمیان ایک گھاٹی ہے۔ اگر میں اس پر سے عبور کر گیا تو مجھے کچھ پروا نہیں جو چاہے کہو۔ اور اگر مجھ میں اس گھاٹی سے گزرنے کی قابلیت نہیں ہے تو پھر جس قدر بھی تم گالی دیتے ہو اس سے زیادہ کا میں مستحق ہوں (نور الابصار ص۱۲۸)

قصیدہ فرزوق ایک مرتبہ خاندان بنی امیہ کا خلیفہ ہشام بن عبدالملک (جو ۱۰۵ھ ہجری سے ۱۲۵ھ ہجری تک بادشاہ رہا) اپنی شہزادگی کے زمانے میں حج کرنے گیا اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے گا مگر حاجیوں کے ہجوم سے اُس تک نہیں پہونچ سکا، مجبوراً ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں حضرت امام زین العابدینؑ تشریف لائے اور جب حجر اسود کی طرف جانا چاہا تو سب لوگوں نے ہٹ کر آپ کے لئے راستہ چھوڑ دیا اور حضرتؑ نے اطمینان سے اس کو بوسہ دیا۔ ہشام کیساتھ شام کے جو لوگ آئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر ہشام سے اُنہوں نے پوچھا یہ باعظمت شخص کون ہے جس کی ہیبت و جلال سے سب حاجی ہٹ گئے۔ ہشام تو واقف تھا۔ مگر اس خوف سے کہ حضرتؑ کا اثر شامی لوگوں پر نہ ہو جائے کہا میں اس شخص کو نہیں پہچانتا۔ اور اتفاقاً اس زمانے کے مشہور شاعر فرزدق بھی وہاں موجود تھے۔ وہ اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکے اور کھڑے ہو کر ایک زبردست قصیدہ حضرتؑ کی شان میں پڑھ

دیا جو گویا دنیا میں گونج گیا اور آج تک کتابوں میں نقل ہوتا چلا آتا ہے۔
کہتے ہیں ؎ [1]

(۱) هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ	وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ
یہ وہ ہے جانتا ہے مکہ جس کے نقش قدم	خدا کا گھر بھی ہے آگاہ اور حل و حرم
(۲) هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰهِ کُلِّهِمُ	هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ
جو بہترین خلائق ہے اُس کا ہے فرزند	پاک و زاہد و پاکیزہ و بلند حشم
(۳) اِذَا رَأَتْهُ قُرَیْشٌ قَالَ قَائِلُهَا	اِلٰی مَکَارِمِ هٰذَا یَنْتَهِی الْکَرَمُ
قریش دیکھتے ہیں جب اُسے تو کہتے ہیں	بزرگیوں پہ ہوئی اس کی انتہائے کرم
(۴) یُنْمٰی اِلٰی ذُرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِیْ قَصُرَتْ	عَنْ نَیْلِهَا عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ
پہونچ گیا ہے یہ عزت کی اُس بلندی پر	جہاں پہ جا سکے اسلام کے عرب نہ عجم
(۵) یَکَادُ یُمْسِکُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ	رُکْنُ الْحَطِیْمِ اِذَا مَا جَاءَ یَسْتَلِمُ
یہ چاہتا ہے کہ لے ہاتھوں ہاتھ رکن حطیم	جو چوسنے حجر الاسود آئے نزد حرم
(۶) فِیْ کَفِّهِ خَیْزُرَانٌ رِیْحُهُ عَبِقٌ	فِیْ کَفِّ اَرْوَعَ فِیْ عِرْنِیْنِهِ شَمَمُ
چھڑی ہے ہاتھ میں جس کی مہکتی ہے خوشبو	وہ ہاتھ جو نہیں عزت میں اور شان میں کم
(۷) یُغْضِیْ حَیَاءً وَیُغْضٰی مِنْ مَهَابَتِهِ	فَمَا یُکَلَّمُ اِلَّا حِیْنَ یَبْتَسِمُ
نظر جھکائے ہیں سب، یہ حیا سے رعب سے لوگ	جو مسکرائے تو آ جائے بات کرنے کا دم
(۸) یَنْشَقُّ نُوْرُ الْهُدٰی مِنْ نُوْرِ غُرَّتِهِ	کَالشَّمْسِ یَنْجَابُ عَنْ اِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ
جبیں کے نور ہدایت سے کفر گھٹتا ہے یوں	ضیاء مہر سے تاریکیاں ہوں جیسے کم
(۹) مَنْ جَدُّهُ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِیَاءِ لَهُ	وَفَضْلُ اُمَّتِهِ دَانَتْ لَهُ الْاُمَمُ

---

[1] یہ اردو منظوم ترجمہ رسالہ حقائق لکھنؤ محرم ۵۴ھ ہجری سے نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ متعدد اشعار کا ترجمہ شعر کے مطابق نہیں ہے۔ مگر اردو نظم ہونے کی وجہ سے اسی کا درج کر دینا بہتر معلوم ہوا ۱۲ مولف عفی عنہ

فضیلت اور نبیوں کی اس کے جد سے ہے پست
تمام امتیں امت سے ہیں اس کی رتبہ میں کم

(۱۰) مُنشَعَّةٌ مِن رَسُولِ اللهِ نَبعَتُهُ
طَابَت عَنَاصِرُهُ وَالخِيمُ وَالشِّيَمُ

یہ وہ درخت ہے جس کی ہے جڑ خدا کا رسولؐ
اسی سے فطرت و عادات بھی ہیں پاک بہم

(۱۱) هٰذَا ابنُ فَاطِمَةٍ إِن كُنتَ جَاهِلَهُ
بِجَدِّهِ أَنبِيَاءُ اللهِ قَد خُتِمُوا

یہ فاطمہؑ کا ہے فرزند تو نہیں واقف؟
اسی کے جد سے نبیوں کا بڑھ سکا نہ قدم

(۱۲) اللهُ شَرَّفَهُ قِدمًا وَعَظَّمَهُ
جَرَى بِذَاكَ لَهُ فِي لَوحِهِ القَلَمُ

ازل سے لکھی ہے حق نے شرافت و عزت
چلا اسی کے لئے لوح پر خدا کا قلم

(۱۳) اَللَّيثُ أَهوَنُ مِنهُ حِينَ تُغضِبُهُ
وَالمَوتُ أَيسَرُ مِنهُ حِينَ يَنتَقِمُ

جو کوئی غیظ دلا دے تو شیر سے بڑھ جائے
ستم کرے کوئی اس پر تو موت کا نہیں غم

(۱۴) فَلَيسَ قَولُكَ مَن هٰذَا بِضَائِرِهِ
اَلعُربُ تَعرِفُ مَن أَنكَرتَ وَالعَجَمُ

ضرر نہ ہوگا اسے تو بنے ہزار انجان
اسے تو جانتے ہیں سب عرب تمام عجم

(۱۵) كِلتَا يَدَيهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفعُهُمَا
يُستَوكَفَانِ وَلَا يَعرُوهُمَا عَدَمُ

برستے ابر ہیں ہاتھ اسکے جن کا فیض ہے عام
وہ برسا کرتے ہیں یکساں کبھی نہیں ہوئے کم

(۱۶) سَهلُ الخَلِيقَةِ لَا تُخشَى بَوَادِرُهُ
يَزِينُهُ اثنَانِ حُسنُ الخَلقِ وَالشِّيَمُ

وہ نرم خو ہے کہ ڈر جلد بازیوں کا نہیں
ہے حسن عادت و خلق اس کی زینت باہم

(۱۷) حَمَّالُ أَثقَالِ أَقوَامٍ إِذَا افتُرِضُوا
حُلوُ الشَّمَائِلِ تَحلُو عِندَهُ نَعَمُ

مصیبتوں میں قبیلوں کے بار اٹھاتا ہے
ہیں جتنے خوب شمائل ہیں اُتنے خوب کرم

(۱۸) مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِي تَشَهُّدِهِ
لَولَا التَّشَهُّدُ كَانَت لَاءَهُ نَعَمُ

کبھی نہ اس نے کہا لا بجز تشہد کے
اگر نہ ہوتا تشہد تو ہوتا لا بھی نعم

(۱۹) لَا يُخلِفُ الوَعدَ مَيمُونٌ نَقِيبَتُهُ
رَحبُ الفِنَاءِ أَرِيبٌ حِينَ يَعتَزِمُ

خلاف وعدہ نہیں کرتا یہ مبارک ذات
ہے میزبان بھی عقل و ارادہ بھی ہے بہم

(۲۰) عَمَّ البَرِيَّةَ بِالإِحسَانِ فَانقَشَعَت
عَنهَا الغَيَاهِبُ وَالإِملَاقُ وَالعَدَمُ

تمام خلق پہ احسان عام ہے اس کا
اسی سے اٹھ گیا افلاس و رنج و فقر کا دم

(٢١) مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَبُغْضُهُمْ
كُفْرٌ وَقُرْبُهُمْ مَنْجًى وَمُعْتَصَمُ

محبت اسکی ہے دین اور عداوت اسکی ہے کفر
ہے قرب اس کا نجات وپناہ کا عالم

(٢٢) اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ
اَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ قِيْلَ هُمُ

شمار زاہدوں کا ہو تو پیشوا یہ ہو
کہ بہترین خلائق اسی کو کہتے ہیں ہم

(٢٣) لَا يَسْتَطِيْعُ جَوَادٌ بُعْدَ غَايَتِهِمْ
وَلَا يُدَانِيْهِمْ قَوْمٌ وَاِنْ كَرُمُوْا

پہونچنا اس کی سخاوت کو غیر ممکن ہے
سخی ہوں لاکھ نہ پائیں گے اسکی گرد قدم

(٢٤) هُمُ الْغُيُوْثُ اِذَا مَا اَزْمَةٌ اَزَمَتْ
وَالْاُسْدُ اُسْدُ الشَّرٰى وَالْبَاْسُ مُحْتَدِمُ

جو قحط کی ہو مصیبت یہ ابر باراں ہے
جو بھڑکے جنگ کی آتش یہ شیر سے نہیں کم

(٢٥) لَا يَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِنْ اَكُفِّهِمْ
سِيَّانِ ذٰلِكَ اِنْ اَثْرَوْا وَاِنْ عَدِمُوْا

نہ مفلسی کا اثر ہے فراخ دستی پر
کہ اس کو زر کی خوشی ہے نہ بے زری کا الم

(٢٦) يُسْتَدْفَعُ السُّوْءُ وَالْبَلْوٰى بِحُبِّهِمْ
وَيُسْتَزَادُ بِهِ الْاِحْسَانُ وَالنِّعَمُ

اسی کی چاہ سے جاتی ہے آفت اور بدی
اسی کی وجہ سے آتی ہے نیکی اور کرم

(٢٧) مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمْ
فِيْ كُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُوْمٌ بِهِ الْكَلِمُ

اسی کا ذکر مقدم ہے بعد ذکر خدا
اسی کے نام پہ ہر بات ختم کرتے ہیں ہم

(٢٨) يَاْبٰى لَهُمْ اَنْ يَحُلَّ الذَّمُّ سَاحَتَهُمْ
خُلْقٌ كَرِيْمٌ وَاَيْدٍ بِالنَّدٰى هُضُمُ

مذمت آنے سے اس کے قریب بھاگتی ہے
کریم خلق سے ہوتی نہیں سخاوت کم

(٢٩) اَيُّ الْخَلَائِقِ لَيْسَتْ فِيْ رِقَابِهِمْ
لِاَوَّلِيَّةِ هٰذَا اَوْ لَهُ نِعَمُ

خدا کے بندوں میں ہے کون ایسا جس کا سر
اسی گھرانے کے احسان سے ہوا ہو نہ خم

(٣٠) مَنْ يَعْرِفِ اللّٰهَ يَعْرِفْ اَوَّلِيَّةَ ذَا
فَالدِّيْنُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْاُمَمُ

خدا کو جانتا ہے جو اسے بھی جانتا ہے
اسی کے گھر سے ملا امتوں کو دین بہم

اس قصیدے کو سن کر ہشام غیظ وغضب سے پیچ وتاب کھانے لگا اور فرزدق کو قید کر دیا۔ حضرت امام زین العابدین ع کو اس کی خبر ہوئی - تو حضرت ع نے بارہ ہزار درہم فرزدق کے پاس بھیج دیئے مگر انہوں نے یہ کہہ کر

واپس کیا کہ میں نے یہ قصیدہ کسی صلہ کی طمع میں نہیں کہا ہے۔ اس کے جواب میں حضرتؑ نے کہلایا کہ ہم اہلبیت رسولؐ کا یہ دستور ہے۔ کہ کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر اُسے واپس نہیں لیتے۔ خدا تمہاری نیت سے واقف ہے اور وہی اس (حمایت دین) کا اجر دے گا۔ مجبوراً فرزدق نے وہ درہم قبول کر لئے۔ (نور الابصار ص ۱۴۱ و مجانی الادب جلد ۶ ص ۲۵۴ وصواعق محرقہ ص ۱۲۰ و وسیلۃ النجاۃ ص ۳۲۰ وغیرہ)

حضرتؑ کے علمی کمالات

بھی بے حد و حساب ہیں۔ جب آپ دربار یزید میں قید ہو کر تشریف لے گئے تو باوجودیکہ وہاں کی دیوار تک حضرتؑ کی دشمن تھی۔ مگر حضرتؑ نے اس فصاحت و بلاغت کا خطبہ ارشاد فرمایا جس سے شام والے متحیر ہو گئے اور ایسے موثر طریقے سے مقاصد وعظ و پند بیان فرمائے کہ سنگ دلوں کے دل بھی موم کی طرح پگھلنے لگے فرمایا اے اہل شام تم میں سے جو مجھے نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ میں فرزند رسولِ مختار ہوں۔ میں فرزند سرور اخیار ہوں۔ میں فرزند شہسوار میدان بل آتے ہوں۔ میں فرزند فاطمہ زہرا ہوں۔ میں سبط رسول حسن مجتبیٰ کا بھتیجا ہوں۔ میں نورِ دیدۂ مصطفےٰؐ سرورِ سینۂ مرتضیٰ، مبتلائے کرب و بلا حسینؑ شہید کربلا کا بیٹا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ اہل مجلس چیخ مار کر رونے لگے۔ یزید نے خائف ہو کر موذن کو اذان کہنے کا اشارہ کیا۔ موذن نے اُٹھ کر کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ یقیناً اللہ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے پھر موذن نے کہا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ حضرتؑ نے فرمایا سچ ہے میرا گوشت اور پوست اس بات کا گواہ ہے۔ پھر موذن نے کہا۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ اب تو حضرت زین العابدینؑ نے اپنے سر سے عمامہ اُتار کر پھینک دیا اور فرمایا اے موذن تجھے انہیں حضرت محمدؐ کی قسم ذرا ٹھہر جا۔ یہ کہہ کر یزید سے فرمایا اے معویہ کے بیٹے سچ بتا یہ محمد رسول اللہؐ میرے جد ہیں

یا تیرے ؟ اگر تو اپنا جد بتائے تو صریح جھوٹ ہے۔ اور اگر میرا جد ہے تو بتا تو نے میرے پدر بزرگوار کو جو بہترین آل رسولؐ تھے کیوں قتل کرایا۔ کیوں ان کی مخدرات عصمت و طہارت کو گنہگار قیدیوں کی طرح شہر بشہر پھرایا۔ کیوں مجھے یتیم کیا۔ اور کیوں میرے جد کے دین میں رخنہ ڈال دیا۔ یہ کہہ کر امام زین العابدینؑ نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو خدا کی قسم سچ بتاؤ کیا میرے سوائے تم میں کوئی ایسا ہے جس کا جد خدا کا رسولؐ اور حبیب ہو۔ حضرتؑ کی یہ تقریر سن کر اہل شام اس قدر روئے کہ ان میں سے اکثر بے ہوش ہو گئے۔ یزید ڈرا اور اس نے موذن کو اقامت کہنے کا حکم دے کر سب کو نماز میں مشغول کر دیا۔ (روضۃ الاحباب)

حضرتؑ کے علمی اور دینی کمالات کے لئے حضرتؑ کی مشہور کتاب صحیفہ کاملہ کافی ہے۔ جس کو زبور آل محمدؐ کہا جاتا ہے۔ جس کی ایک ایک دعا انسان کی معرفت کو آسمان پر پہونچاتی ہے۔ اور جس پر اگر انسان عمل کرے تو فرشتوں کے قریب پہونچ جائے۔ اس کتاب کی عربی زبان اور نورانی معنے دونوں ہی اپنی آپ نظیر ہیں۔

حضرت کا خشوع عبادت

حضرت جب وضو کرتے تو آپ کا رنگِ مبارک زرد ہو جاتا لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا تم جانتے نہیں کہ میں کس معبود کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں (صواعق محرقہ ص ۱۱۹)

ایک دفعہ حضرتؑ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ اس وقت سجدے میں تھے لوگ آگ آگ پکارنے لگے مگر حضرتؑ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ جب آگ بجھ گئی تو لوگوں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ آپ کو کس چیز نے اس آگ سے غافل کر دیا تھا؟ فرمایا آخرت کی آگ نے (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۱۴) ایک دفعہ حضرتؑ کھڑے نماز پڑھتے تھے اتنے میں آپ

کے صاحبزادے امام محمد باقر علیہ السلام جو ابھی بچے تھے کنویں میں گر گئے۔ حضرتؑ کی ماں نے شور کرنا شروع کیا کہ باقرؑ گر گئے اور دوڑ کر خود کنویں کے پاس آگئیں اور اس میں ڈوری وغیرہ پھینکنے لگیں۔ پھر حضرتؑ سے خطاب کرکے کہا اے فرزند رسولؐ آپ کے فرزند محمد (باقرؑ) کنویں میں گر گئے۔ مگر حضرت اب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اسی طرح نماز پڑھتے رہے جب اس میں دیر ہو گئی تو حضرتؑ کی بیوی نے کہا اے اہل بیت رسولؐ آپ لوگوں کے دل کس قدر سخت ہو گئے ہیں لیکن حضرتؑ اب بھی اُسی طرح نماز میں مشغول رہے جب اسے پورے کمال کے ساتھ ختم کر چکے تو بیوی کے ساتھ کنویں پر تشریف لائے۔ اور اپنا دست مبارک اس کے اندر بڑھا کر حضرت محمد باقرؑ کو نکال لیا۔ اور بیوی سے فرمایا اے خدا پر ضعیف یقین رکھنے والی اپنے بچے کو لو۔ آپ کی بیوی بچے کو صحیح و سالم دیکھ کر خوش تو ہو گئیں۔ مگر حضرتؑ کے قول "خدا پر ضعیف یقین رکھنے والی" سے رونے لگیں۔ تو حضرتؑ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر تم کو معلوم ہوتا کہ میں اُس جبار کے دربار میں حاضر تھا جس کی طرف سے اگر منہ موڑ لیتا تو وہ بھی میری جانب سے اپنی رحمت پھیر لیتا تو تم اس درجہ مضطرب نہ ہوتیں۔ بتاؤ تو خدا سے بڑھ کر رحم کرنے والا کون ہو سکتا ہے (مناقب جلد ۴ ص ۱۰۹)

حضرتؑ کی فقراء نوازی

اہل مدینہ کہا کرتے تھے۔ جب تک امام زین العابدینؑ زندہ رہے ہم سے پوشیدہ خیرات کم نہیں ہوئی (نور الابصار ص ۱۴۰) ابن عائشہ کہتا تھا کہ میں نے اہل مدینہ کو کہتے سنا کہ ہماری مخفی خیرات حضرت علی ابن الحسینؑ کی وفات سے بند ہو گئی۔ ابن اسحاق کہتا تھا کہ مدینہ کے بعض آدمی اپنا اپنا کھانا پایا کرتے لیکن ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کھانا کہاں سے پاتے ہیں اور کون اُن کو پہونچاتا ہے جب امام زین العابدینؑ کا انتقال ہو گیا تو رات کو ان فقیروں کو کھانا ان کے

مکان پر نہیں آیا تب وہ سمجھے کہ حضرتؑ لاتے تھے۔ سفیان کہتے تھے کہ رات کو حضرتؑ روٹیوں کا بورا یا تھیلا اپنی پیٹھ پر رکھ کر فقرا و مساکین کو خیرات بانٹتے پھرتے تھے۔ جب حضرت کی وفات پر لوگ غسل دینے لگے تو ایک سیاہ داغ حضرتؑ کی پشت مبارک پر نظر آیا پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے تو لوگوں نے بیان کیا کہ حضرتؑ ہر رات کو آٹے کا بورا اٹھا کر فقراء اہل مدینہ کو دیتے پھرتے تھے۔ اس طرح حضرت مدینہ کے کم از کم سو خاندانوں کا خرچ چلایا کرتے تھے۔ (نور الابصار ص۱۴۰)

حضرتؑ کے رعب کی حالت

سنہ ۶۳ ہجری میں اہل مدینہ نے متفق ہو کر یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی۔ یہ سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار سواروں کے ساتھ مدینہ والوں سے لڑنے کو بھیجا۔ اس نے آ کر ہنگامۂ قتال برپا کر دیا۔ تین دن تک قتل عام کر کے لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور عورتوں کے ساتھ زنا کیا اس واقعہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے حرام زادے بچے جنے۔ مسجد رسولؐ میں گھوڑے پھرائے گئے۔ جنہوں نے وہاں بول و براز کیا اور جو اہل مدینہ بچ گئے ان سے یزید کی غلامی کی بیعت لی گئی۔ جس نے انکار کیا وہ قتل ہوا۔ سوائے امام زین العابدینؑ کے چنانچہ جب حضرتؑ اس ظالم مسلم بن عقبہ کے پاس لائے گئے تو باوجودے کہ وہ حضرتؑ کو اور حضرتؑ کے بزرگوں کو برا کہہ رہا تھا۔ مگر حضرتؑ اس کے سامنے ہوئے تو وہ کانپنے لگا اور سرو قد تعظیم کر کے حضرتؑ کو اپنے برابر بٹھا لیا۔ اس کے بعد جب حضرتؑ وہاں سے واپس گئے تو لوگوں نے مسلم بن عقبہ سے پوچھا کہ جس وقت تک حضرت نہیں آئے تھے اس وقت تک تو حضرتؑ کو اور حضرتؑ کے بزرگوں کو برا کہہ رہا تھا۔ پھر کیا سبب ہے کہ حضرتؑ کے آنے پر تو نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی؟ مسلم بن عقبہ نے کہا میں نے قصداً ان کی

تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ ان کو دیکھتے ہی میرے دل پر ایسا رعب چھا گیا کہ میں اُن کی عزت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ (مروج الذہب بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۵۰)

اپنے دشمن سے حضرتؑ کا برتاؤ

شروع سنہ ۶۴ ہجری میں مسلم بن عقبہ نے مدینہ والوں کو قتل و غارت کر کے مکہ کی جانب رُخ کیا مگر بہت بیمار ہو گیا تھا۔ مکہ پہونچنے سے پہلے ہی راہ میں مر گیا اور اپنا قائم مقام حصین بن نمیر کو کر گیا۔ یہ ظالم حصین بن نمیر ایسا سخت دل تھا کہ بروز عاشورہ جب حضرت امام حسینؑ نہر فرات کے کنارے پہنچے تو اس نے تاک کر ایسا تیر حضرتؑ کی طرف پھینکا تھا جو دہانِ مبارک میں پیوست ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ اور بھی اس نے بڑے بڑے ظلم کئے تھے۔ پھر اس نے مکہ پہونچ کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کر کے آگ لگا دی۔ اور عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ کو چالیس دن گزر گئے تو دفعتہً یزید کے مرنے کی خبر آئی۔ اس کے بعد حصین مدینہ واپس آیا اور رات کو چند سواروں کے ساتھ مدینہ سے باہر گیا تاکہ اپنی فوج کی غذا کا سامان کرے۔ وہاں دیکھا حضرت امام زین العابدینؑ تشریف لاتے ہیں۔ اور حضرتؑ کے ساتھ اونٹ پر غذا کا سامان کافی ہے اس نے حضرتؑ کو نہیں پہچانا اور کہا مجھے اس سامان کی ضرورت ہے۔ میرے ہاتھ بیچ دو۔ حضرتؑ نے اسکو جواب دیا کہ یہ سامان بیچنے کا نہیں ہے۔ ہاں اگر تم کو ضرورت ہو تو یونہی سب لے لو۔ اس جود و سخا کو دیکھ کر حصین نے حضرتؑ سے پوچھا تم کون ہو؟ حضرتؑ نے فرمایا۔ میں علی بن الحسینؑ ہوں۔ پھر حضرتؑ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اُس نے کہا میں حصین بن نمیر ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرتؑ اسکو پہچان گئے۔ کہ یہ کربلا میں لشکرِ یزید کے ساتھ تھا۔ اور بڑے بڑے ظلم کئے تھے۔ مگر حضرتؑ نے ان باتوں کا کوئی خیال نہ کیا اور

اس سے پوچھا اب میں جاؤں ؟ اُس نے کہا نہیں۔ یزید مر گیا اور دنیا بے خلیفہ کے ہو گئی ہے لوگ ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جس کی بیعت کریں۔ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے تاکہ پوری دنیا کو آپ کا تابع کر دوں کیونکہ اس وقت روئے زمین پر آپ کے سوائے کوئی امام برحق نہیں ہے آپ ہی مسلمانوں کے بادشاہ ہوں۔ حضرت نے فرمایا میں نے خدائے عزوجل سے نذر کی ہے۔ کہ (ظاہری بادشاہت) قبول نہیں کروں گا۔ یہ فرما کر حضرتؑ نے اپنا اونٹ بڑھایا اور حصین بن نمیر کے خیمہ کے دروازے پر وہ کل سامان اتار کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ (تاریخ طبری فارسی مطبوعہ لکھنؤ ص ۶۴۴) غرض اسکو مفت کل سامان دے دیا۔

حضرات اہلبیتؑ کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ اس کا مفصل پتا نہیں ملتا۔ البتہ زراعت باز مینداری کا سلسلہ ضرور تھا۔ چنانچہ ابن عباسؓ بیان کرتے تھے۔ کہ حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں حضرت علیؑ کے پاس کہلایا کہ مدینہ چھوڑ کر اپنی زمین ینبع کی طرف چلے جائیے کہ آپ کے یہاں رہنے سے مجھے اذیت پہونچتی ہے۔ حضرتؑ نے یہ سنا تو فرمایا کہ میں تو اُن کے زخموں کا علاج کر رہا ہوں اور وہ اس خیال میں ہیں۔ غرض حضرتؑ مدینہ چھوڑ کر ینبع چلے گئے مگر بعد کو مخالفین کی اور زیادتی ہوئی تو حضرت عثمان نے حضرتؑ کو بلا بھیجا کہ آپ ہی سے میری یہ مصیبت ٹل سکتی ہے۔ (عقد فرید جلد ۲ ص ۲۱۶) مذکورہ بالا امور سے گمان ہوتا ہے۔ کہ ان حضرات کی طرف سے اس زمین کی آبادی ہوتی اور کھیتی کی جاتی تھی۔ چنانچہ جب واقعہ حرہ ۶۳ ہجری میں پیش آیا تو حضرت امام زین العابدینؑ نے بھی مدینہ چھوڑ کر وہیں اقامت فرمائی تھی۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۵)

حضرتؑ کا اپنے سخت اور خاندانی دشمن پر یہ احسان بھی سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے کہ جب ۶۳ھ میں مدینہ والوں نے یزید کے عامل کو مدینہ سے نکال دیا اور کل بنی اُمیہ کا محاصرہ کر کے اُن کے قتل و غارت

کا سامان کرنے لگے تو بنی امیہ نہایت پریشان ہوئے۔ خاندان اہلبیتؑ کا مشہور دشمن مروان بن حکم بھی (جو پہلے مدینہ کا حاکم تھا۔ اور جس نے ولید بن عتبہ سے کہا تھا کہ امام حسینؑ کو اسی وقت قتل کر دو ورنہ یہ ہاتھ نہیں آئیں گے) مدینہ میں تھا۔ وہ بھی بہت پریشان ہوا کہ اپنے اہل و عیال کو کیا کرے۔ کیونکہ مدینہ والے اس کے بچوں کو قتل کر دیں گے اور اسکی عورتوں کی ہتک حرمت کریں گے۔ تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس مصیبت میں اس نے حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ سے درخواست کی کہ میرے اہل و عیال کو اپنے ہاں پناہ دے دو مگر انہوں نے صاف انکار کیا۔ تب اس نے کریم ابن کریم اور جانشین رحمۃ للعالمین حضرت امام زین العابدینؑ سے درخواست کی کہ آپ میرے اہل و عیال کی زندگی بچالیں (سبحان اللہ تمام مومنین کی روحیں حضرتؑ پر فدا ہوں) حضرتؑ نے فرمایا ان لی حرمہا وحرمی یکون مع حرمک (میرے بھی اہل و عیال ہیں تمہارے اہل و عیال کے ساتھ ہی رہیں گے) مروان نے کہا جیسا آپ مناسب سمجھیں عمل میں لائیں۔ اس کے بعد مروان نے اپنی بیوی عائشہ کو (جو حضرت عثمان خلیفہ سوم کی بیٹی تھیں) اپنے دوسرے اہل و عیال کے ساتھ حضرت امام زین العابدینؑ کے پاس بھیجدیا۔ حضرتؑ زیادہ اطمینان کے خیال سے اپنے کل عیال اور مروان کے سب عیال کو ساتھ لے کر اپنی جائداد ینبع میں چلے گئے اور وہاں ان سب کو نہایت آرام و اطمینان سے رکھا اور پوری حفاظت کرتے رہے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۴۵)

معویہ بن یزید کا خطبہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ یزید کے فرزند معویہ کے خطبہ کا ترجمہ بھی درج کر دیا جائے۔ اس سے نہایت مفید تاریخی راز منکشف ہوتے ہیں۔ ۶۴ھ ہجری میں یزید مرگیا تو اس کا بیٹا معویہ خلیفہ بنایا گیا۔ اس نے ۴۰ روز اور بعض قول کے مطابق ۵ ماہ خلافت کی۔ اس کے بعد خود اپنے کو خلافت سے الگ کر لیا اس طرح

کہ اٹھا۔ اور منبر پر چڑھ کر دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر کہا لوگو! مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے کیونکہ میں تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی نہیں بلکہ بہت بڑی ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھ کو ناپسند کرتے ہو۔ اس لئے کہ میں تم لوگوں کی خلافت سے بڑے عذاب میں گرفتار ہوں اور تم لوگ بھی میری حکومت کے سبب سے گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو۔ سُن لو کہ میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کے لئے اُس بزرگ (حضرت علیؑ) سے جنگ و جدال کی جو اس خلافت کے لئے اُس سے کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے۔ اور وہ حضرت (علیؑ) اس خلافت کے لئے صرف معاویہ ہی سے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی افضل تھے۔ اس سبب سے کہ حضرتؑ کو حضرت رسول خدا صلعم سے قرابت قریبہ حاصل تھی حضرتؑ کے فضائل بہت تھے۔ خدا کے ہاں حضرتؑ کو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ حضرتؑ تمام صحابہ مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ عالم سب سے پہلے ایمان لانے والے سب سے اعلیٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسول خدا صلعم کی صحبت کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ ان فضائل و مناقب کے حضرتؑ جناب رسالت مآب صلعم کے چچا زاد بھائی۔ حضرتؐ کے داماد اور حضرتؐ کے (وہ دینی) بھائی تھے۔ (جن سے حضرتؐ نے کئی مرتبہ مواخات فرمائی تھی) آپ کا یہ درجہ تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی شادی آپ ہی سے کی کہ حضرت صلعم نے آپ ہی کو اپنی پسند سے اُن کا شوہر کیا اور اپنی بیٹی فاطمہؑ کو اپنی پسند سے آپ کی بیوی بنا دی۔ حضرت رسول خدا صلعم کے دونوں نواسے (حسنؑ و حسینؑ) جو جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار اور اس اُمت میں سب سے افضل اور پروردہ رسولؐ اور فاطمہؑ بتول کے وہ لال یعنی پاک و پاکیزہ درخت رسالت کے پھول تھے ان کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا (معاویہ) جس طرح سرکشی پہ آمادہ ہوا اُس کو تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ

جس گمراہی میں پڑے اُس سے بھی تم لوگ بیخبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے دادا کو اس کے ارادے میں کامیابی ہوئی اور اُس کی دُنیا کے سب کام بن گئے۔ مگر جب اُس کی اجل معلوم پہنچ گئی اور موت کے پنجوں نے اُس کو اپنے شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے۔ اور جو ظلم کر چکا تھا اُن سب کو اب اپنے سامنے پاتا اور جو شیطنت و فرعونیت اُس نے اختیار کر رکھی تھی اُن سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

پھر یہ خلافت میرے باپ یزید کے سُپرد ہوئی۔ تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا اسی ضلالت میں پڑا کہ میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنی اسلام کُش باتوں۔ دین سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم کی امت کا خلیفہ اور اُن کا سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پہ آمادہ ہو گیا اور اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا جس کے بعد اُس نے دُنیا میں جو اندھیر کیا اس سے زمانہ واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے تک پہ آمادہ ہو گیا اور حضرت رسولِ خدا سے اتنی بغاوت کی کہ حضرتؐ کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھ لی۔ مگر اس کی مدت کم رہی اور اس کا ظلم ختم ہو گیا وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور اپنے گڑھے (قبر) میں لیٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اس کی سفاکیوں کے نتیجے جاری اور اس کی خونریزیوں کی علامتیں باقی ہیں۔ اب وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ جہاں کے لئے اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا اور اپنے کئے پر نادم ہو رہا ہے۔ مگر کب؟ جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اس کی موت بھول گئے اور اس کی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے رہتے کاش معلوم ہو جاتا کہ وہاں اُس نے اپنے ظلموں کا کیا عذر تراشا

اور پھر اُس سے کیا کہا گیا۔ کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے؟ میرا گمان تو یہی ہے۔ اس کے بعد گریہ اس کے گلوگیر ہو گیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا اب میں اپنے خاندان (بنی امیہ) کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا ہوں حالانکہ جو لوگ مجھ پر (میرے دادا اور باپ کے ظلموں کی وجہ سے) غضب ناک ہیں اُن کی تعداد اُن لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں۔ (یعنی بنی امیہ کے مخالف زیادہ، موافق کم ہیں)

بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھلائے کہ میں تمہاری گمراہیوں کا طوق پہنے ہوتے اور تمہاری برائیوں کے بار سے لدا ہوا اُس کی درگاہ میں پہنچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اقتدار ہے اسے مجھ سے لے لو اور جس کو پسند کرو اپنا بادشاہ بنا لو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں پر سے اپنی بیعت اٹھا لی۔ والسلام۔

جس منبر پر معویہ بن یزید یہ خطبہ بیان کرتا تھا اُس کے نیچے مروان بن حکم بھی موجود تھا۔ خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا، کیوں ابو لیلےٰ (یہ ابو لیلےٰ معویہ بن یزید کی کنیت تھی) کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے؟ (کہ جس طرح انھوں نے اپنے بعد خلافت کو شوریٰ کے حوالہ کر دیا تھا۔ تم بھی اسے شوریٰ کے سپرد کرتے ہو) اس پر معویہ بولا۔ آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نے تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزہ نہیں پایا۔ البتہ اس کی تلخیاں برابر چکھتا رہا ہوں (عمر کے شوریٰ کی جو مثال تم نے ذکر کی تو) جیسے لوگ عمر کے زمانے میں تھے ویسے ہی لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں جس تاریخ سے کہ انھوں (عمر) نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا اور جس بزرگ (حضرت علیؑ) کی عدالت میں کسی قسم کا شک و شبہ کسی کو ہی نہیں سکتا تھا ان کو اس سے ہٹا دیا اُس وقت سے وہ (حضرت عمر) بھی ایسا کرنے کی وجہ سے کیا ظالم نہیں سمجھے گئے؟ خدا کی قسم اگر

خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے یہی نقصان اٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا۔ اور اگر خلافت کوئی اور وبال کی چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی حاصل ہوئی وہی کافی ہے۔

یہ کہہ کر معویہ منبر سے اتر آیا۔ پھر اس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کاش تو حیض ہی میں ختم ہو گیا ہوتا اور میں نے تیرے پیدا ہونے کی خبر بھی نہیں سنی ہوتی۔

معویہ بولا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد بنی امیہ اس کے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اس کو خلافت سے الگ کیا اور علیؑ اور ان کی اولاد کی محبت اس کے دل میں راسخ کر دی ہے۔ غرض اس نے ہم لوگوں کے جو عیوب و مظالم بیان کیے ان سب کا باعث یہی ہے۔ اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اس کی نظر میں پسندیدہ قرار دیا ہے جس پر اس نے یہ خطبہ بیان کیا اور کہا جو کچھ کہا مگر مقصوص نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ معویہ بن یزید بچپن ہی سے حضرت علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے لیکن ان لوگوں نے اس بیچارے کا کوئی عذر نہیں سنا اور قبر کھود کر اس کو زندہ دفن کر دیا۔ (تحریر الشہادتین صـ ۱۰۳ صواعق محرقہ صـ ۱۳۴ حیوۃ الحیوان جلد ۱ صـ ۵۵ تاریخ خمیس جلد ۲ صـ ۳۳۲ وغیرہ)

بروایت حبیب السیر معویہ بن یزید نے یہ بھی کہا کہ "مجھے یہ خلافت مناسب نہیں ہے۔ مجھے واجب ہے کہ تم کو بتا دوں کہ حضرت علی بن الحسینؑ امام زین العابدینؑ مجھ سے اس کے بہت زیادہ مستحق ہیں کیونکہ کوئی ان میں کسی طرح کا عیب نہیں نکال سکتا۔ اگر چاہو ان کو خلیفہ بنا لو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ قبول نہیں کریں گے۔"

مختار علیہ الرحمہ کی خواہش کہ حضرتؑ کی بیعت کریں

جناب مختار علیہ الرحمہ نے بھی جب وہ قاتلان امام حسینؑ سے انتقام لینے کیلئے آمادہ ہوئے چاہا کہ حضرتؑ کی بیعت کریں اور اس کے لئے حضرتؑ کو لکھا بھی مگر حضرتؑ نے اس سے انکار کیا۔ (مروج الذہب جلد ۷ ص ۱۵۵)

حضرتؑ کا اپنے والد کے دین کو ادا کرنا

حضرت امام حسین علیہ السلام ۷۵ ہزار دینار کے مقروض تھے۔ حضرت شہید ہو چکے اور حضرت زین العابدینؑ قید سے چھوٹ کر مدینہ میں آئے تو آپ کو حضرتؑ کا قرض ادا کرنے کی بڑی فکر ہوئی مگر کوئی سامان نظر نہیں آتا تھا جس سے حضرتؑ نہایت درجہ محزون و مغموم رہتے تھے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے تم اس قرض کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ تمہارے اس کو تخنس کے مال سے ادا کرنے کا سامان کر دیا۔ حضرت بیدار ہوئے تو گھبرائے اور فرمایا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ میرے والد صاحب کے مال میں کوئی ایسی چیز تھی جس کو تخنس کا مال کہتے ہوں۔ یہ کیا چیز ہے اور کہاں ہے۔ جب دوسری رات آئی تو پھر ویسا ہی خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو حضرتؑ نے اپنے گھر والوں سے وہ خواب بیان کیا۔ اس پر ایک بیوی نے کہا کہ آپ کے پدر بزرگوار کا ایک رومی غلام تھا جس کا نام تخنس تھا۔ اس نے حضرتؑ کے لئے مقام ذی خشب میں پانی کا ایک چشمہ نکالا تھا۔ تب حضرتؑ نے اس چشمہ کی جستجو شروع کی۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد اس کا پتا مل گیا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے حضرتؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار کا ایک چشمہ مقام ذی خشب میں ہے جو تخنس کے نام سے مشہور ہے۔ اگر آپ اس کو بیچنا چاہیں تو میں خرید سکتا ہوں۔ حضرتؑ نے اس کو جواب بھیجا کہ ہاں میں بیچتا ہوں اس کو میرے والد کے قرض کے عوض لے لو۔ ولید نے کہلا بھیجا کہ ہاں میں نے

لے لیا۔ اور اس میں سے جناب سکینہؑ کے لئے ہفتہ کی رات کا پانی کھینچا مختص کردیا (کہ اس رات کو اس چشمہ سے پانی نکالنے کا حق ولید کو نہیں ہے گا بلکہ اس رات میں صرف جناب سکینہ کے لیے پانی نکالا جائے گا اور اس قدر حصہ کی مالک جناب سکینہ خود رہیں گی) (بحار الانوار جلد ۶ و وفاء الوفاء مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۴۹)

حضرتؑ کی دعائیں نہایت معرفت آفریں اور رقت انگیز ہوتی تھیں۔ صحیفہ کاملہ اور اعمال سالانہ کی دعائیں خصوصاً دعاء ابوحمزہ ثمالی (جو حضرتؑ ماہ صیام میں سحر کے وقت پڑھتے تھے) وغیرہ اپنی آپ نظیر ہیں حضرتؑ کی وہ دعا بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ تو اس سے تاکید کردی تھی۔ کہ امام زین العابدینؑ سے اچھا برتاؤ کرنا۔ مگر مسلم بن عقبہ مدینہ میں آیا تو حضرتؑ کو بہت اذیت پہنچانے کا ارادہ کیا۔ جب اس نے نہایت غیظ و غضب کی حالت میں حضرتؑ کو اپنے یہاں بلایا تو حضرتؑ وہاں تشریف لے گئے۔ مگر وہ حضرتؑ کو دیکھ کر کانپنے لگا۔ اور بڑی تعظیم کرکے اپنے پاس بٹھایا اور کہا حضور اپنی حاجتیں مجھ سے فرمائیں کہ میں پوری کردوں۔ مگر حضرتؑ نے اس سے کسی بات کی خواہش نہیں کی۔ البتہ مظلوموں اور بے کسوں کی سفارش اور خوں ریزی روکنے کی خواہش کی جس کو اس نے منظور کیا۔ پھر حضرتؑ وہاں سے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کی حضور وہاں تشریف لے گئے تو حضور کے دونوں لب ہلتے تھے۔ حضور کیا پڑھتے تھے؟ فرمایا اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ۔ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ۔ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ رَبَّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَاَدْرَءُ بِكَ فِيْ نَحْرِهٖ اَسْأَلُكَ اَنْ تُؤْتِيَنِيْ خَيْرَهٗ وَتَكْفِيَنِيْ شَرَّهٗ۔ اے وہ خدا جو ساتوں آسمان کا پروردگار ہے اور ان چیزوں کا بھی جن کو یہ سب اٹھائے ہوئے ہیں۔ اے عرش عظیم کے پروردگار۔ اے حضرت محمدؐ اور حضرتؐ کی اولاد

طاہرؑ کی پروردگار۔ میں اس ظالم کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور تیری مدد سے اس کی دگرگی میں دھکا دیتا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ کہ یہ میرے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور تو مجھے اس کی برائیوں سے محفوظ رکھ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم بن عقبہ کی حالت ہی بدل گئی۔ اور گویا وہ حضرتؑ کا غلام ہو گیا۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص ۱۵۱)

عمر بن عبدالعزیز اور حضرتؑ

عمر بن عبدالعزیز جو بعد میں خلیفہ بھی ہوا اس کی گورنری کے زمانہ میں روضۂ رسول خدا صلعم کی دیوار گر گئی اور روضہ کی دوبارہ مرمت ہونے لگی تو اس خیال سے کہ کوئی مقدس بزرگ حضرتؑ کی قبر مبارک پر کی مٹی معاف کر دیں عمر بن عبدالعزیز نے حضرتؑ سے خواہش کی کہ آپ اس زحمت کو قبول کریں مگر اس شرف کو حاصل کرنے کے لئے قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بھی کھڑے ہو گئے تو عمر بن عبدالعزیز نے سب کو روک دیا۔ (وفاء الوفاء ص ۳۸۶ جلد ۱)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ

حضرتؑ کے زمانہ میں بنی امیہ کی سلطنت رہی سنہ ۶۰ ہجری سے سنہ ۶۴ ہجری تک مروان بن الحکم۔ پھر سنہ ۶۵ ہجری سے سنہ ۸۶ ہجری تک عبدالملک بن مروان۔ پھر سنہ ۹۶ ہجری سے سنہ ۹۶ ہجری تک ولید بن عبدالملک خلیفہ رہا۔

حضرتؑ کی وفات

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے حضرتؑ کو زہر دے دیا جس سے حضرتؑ نے ۲۵ محرم سنہ ۹۵ ہجری (سنہ ۷۱۴ء) کو مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰)

حضرتؑ کی اولاد و ازواج

حضرتؑ کی پہلی بی بی آپ کی چچازاد بہن فاطمہ ام عبداللہ دختر امام حسنؑ تھیں۔ ان سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (۲) دوسری بیوی سے عبداللہ دحسنؑ

وحسین پیدا ہوئے۔ (۳) تیسری بی بی سے زید و عمر پیدا ہوئے۔ (۴) چوتھی بی بی سے حسین اصغر و عبدالرحمان و سلیمان پیدا ہوئے۔ (۵) پانچویں بی بی سے علی و خدیجہ پیدا ہوئیں۔ (۹) چھٹی بی بی سے محمد اصغر ہوئے۔ (۸) ساتویں بی بی سے فاطمہؑ علیہ اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اس طرح آپ کے ۱۱ بیٹے اور ۴ بیٹیاں تھیں۔

جناب زید

حضرت امام زین العابدینؑ کے فرزند جلیل القدر تھے۔ آپ کے مناقب بیحد و شمار ہیں۔ آپ کو حلیف القرآن (قرآن مجید کے ساتھی) کہتے تھے۔ چونکہ عراق کا گورنر یوسف بن عمر ثقفی بنی ہاشم پر بڑے بڑے ظلم کرتا تھا۔ اس وجہ سے جناب زید اُس زمانہ کے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس داد خواہی کو گئے۔ مگر وہ بہت بے عنوانی سے پیش آیا۔ آپ نے اس کو سلام کیا تو اُس نے کہا خدا تم کو سلامت نہ رکھے۔ اس پر جناب زید نے کہا اتق اللہ۔ اے خلیفہ خدا سے ڈرو۔ ہشام نے فرعونیت سے کہا واہ تمہارے جیسا آدمی بھی ہمارے ایسے بادشاہ کو خدا سے ڈرنے کے لئے کہتا ہے؟ جناب زید نے فرمایا جو شخص بھی کسی کو خدا سے ڈرنے کے لئے کہتا ہے اُس سے بڑا کون شخص ہو سکتا ہے اور اُس شخص سے بھی بُرا کون ہوگا جس کو لوگ خدا سے ڈرنے کو کہیں۔ اب تو ہشام جھلاّ گیا اور کہا تم ہی وہ ہو جو خلافت کی خواہش رکھتے ہو حالانکہ تمہاری ماں لونڈی تھی۔ جناب زید نے کہا ماں کے ...... لونڈی ہونے سے لڑکوں کی عزت و جلالت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت اسمٰعیلؑ پیغمبر کا درجہ بھی حقیر ہوتا کیونکہ ان کی ماں بھی لونڈی تھیں) اور خدا انکو پیغمبر نہ بناتا اور سیّد اوّلین و آخرین حضرت رسول خدا صلعم کو اُن کی نسل سے پیدا نہیں کرتا۔ پس جب حضرت اسمٰعیل جو حضرت ابراہیمؑ کے فرزند خدا کے پیارے پیغمبر اور حضرت رسول خدا صلعم کے جدّ اعلیٰ تھے لونڈی زادے ہونے سے کم درجہ کے نہیں ہو سکتے تو میں حضرت رسولِ خدا صلعم کا پوتا جناب سیّدہؑ کا جگر بند اور حضرت امام زین العابدینؑ کا فرزند ہو کر صرف لونڈی زادہ ہونے سے کیونکر کم درجہ کا ہونگا؟ ہشام نہایت

استدلال سن کر کیا جواب دے سکتا تھا۔ پہلو بدل کر بولا۔ تمہاری مجال ہوگئی کہ میری باتوں کا جواب دینے اور مجھ سے بحث کرتے ہو۔ اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو دربار سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ جناب زید وہاں سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ فرماتے تھے۔ ما احب الحیاۃ احد الا ذل جس شخص نے بھی دنیا کی زندگی دوست رکھی وہ ضرور ذلیل ہوا۔ وہاں سے آپ کوفہ تشریف لائے اور اپنے رشتہ داروں کی صلاح و مشورہ کے برخلاف ۱۲۱ھ میں عراقیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے کو ہشام کی حکومت سے علیحدہ ظاہر کیا۔ چالیس ہزار کوفی آپ کے ساتھ ہوگئے۔ مگر کوفہ والوں کی بیوفائی تو مشہور ہے۔ عین موقع جنگ پر ان کوفیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو آپ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا یا قوم رفضتمونی اے قوم تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا (اسی سبب سے کوفہ کے وہ لوگ رافضی کہے جانے لگے جو درحقیقت کوفہ کے بیوفاؤں کا لقب قرار پایا۔ مگر جس طرح حضرت رسول خدا ؐ کے دشمن حضرتؐ کو ابن کبشہ کہتے تھے اسی طرح اب شیعیان حضرت علیؑ کو ان کے مخالف بھی رافضی کہنے لگے ہیں جو بالکل بے عقلی اور جہالت کی بات ہے) غرض ۱ر صفر ۱۲۲ھ ہجری (سنہ ۷۴۰ء) کی رات میں جناب زید نکلے اور خلیفہ کی فوجوں کو شکست دینی شروع کی لیکن وہ چونکہ نہایت کثرت سے تھی اور آپ کے ساتھ بہت کم لوگ رہ گئے تھے آپ کی فوج قتل ہونے لگی مگر آپ اسی طرح نہایت شجاعت سے مقابلہ کرتے رہے۔ اسی اثناء میں ایک تیر آیا جو آپ کی پیشانی میں لگ گیا اور آپ گھوڑے سے زمین پر گر گئے تو آپ کا ایک خادم فوراً آپ کو اپنے کندھے پر اٹھا کر میدان سے لے گیا اور ایک شخص کے گھر رکھ کر جراح بلا کر ان کا علاج کرانے لگا مگر زخم کاری لگا تھا آپ نے اس سے انتقال کیا۔ پھر آپ کے خادموں نے مخفی طور پر ایک قبر کھود کر اس میں آپ کو دفن کر دیا اور اس پر پانی جاری کر دیا کہ کسی کو اس کا پتا نہ ملے۔ مگر ہشام کے سردار فوج یوسف بن عمر نے بہت کچھ

تلاش کے بعد آپ کی قبر کا پتا پالیا اور آپ کی نعش مبارک اس سے نکال کر سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیج دیا اور باقی جسم کو سُولی پر چڑھا دیا جو چار سال تک اسی طرح سُولی پر چڑھا رہا۔ اس کے بعد وہ نعش جلا کر اسکی خاکستر دریائے فرات میں بہا دی گئی۔ جب جناب زید شہید کر کے سُولی پر چڑھائے گئے تو ایک شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا اس درخت سے (جس پر جناب زید کو سُولی دی گئی تھی) تکیہ کئے ہوئے فرماتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون افسوس یہ لوگ میرے بیٹے کے ساتھ یہ ظلم کر رہے ہیں (عمدۃ الطالب صہ ۲۴۸) اس وقت آپ کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اس حساب سے آپ کی ولادت ۸۰ھ میں معلوم ہوتی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب جناب زید شہید کا بدن دار پر چڑھایا گیا تو مکڑی نے جالا لگا کر ان کی شرم گاہ کو چھپا دیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صہ ۲۵۰) آپ کی شہادت پر مضحکہ کرتے ہوئے ایک شخص نے دو شعر کہے جس سے آپ کی مذمت مقصود تھی۔ حضرت امام جعفر صادق نے ان شعروں کو سُنا تو دعا فرمائی کہ اے خدا اگر شعر کہنے والا جھوٹا ہے تو اس پر تو اپنے درندے کو مسلط فرما دے۔ اس کے کچھ دنوں بعد یہ شخص کوفہ کی طرف جانے لگا تو راستہ میں ایک شیر آیا اور اس کو پھاڑ ڈالا۔ حضرت امام جعفر صادق نے سُنا تو فرمایا الحمد للہ الذی انجزنا ما وعدنا۔ اس خدا کا شکر جس نے وہ بات پوری کر دی جس کا مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ (صواعق محرقہ صہ ۱۳۱)

جناب یحییٰ بن زید جناب زید کے چار بیٹے تھے۔ ان میں جناب یحییٰ کی شجاعت کا وہ کارنامہ تاریخ کے اوراق میں مذکور ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ آپ کی والدہ کا نام ریطہ تھا جو جناب محمد بن الحنفیہ کی پوتی تھیں۔ جب جناب زید شہید ہو گئے تو آپ کے یہی صاحبزادے یحییٰ ہشام کے خوف سے مدائن کی طرف چلے گئے۔ ہشام کے سردار فوج یوسف بن عمر ثقفی نے آپ کو گرفتار کرنے کی غرض سے ایک

فوج مدائن کی طرف بھیجدی۔ تب آپ وہاں سے رے کی طرف روانہ ہو گئے پھر وہاں سے نیشاپور کی طرف کوچ کر گئے۔ وہاں پہونچے تو وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں میں ٹھہروں تو لوگ مجھے جگہ دیں گے۔ مگر لوگوں نے جواب دیا کہ یہ وہ شہر ہے جہاں حضرت علیؑ کا کوئی موافق نہیں ملے گا۔ تب آپ وہاں سے بھی رخصت ہوئے اور سرخس میں جاکر چھ مہینہ تک یزید بن عمر تمیمی کے پاس مقیم رہے یہاں تک کہ خلیفہ ہشام مرگیا اور ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ اس وقت یوسف بن عمر نے نصر بن سیار کو لکھا کہ یحییٰ بن زید اس طرف چلے گئے ہیں اور اس وقت حریش کے مکان میں ہیں۔ ان کو گرفتار کرو۔ اور خوب سختی کرو۔ یہ خط پاکر نصر بن سیار نے عقیل کو لکھا کہ حریش کو گرفتار کرو اور اس سے کہو کہ جب تک وہ یحییٰ بن زید کو حوالہ نہیں کرے گا، چھوڑا نہیں جائے گا۔ عقیل نے حریش کو بلا کر یحییٰ کا پتا پوچھا۔ اس نے کہا میں کیا جانوں۔ اس پر حریش کو چھ سو کوڑے لگوائے۔ مگر سبحان اللہ حریش نے اس سزا کے بعد بھی کہا خدا کی قسم اگر یحییٰ بن زید میرے دونوں قدموں کے نیچے بھی چھپے ہوں تو میں اپنے قدم تک نہیں اٹھاؤں گا۔ اور کسی طرح ان کا پتا نہیں لگنے دوں گا۔ تیرے اختیار میں جو ہو کرلے۔ مگر حریش کے بیٹے نے عقیل سے کہا میرے باپ کو قتل نہ کرو وہ نہیں بتاتے تو میں یحییٰ کا پتا بتا دیتا ہوں۔ غرض اس نے ایک مکان کے کمرے کے اندر جو کوٹھری تھی۔ اس کے اندر سے جناب یحییٰ کو گرفتار کرا دیا۔ عقیل نے انہیں نصر بن سیار کے پاس روانہ کر دیا۔ نصر بن سیار نے ان کو اپنے ہاں قید کرکے یوسف بن عمر کو خبر دی۔ اس نے خلیفہ ولید کو اطلاع دی کہ یحییٰ بن زید گرفتار ہو گئے۔ ولید نے نصر بن سیار کو لکھ بھیجا کہ یحییٰ کو چھوڑ دو۔ نصر نے چھوڑ دیا تو آپ اس کے پاس سے روانہ ہو کر مقام سرخس میں چلے گئے۔ وہاں کا حاکم عبداللہ بن قیس تھا۔ نصر بن سیار نے اس کو لکھا کہ یحییٰ کو وہاں سے نکال دو اور طوس کے حاکم کو بھی لکھا کہ

یحیٰی اُدھر سے گزریں تو چھوڑ دہیں بلکہ بڑے سپہ سالار فوج عمر بن زرارہ کے حوالہ کر دو۔ عبداللہ بن قیس نے آپ کو سرخس سے نکال دیا۔ غرض بیچارے عجیب مصیبت میں تھے۔ کہ بنی اُمیہ کے کل افسران فوج اور صوبوں کے گورنر ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ بیچارے کو کہیں ٹھہرنے نہیں دیتے جس جگہ پہونچتے وہاں سے نکال دیتے اور گرفتار کر کے دوسری جگہ بھیج دیتے۔

آخر آپ ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ اُس طرف کے سپہ سالار اعظم عمرو بن زرارہ کے مقابلہ پر چلے۔ عمرو بن زرارہ کو یہ خبر ملی۔ تو اُس نے نصر بن سیار کو لکھا۔ نصر بن سیار نے عبداللہ بن قیس اور حسن بن زید کو لکھا کہ جلد اپنی فوجوں کو لے کر عمرو بن زرارہ کے پاس جائیں اور یحیٰی کا مقابلہ کریں۔ غرض ہر طرف سے سرداران فوج اپنا اپنا لشکر لے کر بڑے سپہ سالار عمرو بن زرارہ کے پاس جمع ہو گئے۔ سب کی فوجوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بیچارے یحیٰی بن زید سے جنگ کے لئے دس ہزار فوج جمع ہو گئی ہے۔ ان سب کے مقابلہ پر جناب یحیٰی اس بے کسی سے نکلے کہ آپ کے ساتھ صرف ۷۰ آدمی تھے۔ مگر جناب یحیٰی نے اس عظمت سے جنگ کی کہ خلفاء بنی امیہ کے اس عظیم الشان لشکر کو جس میں دس ہزار سوار و پیادے بھی تھے۔ آلات حرب بھی تھے۔ سامان جنگ بھی کافی تھا غرض پوری شاہی قوت تھی۔ باوجود اپنی فقیری۔ ناداری اور بے ساز و سامان ہونے کے پوری شکست دے دی۔ سب کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس کثرت سے خلیفہ کی فوج ماری گئی کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اُن کی سواری کے بکثرت جانور جناب یحیٰی کے قبضہ میں آئے۔ بقیہ فوج بھاگ گئی۔ اور سب کے سردار عمرو بن زرارہ تک کا سر آپ نے کاٹ لیا۔ اُس وقت آپ کی عمر صرف ۱۸ سال کی تھی (تاریخ طبری جلد ۸ صنہ ۳۰ مطبوعہ مصر)

قابلِ غور یہ امر ہے کہ ایک طرف پوری شہنشاہی صولت و شوکت۔ دولت و قوت تھی۔ خزانے کا منہ کھلا ہوا تھا۔ ہر جگہ رسد کا کافی سامان تھا۔ ہر قسم کے ہتھیار جنگ کی فراوانی تھی۔ سوار و پیادے مضبوط مطمئن اور سیر تھے اور دس ہزار کی جماعت تھی جو سب تجربہ کار اور فنونِ جنگ میں ماہر تھے۔ ان میں متعدد سپہ سالار فوج بھی تھے۔ دوسری طرف جناب یحییٰ جو صرف ۱۸ سال کے کمسن جوان تھے۔ اور ان کے ساتھ صرف معمولی ۷۰ آدمی تھے وہ بھی ناتجربہ کار فنونِ جنگ سے ناواقف اور ان بیچاروں کے پاس کوئی قوت نہیں۔ کسی قسم کی طاقت نہیں۔ نہ دولت موجود۔ نہ رسد کا انتظام۔ نہ آلاتِ جنگ پر اختیار پھر وہ کون سی قوت تھی جس کی وجہ سے جناب یحییٰ صرف ۷۰ آدمیوں کے ساتھ دس ہزار فوج پر کامیاب ہو گئے اور ایسی زبردست کامیابی کہ سب سے بڑے سردار فوج عمرو بن زرارہ تک کو قتل کر ڈالا۔ ماننا پڑتا ہے کہ کل انسانی فضائل میں خاندان بنی ہاشم دنیا میں بے مثل و نظیر خاندان گزرا ہے جس کا کسی صفت میں کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مگر جناب یحییٰ کو اب بھی اطمینان نہیں ہوا۔ آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور ہرات کی طرف آئے تو سلطنت بنی امیہ کے دوسرے گورنر اور سردار فوج آپ کے دشمن ہوئے اور ہر مقام پر آپ کو قتل کرنے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ مقام جوزجان پر پھر سلطنت بنی امیہ کی فوجوں اور جناب یحییٰ سے جنگ ہوئی۔ اور ۱۲۵ ہجری میں آپ قتل کئے گئے۔ آپ کا سر کاٹ لیا گیا پھر آپ کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں کاٹ کر آپ کے بدن کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور آپ کے تمام لباس لوٹ لئے گئے۔ جب آپ کے قتل ہونے کی خبر ولید کو ملی تو اس نے اپنے نائب یوسف بن عمر کو لکھا کہ عراق کے اس بچھڑے (جناب یحییٰ) کی لاش کو سولی پر سے اُتار کر جلا دو۔ پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دو۔ یوسف نے آپ کی نعش سولی پر سے اُتار کر آگ میں جلائی۔ پھر اس ہتھوڑے

وغیرہ سے کوٹ کوٹ کر ریزہ کیا۔ پھر اس کو ایک تھیلے میں بھر کر ایک کشتی میں رکھوایا اور ایک شخص کو حکم دیا کہ دریائے فرات میں کشتی کو گھماتے پھرو اور ایک ایک مٹھی راکھ اس میں سے نکال کر ہر طرف دریا میں پھینکتے جاؤ۔ چنانچہ اس کی پوری تعمیل کی گئی۔ (تاریخ طبری جلد ۸ صفحہ ۳۰۱)

جناب عیسیٰ بن زید

آپ بھی جناب زید کے صاحبزادے اور بڑے بہادر تھے۔ آپ کو مؤتم الاشبال (شیر کے بچوں کا یتیم کرنے والا) بھی کہتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ نے ایک شیرنی کو جس کے کئی بچے تھے، مار ڈالا اور اس کے بچوں کو یتیم کر دیا تھا۔ آپ خلفاء جور کے خوف سے ادھر ادھر چھپتے پھرتے تھے۔ ایسے عبادت گذار تھے کہ پیشانی پر سجدے کا گھٹا پڑا ہوا تھا۔ جب چلتے ہر قدم پر خدا کی تکبیر، تسبیح، تہلیل تقدیس کہتے جاتے۔ خلفاء زمانہ اس درجہ آپ لوگوں کے خون کے پیاسے تھے کہ آپ اپنا نام و نسب بھی ظاہر کرنے کا موقع نہیں پاتے تھے۔ کوفہ میں پانی کھینچنے کا کام اختیار کر لیا تھا۔ اور وہیں ایک عورت سے شادی کر لی تھی۔ مگر وہ عورت یا اس کے خاندان والے تک نہیں جانتے تھے کہ آپ کون ہیں۔ کس خاندان سے ہیں اور کس عزت و شرف پر فائز ہیں۔ اس عورت سے آپ کے ایک بیٹی پیدا ہوئی جو بڑی ہو کر شادی کے قابل ہو گئی مگر آپ اس وقت تک بھی اپنی بی بی یا بیٹی سے یہ نہ ظاہر کر سکے کہ آپ کون ہیں۔ اس وقت آپ ایک خاندانی ذلیل اور کم نسب مگر دنیوی اعتبار سے مال دار اور خوش حال بہشتی کے ہاں ملازم تھے۔ کہ معمولی تنخواہ پاتے اور کسی طرح زندگی کے دن کاٹتے۔ اس بہشتی کا ایک لڑکا تھا۔ جو جوان ہوا تو اس بہشتی اور اس کی بیوی نے رائے کی کہ اسی مزدور (جناب عیسیٰ) کی لڑکی سے اس کی شادی کی جائے کیونکہ دونوں نے دیکھا تھا۔ کہ جناب عیسیٰ اپنی صلاح و عبادت و تقویٰ وغیرہ صفات میں ممتاز ہیں۔ مگر وہ دونوں جناب عیسیٰ کو

پہچانتے نہیں تھے سمجھتے تھے کہ کوئی معمولی مزدور ہے غرض دونوں نے اپنی خواہش جناب عیسیٰ کی عورت سے بیان کردی۔ وہ تو اس پر خوشی سے پھولی نہیں سمائی (خیال کیا کہ میری لڑکی کیسی خوش قسمت ہے جس کی شادی میرے مالک کے لڑکے سے ہو گی) جب جناب عیسیٰ گھر پر آئے تو اس عورت نے ان سے بھی کہا کہ لو بیٹی کی تقدیر چمک گئی ہم لوگوں کی عزت کس درجہ بڑھ گئی کہ جس مالک کے ہاں تم نوکر ہو اُس نے اپنے لڑکے سے تمہاری لڑکی کا پیغام دیا ہے۔ جناب عیسیٰ نے سُنا تو دل میں غیرت سے گڑ گئے (کہ ہائے آج خاندان رسول کی مصیبت اور ذلت اس درجہ کو پہونچ گئی کہ میری بیٹی کی شادی اس بھشتی کے لڑکے سے مقرر ہوتی ہے) مگر اُس عورت سے کیا کہہ سکتے تھے چُپ رہے لیکن تنہائی میں خدا سے دعا کی کہ اے اللہ میری بیٹی کو تو دُنیا سے اُٹھا لے تاکہ یہ اس بھشتی کے لڑکے سے نہ بیاہی جائے اور میں رسولِ خدا صلعم کی اس پارۂ جگر کو اس طرح ذلیل کر کے رسول خداؐ سے شرمندہ نہ ہوں ان کی دعا فوراً مقبول ہوئی۔ اُسی روز وہ لڑکی مر گئی۔ اور اس ذلیل نسبت سے بچ گئی۔ جب وہ مر گئی۔ تو جناب عیسیٰ بہت روئے بہت حُزن و ملال کیا اور بہت بے چین رہے۔ آپ کے بعض رازدار احباب وہاں موجود تھے۔ جو آپ کے نام و نسب اور اصلی حالت سے باخبر تھے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر ہم سے کوئی پوچھتا کہ زمین پر سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو تمہارے سوائے کسی کا نام نہیں لیتے مگر تمہاری یہ حالت ہے کہ ایک لڑکی کے مرنے پر اس درجہ روتے ہو۔ جناب عیسیٰ نے کہا خدا کی قسم میں اس پر جزع کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس افسوس کی وجہ سے روتا ہوں۔ کہ وہ مر گئی مگر یہ تک نہ جان سکی کہ وہ حضرت رسول خدا صلعم کے جگر کا ٹکڑا تھی۔ آپ نے یہ اس وجہ سے کہا کہ وہ اپنے کو اپنی بی بی اور بچی سے بھی چھپائے ہوئے تھے اس خوف سے کہ کہیں آپ کا راز فاش نہ ہو جائے اور سلطنت کے لوگ

واقف ہو کر آپ کو گرفتار نہ کر لے جائیں۔ آپ نے اسی گمنامی میں حج بھی کیا۔ اس سفر میں سفیان ثوری بھی تھے ایک جگہ سفیان ثوری کو معلوم ہو گیا کہ آپ عیسیٰ بن زید ہیں۔ تو انہوں نے آپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں آپ کو بٹھایا اور خود آپ کے سامنے مثل شاگرد کے بیٹھے۔ (عمدۃ المطالب ص ۲۷۸)

محمد بن زید جناب زید کے ایک اور صاحبزادے محمد کا اپنے دشمن زادے پر ایسا عظیم الشان احسان کتابوں میں مرقوم ہے کہ اس کی مثال بھی دنیا میں نہیں ملتی۔ خلیفہ ہشام نے آپ کے والد جناب زید کو جس ظلم سے شہید کیا اوپر بیان کیا گیا۔ پس جناب محمد کو ہشام کی اولاد سے جو فطری دشمنی ہوتی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ مگر انہوں نے کیا کیا۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہو گا۔ بنی عباس نے خاندان بنی امیہ کے ایک ایک شخص کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کیا اور شاذ و نادر کوئی بچ سکا مگر خلفاء بنی عباس پھر بھی ان کی فکر میں لگے رہے۔ اسی خاندان بنی عباس کا خلیفہ منصور دوانیقی حج کرنے گیا تو اس کے پاس ایک نہایت قیمتی ہیرا فروخت کے لئے لایا گیا۔ منصور نے اس ہیرے کو پہچان لیا اور کہا یہ تو بنی امیہ کے خلیفہ ہشام کا ہے جو اسکے بیٹے محمد کے پاس ہو گا اور اسی نے کسی ذریعہ سے اس کو بیچنے کے لئے بھیجا ہے۔ اور بنی امیہ سے اس کے سوائے کوئی شخص بچا بھی نہیں ہے۔ ہو نہ ہو محمد بن ہشام یہاں حج کرنے آیا ہے۔ اب اس کو بھی کسی طرح گرفتار کر کے قتل کرنا چاہیئے۔ یہ طے کر کے اس نے اپنے غلام ربیع سے مخفی طور پر کہا کہ کل جب میں مسجد حرام میں لوگوں کو نماز صبح پڑھا کر فارغ ہوں اور سب لوگ وہاں موجود ہیں تو تم کل دروازوں کو بند کر دینا اور ہر دروازے پر کسی معتبر شخص کو مقرر کر دینا کہ کسی دروازے سے کوئی شخص باہر نہ نکلنے پائے۔ اس کے بعد صرف ایک دروازہ کھول کر

وہاں کھڑے ہو جانا اور ایک ایک شخص کو پہچان کر اس میں سے باہر جانے دیا
اس طرح جب محمد بن ہشام باہر نکلنے لگے تو اُس کو پکڑ کر میرے پاس لانا
یہ رائے مل پا گئی۔ اسی کے مطابق صبح کو ربیع مسجد حرام پر کھڑا ہو گیا۔ اور
سب دروازے بند کر کے ایک دروازے سے ہر شخص کو پہچان کر باہر نکالنے
لگا۔ اُس وقت مسجد میں خلیفہ ہشام کا بیٹا محمد بھی تھا۔ جس کی گرفتاری کے
لیے منصور نے یہ چال اختیار کی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو میرے قتل ہی کے
لیے یہ سامان کیا گیا ہے۔ اب تو وہ نہایت پریشان ہوا کہ کیا کرے۔ کوئی بات
سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بیچارہ موت کا یقین کر کے نہایت شکستہ دل مسجد
میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسی تردد و اضطراب میں تھا کہ دفعتہً وہاں محمد بن زید پہنچے
آپ نے محمد بن ہشام کو اس سراسیمگی کی حالت میں دیکھا تو بہت افسوس ہوا
اس کو پہچانتے نہیں تھے مگر اس کی مصیبت زدہ صورت دیکھ کر آپ کو رحم
آ گیا۔ اس کے پاس گئے اور نہایت مہربانی سے پوچھا کیوں بھائی! اس
درجہ پریشان کیوں ہو؟ اُس نے کہا نہیں کوئی بات نہیں ہے۔ آپ نے
فرمایا بتا تو کیا بات ہے۔ اطمینان رکھو تم کو ہر طرح امان ہی ہے اُس
کو آپ کے وعدہ پر اطمینان ہو گیا تو کہا میں خلیفہ ہشام کا بیٹا ہوں۔
اب آپ بتائیں کون ہیں؟ فرمایا میں محمد بن زید بن امام زین العابدین ہوں یہ
سننا تھا۔ کہ محمد بن ہشام کا دل اور زیادہ دھڑکنے لگا۔ اس کے ہوش و
حواس جاتے رہے اور اس کو موت کا یقین ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ
اس کے باپ خلیفہ ہشام نے جناب محمد کے والد جناب زید کو کس ظلم سے شہید
کیا تھا۔ جناب محمد ابن زید بھی اُسکے اس انتشار کو سمجھ گئے تو اس
تسکین دینے کے لیے کہا تم ڈرو نہیں۔ میرے باپ اور دادا کو تم نے
قتل نہیں کیا تھا جسکی وجہ سے میں تمہارا دشمن بن جاؤں اور میں اُن
لوگوں کے خون کا عوض تم سے نہیں لوں گا۔ بلکہ میں کوشش کرتا ہوں۔

تم کسی طرح بچ جاؤ اور اپنے دشمن (خلیفہ منصور دوانیقی) کے پنجے سے نکل جاؤ۔ البتہ تمہاری جان بچانے کے لیے میں تمہارے ساتھ جو برتاؤ کروں اُس کو معاف کرنا کیونکہ بغیر ایسا کیے تم بچ نہیں سکتے۔ اُس بیچارے کی تو جان پر آ پڑی تھی۔ کہا آپ جو چاہیں کریں مجھے کسی بات میں عذر نہیں ہوگا۔ تب آپ نے اپنی ردا اُسکے چہرے پر ڈال دی جس سے اس کا سر او منہ چھپ گیا۔ پھر اس کو کھینچتے اور گھسیٹتے ہوئے مسجد سے باہر لے چلے۔ جب منصور کے دربان ربیع کے پاس پہنچے اور ربیع نے ان دونوں کو دیکھا تو جناب محمد بن زید ربیع کو دکھانے کے لیے محمد بن ہشام طمانچہ مارتے ہوئے اُس کو ربیع کے پاس لائے اور کہا اے ابوالفضل یہ خبیث کوفہ کا ایک شتربان ہے۔ اُس نے مجھ سے معاملہ کیا تھا کہ مجھے سواری کا اونٹ دے گا۔ مگر جب میں نے اس کو پورا کرایہ دے دیا تو یہ بھاگ گیا اور وہ اونٹ خراسان کے دوسرے لوگوں کو دے دیا۔ اب میں تم سے اتنی مدد چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو میرے ساتھ کر دو جو ہم دونوں کو قاضی کے پاس پہونچا دے اور اس کے اونٹوں کو روک دے کہ یہ خراسانیوں کو نہ لے جانے دے۔ ربیع نے دو شخص آپ کے حوالے کیئے اور کہا ان لوگوں کو قاضی تک پہنچا آؤ۔ اُس وقت بھی جناب محمد بن زید اسی طرح محمد بن ہشام کو پکڑے تھے۔ اور وہ اُسی طرح اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے۔ غرض اس تدبیر سے سب مسجد سے باہر نکل گئے۔ جب ربیع کے پاس سے یہ لوگ دور ہو گئے تو محمد بن ہشام سے محمد بن زید نے کہا ارے کمبخت تو کیوں شرارت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ اب بھی وعدہ کر کہ مجھے اونٹ دے دے گا تو میں تجھ کو چھوڑ دوں۔ اس پر وہ بولا اے فرزند رسولؐ میں حق کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ کا مال میں نے لیا اور لے کر بھاگ گیا تھا۔ اب

توبہ کرتا اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو ضرور اونٹ دوں گا۔ تب جناب محمد بن زید نے ان دونوں آدمیوں سے (جنہیں ربیع نے ان کے ساتھ کر دیا تھا) کہا کہ اب یہ شتربان میرے حق کا اقرار کرتا ہے تو قاضی کے ہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم لوگ بھی واپس جاؤ۔ اور غرض وہ دونوں واپس گئے جب وہ دور نکل گئے تو جناب محمد بن زید نے محمد بن ہشام سے کہا لو بھائی اب جہاں تمہارا دل چاہے چلے جاؤ۔ اس پر محمد بن ہشام بڑھ کر جناب محمد بن زید کا ہاتھ اور سر چومنے لگا۔ اور ۔۔ بول اٹھا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ خدا جس خاندان میں اپنی رسالت قرار دیتا ہے۔ اُس کی عظمت و جلالت کو وہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ (پ ۶ ع ۲) [۱] پھر ایک قیمتی ہیرا نکال کر کہا اے فرزند رسولؐ آپ کو خدا کی قسم اس ہیرے کو قبول فرما کر مجھے شرف عطا فرمایئے۔ مگر جناب محمد بن زید نے کہا بھائی تم اپنی پونجی اپنے پاس رکھو۔ فنحن اھل بیت لا نقبل علیٰ اصطناع المعروف مکافاۃ

---

[۱] واقعہ مذکورہ سے جہاں جناب محمد بن زید کی انتہاء درجہ کی رحمدلی اور بے نفسی ثابت ہوتی ہے وہاں بعض باتیں ظاہر بینوں کو قابل اعتراض بھی نظر آئیں گی آپ نے اُس کے بچانے کے لیے منصور دوانیقی کو دھوکا دیا۔ اُس کے دربان ربیع کو فریب میں مبتلا کیا۔ سر سے پا تک جھوٹ کا انبار لگا دیا۔ یہ اُن کے لئے کب زیبا تھا۔ لیکن سمجھنا چاہیئے کہ کسی بے خطا شخص پر کوئی شخص ظلم کرے اور بغیر اس قسم کی تدبیریں کیے ہوئے وہ مظلوم ان مظالم سے نہ بچ سکے تو خلاف واقعہ بات کا جاری کر دینا کیا عقلاً برا ہو سکتا ہے؟ جھوٹ اگر بیان حقیقت کی غرض سے ہو تو عبث دھوکا گمراہ کرنا کہلائے گا اور اگر مصلحت آمیز یا اصلاح بین الناس یا نجات مظلوم کے لیے ہو تو ممدوح ہے۔ بلکہ جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنا تو عقلاً اور شرعاً واجب ہے۔ محمد بن ہشام

کیونکہ ہم اہلبیتؑ کسی کے ساتھ بھلائی کر کے اس کا معاوضہ نہیں لیتے دیکھو خوب ہوشیار ہو اور اپنے کو اس شخص (منصور دوانیقی) سے اچھی طرح بچاؤ کہ وہ ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑا ہے۔ (کتاب الاتحاف ملا علامہ شبراوی شافعی مطبوعہ مصر ص۹) محمد بن ہشام نے اس طرح اُن بزرگ کی وجہ سے دوبارہ زندگی پائی جن کے والد کو اس کے باپ نے کس ظلم سے شہید کیا تھا اور جن کی نعش کے ساتھ بھی حد درجہ کی درندگی برتی تھی۔ سبحان اللہ ایسے اخلاق کے مجسمے بھی دنیا میں گذرے ہیں مگر وہ سب صرف خاندان بنی ہاشم ہی میں تھے۔ دوسری جگہ نہیں مل سکتے۔

جناب مختار علیہ الرحمہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح کا حال بھی کچھ لکھ دیا جائے کیونکہ آپ کے کارنامے حضرت امام زین العابدینؑ ہی کے زمانہ میں ہوئے آپ کے والد کا نام ابوعبیدہؓ ثقفی تھا۔ کوفہ میں رہتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۵)

اُس وقت بے خطا تھا اور منصور دوانیقی اُس کو صرف اس وجہ سے قتل کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ خاندان بنی اُمیہ سے ہے جو صرف سیاسی اور دنیوی سبب تھا۔ اُس نے خود کوئی فعل ایسا نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے منصور کو اُس کا قتل کرنا جائز ہوتا۔ پس منصور اس معاملہ میں یقیناً ظالم اور محمد بن ہشام مظلوم تھا اور ہر ایسے بے قصور شخص کو ظالم کے پنجے سے بچانا عقل کا حکم بھی ہے اور ہر زمانہ کے انصاف پسند حضرات کا فیصلہ بھی۔ قرآن مجید میں بھی ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بولا گیا اور خدا نے اس کو پسند کیا۔ بلکہ قرآن مجید میں اس کی اجازت بھی دی ہے۔ فرمایا ہے الا ان تتقوا منهم تقاة مگر جھوٹ بول کر ان کے شر سے بچنا یا کسی کو بچانا ہو تو جائز ہے۔ (پ ۳ ع ۱۱) ۱۲ مؤلف

تھے۔ جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ میں آئے تو مختار علیہ الرحمہ نے ان کو اپنے گھر پر رکھکر آپ کی پوری مہمانداری اور خدمت کی تھی۔ جب جناب مسلم اُن کے گھر سے ہانی بن عروہ کے گھر میں چلے گئے تو مختار کوفہ کے قریب ایک دیہات میں چلے گئے تھے۔ اور اس واقعہ کے بعد حضرات اہلبیت علیہم السلام کی محبت کے جرم میں ابن زیاد نے آپ کو بھی قید کر لیا تھا۔ بہت دنوں کے . . . . بعد بعض دوستوں کی سفارش پر ابن زیاد نے آپ کو بھی قید سے چھوڑا۔ آپ قید سے رہا ہوتے تو قسم کھائی کہ امام حسینؑ کے خون کے عوض معاویہ اور یزید کے ہوا خواہوں سے اتنے لوگوں کو قتل کریں گے کہ اُن کی تعداد بے حساب ہوگی۔ مختصر یہ کہ ۶۶ھ ہجری (سنہ ۶۸۵ء) میں جناب مختار بن ابو عبیدہ ثقفی علیہ الرحمہ نے خون امام حسینؑ کا قصاص لینے کے لئے خروج کیا اور ایک بڑی جماعت نے آپ کا ساتھ دیا یہاں تک کہ کوفہ پر مختار علیہ الرحمہ کا پورا تسلط و قبضہ ہو گیا۔ لوگوں نے انکی بیعت کتاب و سنت کی پیروی اور خون امام حسینؑ کا انتقام لینے پر کی اور مختار علیہ الرحمہ نے اپنے عزم کو محض قاتلین امام حسینؑ سے جہاد کرنے تک محدود رکھا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن پر قابو حاصل کر کے اس کو قتل کیا پھر خولی کے گرفتار کرنے کے لئے فوج بھیجی جس نے اُس کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ پھر اُسکو قتل کر کے اسکو آگ میں جلا دیا۔ پھر یزید کے سردار لشکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کو قتل کیا جس کے حکم سے امام حسینؑ کی نعش مبارک گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی گئی تھی۔ اس کے ساتھ اسکے لڑکے حفص کو بھی قتل کر ڈالا (ابو الفداء جلد ا ص ۱۹۵) غرض مختار علیہ الرحمہ نے عمر بن سعد حفص بن عمر بن سعد اور شمر کو مع دوسرے اشقیاء کے بانواع عقوبات قتل کیا۔ خاص کر شمر کو جو امام حسینؑ پر ظلم کرنے میں امتیازی شان رکھتا تھا شدید عقوبت سے مارا اور اُس کی نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا اس لئے کہ اسی شمر نے امام حسینؑ کی نعش کو پامال کرایا تھا (وسیلۃ النجات ص ۲۴۱)

پھر محرم ۶۷ھ ہجری (۶۸۶ء) میں مختار علیہ الرحمہ نے ایک لشکر عبید اللہ بن زیاد سے قتال کرنے کو بجانب موصل روانہ کیا جہاں کا وہ گورنر تھا۔ اس لشکر کا مقدمۃ الجیش جناب مالک اشتر کے صاحبزادے ابراہیم کو مقرر کیا، عبید اللہ ابن زیاد اور لشکر مختار علیہ الرحمہ میں سخت جنگ ہوئی۔ آخر کار ابن زیاد کے لوگ بھاگ نکلے۔ ابن زیاد پکڑا گیا اور ابراہیم بن مالک اشتر کے ہاتھ سے وہ قتل کیا گیا۔ ابراہیم نے اس کا سر کاٹ کر دوسروں کے ساتھ مختار علیہ الرحمہ کے پاس روانہ کیا اور ابن زیاد کے باقی بدن کو آگ میں جلا دیا (ابو الفداء جلد ا ص ۱۹۵) پھر مختار کے حکم سے قیس بن اشعث کی گردن ماری گئی اور بجدل بن سلیم کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے۔ جس نے ایک انگوٹھی کے لالچ میں حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ لی تھیں۔ پھر مختار کے حکم سے حکیم بن طفیل پر تیر باران کی گئی اور یزید بن مالک و عمران بن خالد و عبد اللہ بجلی و عبد اللہ بن قیس و زرعہ بن شریک و صبیح شامی و سنان بن انس وغیرہ قتل کئے گئے (حبیب السیر) من جملہ قاتلان امام حسینؑ عمر بن الحجاج بھی تھا وہ بھی مختار علیہ الرحمہ کے حکم سے گرفتار کر کے قتل کیا گیا (روضۃ الصفاء جلد ۳ ص ۱۰۲) منہال بن عمر کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں کوفہ سے مکہ معظمہ حج کے لئے گیا۔ وہاں سے مدینہ منورہ پہنچا اور امام زین العابدینؑ کی قدمبوسی سے مشرف ہوا تو حضرتؑ نے مجھ سے پوچھا کہ حرملہ بن کاہل اسدی کا کیا حال ہے (اُسی شقی نے تیر مارا کہ جناب علی اصغرؑ کو شہید کیا تھا) میں نے عرض کی میں اس کو کوفہ میں زندہ چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سنکر حضرتؑ نے دعا کے لئے اپنے ہاتھ بلند کر دیئے اور فرمایا اللھم اذقہ حر الحدید اللھم اذقہ حر النار اے خدا تو اس کو گرمی تیغ کا مزہ چکھا۔ اے اللہ تو اس کو آتش جہنم کا مزہ چکھا۔ جب میں کوفہ میں لوٹ کر آیا تو معلوم ہوا کہ ان دنوں مختار نے خروج کیا ہے۔ چونکہ مجھ سے اور مختار سے پہلے کی دوستی تھی۔ میں ایک روز سوار ہو کر اُن کی ملاقات کو جا رہا تھا جب اُن کے مکان کے قریب

پہنچا تو وہ کہیں کے قصد سے سوار ہو رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایک مقام پر پہنچکر وہ ٹھہر گئے اور کسی کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں لوگ حرملہ بن کاہل کو گرفتار کر کے لاتے۔ مختار نے اس کو دیکھ کر کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو تجھ پر غلبہ عطا فرمایا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ فوراً حرملہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کو آگ میں جلا دیں۔ چنانچہ جلاد نے اسی وقت اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے پھر لکڑیوں کے انبار میں ڈال کر جلا دیا (منہال کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ حال دیکھا تو بے اختیار سبحان اللہ کہنے لگا۔ مختار نے تعجب سے میرے سبحان اللہ کہنے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے حضرت امام زین العابدینؑ کی ملاقات اور حضرتؑ کی دعا کا مفصل واقعہ بیان کیا۔ مختار نے قسم دیکر مجھ سے دوبارہ دریافت کیا کہ کیا واقعی تم نے امام زین العابدینؑ کی زبان مبارک سے یہ دعا سنی تھی؟ میں نے کہا کہ کیا میں اس امر میں امام پر جھوٹ بول سکتا ہوں؟ یہ سن کر مختار گھوڑے سے اتر پڑے اور دو رکعت نماز پڑھکر سجدۂ شکر ادا کیا۔ جب نماز سے فارغ ہو کر واپسی کا انہوں نے ارادہ کیا تو راستے میں میرا گھر پڑتا تھا۔ جب وہ میرے مکان کے قریب پہنچے تو میں نے ان سے کہا آج آپ میری دعوت قبول کریں اور یہیں کھانا کھائیں۔ مختار نے کہا اے منہال آج تم نے مجھ سے امام کی دعا کا واقعہ بیان کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج وہ دعا میرے ہاتھوں سے پوری ہوئی۔ مجھ کو چاہیئے کہ آج اس نعمت کے شکریہ میں تمام دن روزہ رکھوں، یہ کہکر مختار مجھ سے رخصت ہو گئے (روضۃ الاحباب وشواہد النبوت رکن ۶ ص ۲۴۵) مختار علیہ الرحمہ نے چن چن کر قاتلان امام حسینؑ وقاتلان شہدائے کربلا کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ منجملہ ان سب کے مرہ بن منقذ بھی تھا۔ جس نے حضرت علی اکبرؑ کو قتل کیا تھا۔ مختار نے لوگوں کو اسکی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ انہوں نے جاکر اسکے مکان کا محاصرہ کر لیا اس پر مرہ بن منقذ گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے باہر نکلا اور ان لوگوں سے نیزہ بازی کرنے لگا

مگر اُن کے حملہ کی تاب نہ لاسکا اور بچ کر بصرہ بھاگ گیا جہاں مصعب بن زبیر کے پاس پناہ گزیں ہو گیا۔ پھر مختار علیہ الرحمہ نے اپنے سپاہی محمد بن اشعث کے پکڑنے کو بھیجے جو ایک گاؤں میں تھا لیکن وہ بھی نہ ملا بلکہ مصعب بن زبیر کے پاس بھاگ گیا۔ عبداللہ بن زبیر نے اس محمد بن اشعث کو موصل کا حاکم مقرر کر دیا تھا (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۱۰۴) غرض مختار علیہ الرحمہ نے قاتلان امام حسینؑ کا انتقام لینے میں وہ کارہائے نمایاں کئے جو قیامت تک چمکتے رہیں گے۔ آپ نے جس وقت ابن زیاد کا سر جو ابراہیم بن مالک اشتر نے کاٹ کر آپ کے پاس بھیجا تھا دیکھا تو فوراً اس خوشی کی اطلاع حضرت امام زین العابدینؑ کو دی۔ بلکہ ابن زیاد کا سر ہی حضرتؑ کے پاس بھیج دیا۔ جب یہ سر مدینہ میں امام زین العابدینؑ کے پاس پہنچا تو حضرت دوپہر کا کھانا نوش فرماتے تھے[1] (عقد الفرید جلد ۲ ص ۲۵۱) مگر اپنی غرض و غایت حاصل کر لینے کے بعد خون حسینؑ کا انتقام لینے والے متفرق ہو گئے اور مختار کی جماعت گھٹتی گئی۔ اس وقت مصعب بن زبیر نے جو اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا۔ جناب مختار کے ساتھیوں سے لڑنا اور ان کو قتل کرنا شروع کیا۔ مگر جناب مختار کی جنگ نے بہت طول کھینچا۔ بڑا کشت و خون ہوا۔ آخر مختار علیہ الرحمہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ماہ رمضان ۶۷ھ (۶۸۶ء) میں مارے گئے اور عراق عرب و جزیرہ دونوں صوبوں میں جہاں مختار علیہ الرحمہ نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ عبداللہ ابن زبیر کی خلافت مان لی گئی۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۱۰۱) قاضی بیضاوی نے شرح دیوان مرتضوی میں لکھا ہے کہ جو لوگ جناب مختار علیہ الرحمہ کے ہاتھ سے قتل کئے گئے ان کی تعداد اسی ہزار تین سو تین (۸۰۳۰۳) تھی۔ مختار علیہ الرحمہ نے تھوڑی مدت میں ایسی کامیابی حاصل کی کہ آپ کے نام کا خطبہ اور سکہ کوفہ بصرہ سے رے و خراسان و نہاوند و حدود اصفہان و آذربائیجان تک پڑھا

---

[1] جب ابن زیاد کا سر مختار رح کے قصر میں لایا گیا تو ایک سانپ آتا اور اس کے منہ میں گھس کر اس کی ناک سے نکل جاتا تھا۔ اسی طرح وہ سانپ دیر تک کرتا رہا (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۱۰۲)

گیا۔ (مجالس المؤمنین مجلس ۵) بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب مختار علیہ الرحمہ کے فرزند ابو الحکم حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں آئے تو حضرتؑ نے اُن کو اس درجہ اپنے قریب بٹھایا کہ گویا گود میں جگہ دیدی حضرات اہلبیتؑ کی مخدرات عصمت و طہارت نے امام حسینؑ کے غم میں سرمہ لگانا اپنے سر کا جھاڑنا اور اس میں کنگھی کرنی چھوڑ دی تھی اور خضاب لگانا بھی موقوف کر رکھا تھا مگر جب مختار علیہ الرحمہ نے امام حسینؑ کے قاتلوں کے سر مدینہ میں بھیجے ہیں تو ان عورتوں نے کنگھی اور خضاب کرنا شروع کیا۔ (مجالس المؤمنین مجلس ۸) انتقال کے وقت جناب مختارؒ کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔

پانچواں باب

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

(آپ حضرت رسول خدا صلعم کے پانچویں خلیفہ، مسلمانوں کے امام پنجم، اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند تھے۔ ار رجب ۵۷ھ ہجری (۶۷۶ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۵ محرم ۹۵ھ ہجری کو مسلمانوں کے امام ہوئے اور ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ہجری (مطابق ۷۳۲ء) میں بمقام مدینہ منورہ زہر سے وفات پائی۔ اس طرح حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ساڑھے تین سال اور اپنے والد ماجد کے ساتھ ۳۸ سال زندہ رہے۔ اور ۵۷ سال کی عمر پائی۔

حضرتؑ کے والدین

حضرتؑ کے والد امام زین العابدینؑ اور والدہ جناب ام عبد اللہ فاطمہؑ دختر امام حسن علیہ السلام تھیں آپ وہ ہاشمی ہیں جن کے والد بھی ہاشمی اور ماں بھی ہاشمیہ تھیں اور وہ فاطمی ہیں جن کے پدر بزرگوار بھی جناب سیدہ کے پوتے اور جن کی ماں بھی جناب

سیدہ کی پوتی تھیں۔ یہ شرف دنیا میں سب سے پہلے آپ ہی کو حاصل ہوا۔ (واقعہ کربلا میں بھی آپ تھے مگر خدا نے آپ کو محفوظ رکھا کہ امام ہونے والے تھے)

حضرت کا نام و القاب

آپ کا اسم گرامی محمد تھا۔ اور القاب باقر، شاکر، ہادی وغیرہ اور کنیت ابو جعفر تھی۔ آپ وہ خوش قسمت بزرگ ہیں کہ حضرت رسولِ خدا صلعم نے آپ کی پیدائش سے بہت پہلے آپ کے صفات کا ذکر کیا اور آپ کو سلام کہلایا تھا۔ چنانچہ حضرتؑ کے مشہور صحابی جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ میں ایک دن حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت حضرت امام حسینؑ آنحضرتؐ کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت صلعم نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ اے جابر اس حسینؑ کا ایک فرزند ہوگا علیؑ۔ جب بروز قیامت منادی ندا کرے گا کہ اُٹھ اے سید العابدین تو میرا وہ فرزند اُٹھے گا اور اُس کا ایک فرزند ہوگا محمد۔ اے جابر تم اُن سے ملنا تو اُن کو میرا سلام کہنا (صواعق محرقہ ص۱۰۱) چنانچہ جابر نے ایسا ہی کیا۔ خود امام محمد باقرؑ فرماتے تھے۔ کہ ایک دن جابر بن عبداللہ انصاری نے میرے پاس آکر کہا کہ اپنا سینہ کھولیے۔ میں نے کھول دیا۔ تو انہوں نے میرے سینے پر بوسہ دیکر کہا کہ رسول اللہؐ نے آپ کو سلام کہا ہے۔ (تاریخ طبری جلد ۱۲ ص۹۶) زیادہ تفصیل یہ ہے کہ امام محمد باقرؑ فرماتے تھے ایک روز جابر بن عبداللہ انصاری کا گذر میرے پاس سے ہوا جب کہ وہ نابینا ہو گئے تھے۔ میں نے انکو سلام کیا۔ انہوں نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا محمد بن علی ابن الحسینؑ جابر نے مجھے اپنے نزدیک بلا کر میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چاہا کہ پاؤں کو بھی بوسہ دیں تو میں اُن سے علیحدہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب رسالت مآب صلعم نے آپ کو سلام کہا ہے۔ میں نے کہا حضرت رسول خدا صلعم پر اور آپ پر بھی میرا سلام اور خدا کی رحمت و برکات ہوں۔ پھر میں نے جابر سے اسکی تفصیل دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ ایک دن رسولِ خدا کے خدمت میں حاضر تھا۔ تو آنحضرت نے

فرمایا اے جابر امید ہے تم اُس وقت تک زندہ رہو کہ میرے ایک فرزند کو دیکھو جن کا نام محمد باقر) ہوگا خدا اُن کو نور و حکمت عطا فرمائے گا۔ جب تم اُن سے ملنا تو میرا سلام کہنا (روضۃ الاحباب وسیلۃ النجات صٓ ۲۳۳) ایک اور روایت اس طرح ہے زبیر بن محمد بیان کرتا تھا۔ کہ ہم لوگ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو وہاں حضرت امام زین العابدینؑ بھی آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بچے محمد باقر بھی تھے وہاں پہونچکر حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ جاکر اپنے چچا جابر کے سر پر بوسہ دو۔ وہ بڑھے اور بوسہ دیا تو جابر نے جنکی آنکھ جاتی ہی رہی تھی پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا میرے بیٹے محمد ہیں۔ اس پر جابر نے انکو اپنے سینے سے لگا کر کہا اے محمد آپ کے پدر بزرگوار حضرت رسول خداؐ آپ کو سلام کہتے تھے لوگوں نے پوچھا وہ کیونکر کہا میں آنحضرتؐ کے پاس تھا اور امام حسینؑ حضرتؐ کی گود میں تھے تو حضرتؐ نے فرمایا اے جابر میرے اس فرزند کے ایک بیٹے علی ہوں گے۔ جب قیامت کے روز منادی ندا کرے گا کہ سیدالساجدین کھڑے ہوجائیں تو وہی علی بن الحسین کھڑے ہوجائیں گے۔ اُن علی بن الحسینؑ کے ایک بیٹے (محمد) (باقر) ہوں گے۔ اے جابر جب تم اُن سے ملنا تو میرا سلام کہنا (نورالابصار صٓ ۱۴۳)۔ ایک اور روایت اس طرح ہے حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے۔ کہ مدینہ میں اصحاب رسول صلعم سے جو لوگ باقی رہ گئے تھے۔ اُن سب کے آخر جابر بن عبداللہ انصاری تھے۔ جابر اہلبیتؑ سے متمسک رہے اور آخر میں مسجد رسولؐ میں سیاہ عمامہ باندھے بیٹھے رہتے اور یا باقر العلم یا باقر العلم (اے علوم کے پھیلانے والے۔ اے معارف کے شائع کرنے والے) پکارا کرتے۔ اہل مدینہ یہ سنکر کہتے کہ جابر کیا مہملات بکتے ہیں۔ جس کا جواب وہ دیتے کہ خدا کی قسم میں لغو نہیں بکتا بلکہ مجھ سے حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تھا۔ انک ستدرک رجلا من اھل بیتی اسمہ اسمی وشمائلہ شمائلی یبقر العلم بقرا۔ تم میرے اہلبیتؑ کے ایک فرزند سے ملو گے جن کا نام میرا نام اور جس کی صفات میری صفات ہوں گی وہ علوم و

معارف کو خوب اچھی طرح پھیلا دے گا۔ اسی سبب سے میں اُس باقرؑ علوم کو پکارا کرتا ہوں۔ اسی انتظار میں جابر ایک روز مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے کہ دفعتہً ایک مکان میں حضرت محمد (باقرؑ) کو دیکھا اور صورت جناب رسالتمآب صلعم سے مشابہ پایا تو کہا صاحبزادے! ذرا میری طرف رُخ تو کیجئے۔ حضرتؑ نے اُن کی طرف مُنہ کیا۔ پھر کہا اچھا اب ذرا ادھر پشت کیجئے۔ حضرتؑ پیچھے پھر گئے۔ جب جابر نے رو و پشت اچھی طرح دیکھ لی تو کہا خدا کی قسم ہو بہو رسالت مآب صلعم ہیں۔ صاحبزادے! آپ کا اسم گرامی؟ فرمایا میں محمد بن علی بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ یہ سنکر جابر دوڑ پڑے اور حضرتؑ کی پیشانی پر بوسہ دیکر کہا۔ میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں۔ حضرت رسولِ خدا صلعم نے آپ کا ذکر کیا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا۔ کہ حضرتؑ کا سلام آپکو پہونچاؤں اس کے بعد جابر نے عادت کر لی کہ ہر روز بلاناغہ صبح و شام حضرت امام باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہونے۔ جس پر اہل مدینہ تعجب سے مضحکہ کرتے تھے کہ جابر کو کیا ہو گیا ہے جو اس بچے کے پاس اس کثرت سے حاضر ہوتے ہیں۔ مگر خدا کی قسم جابر حضرت امام باقر کے پاس جا کر حضرت سے برابر علوم حاصل کیا کرتے تھے۔ اور اُسوقت حضرت محمد باقرؑ سے یہ بھی جابر نے کہا تھا۔ کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ بروز قیامت شفاعت کی ضمانت آپ فرمالیں۔ حضرتؑ نے جواب دیا ہاں میں ضامن ہوتا ہوں (رجال کشی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۷ و ۲۹) ایک اور روایت اس طرح ہے جابر بن عبداللہ آخر عمر میں ضعیف ہو گئے۔ تو امام محمد باقرؑ اُن کی عیادت کو تشریف لے گئے اور مزاج پوچھا۔ جابر نے کہا میں ایسے حال میں ہوں جس میں پیری کو جوانی سے اچھی۔ بیماری کو صحت سے عمدہ اور مرنے کو زندگی سے بہتر جانتا ہوں۔ یہ سنکر حضرتؑ نے فرمایا۔ اے جابر! لیکن ہماری یہ حالت ہے اگر خدا ہمیں پیر کرے تو پیری کو جوانی سے بہتر سمجھیں اور اگر جوان کرے تو جوانی کو اور اگر بیمار کرے تو بیماری کو اور

تو شفا ہی کو اور اگر موت دے تو موت کو اور زندہ رکھے تو زندگی ہی کو پسند کریں۔ غرض جس حالت میں خدا ہمیں رکھے اُسی کو اپنے لیے سب سے بہتر مناسب اور نفع بخش سمجھیں گے۔ جابر نے یہ سُنا تو فرطِ مسرت سے اُٹھے اور حضرتؑ کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر کہا حضرت رسولِ خدا صلعم نے سچ فرمایا تھا۔ یستلد لک ولد امن اولادی اسمہ اسمی یبقر العلم بقرا کما یبقر الثور الارض اے جابر تم میرے ایک ایسے فرزند سے ملو گے جس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ علوم و معارف کو اس طرح شگافتہ کر دے گا جس طرح بیل زمین کو زراعت کے لیے شگافتہ کرتا ہے۔ (مجالس المومنین ص۱۱۱)

حضرتؑ کے علمی فیوض

حضرت رسولِ خدا صلعم کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ واقعتاً آپ نے علوم و معارف حقہ کو اچھی طرح شائع کر دیا۔ علامہ ابن حجر مکی یہ لکھتے ہیں۔ ابو جعفر محمد الباقر سمی بذالک من بقر الارض ای شقھا و اثار مخبأتھا و مکا منھا فلذالک ھو اظھر من مخبات کنوز المعارف وحقائق الاحکام والحکم واللطائف مالا یخفی الا علی منطمس البصیرۃ او فاسد الطویۃ والسریرۃ ومن ثم قیل فیہ ھو باقر العلم وجامعہ وشاھر علمہ ورافعہ۔ صفا قلبہ وزکا علمہ وعملہ وطھرت نفسہ وشرف خلقہ وعمرت اوقاتہ بطاعۃ اللہ ولہ من الرسوم فی مقامات العارفین ما تکل عنہ السنۃ الواصفین ولہ کلمات کثیرۃ فی السلوک والمعارف لا تحتملھا ھذہ العجالۃ۔

حضرتؑ کا لقب باقر اس سبب سے ہوا۔ یہ لفظ بقر کا اسم فاعل ہے جس کا معنی پھاڑنے والا ہے اور بقر الارض کا معنی یہ ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس کی چھپی ہوئی اور اس کے اندر کی دبی ہوئی چیزوں کو نمایاں کر دیا۔ حضرتؑ نے بھی معارف وحقائق احکام و علوم حکمت و لطائف کے وہ سربستہ

خزانے ظاہر فرما دیے جو سب پر ظاہر و ہویدا ہیں اور ان علمی فیوض و کمالات و احسانات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا سوائے اس کے جس کی بصیرت زائل ہو گئی ہو جس کا دل و دماغ خراب ہو گیا اور جس کی طینت و طبیعت فاسد ہو گئی ہو اسی وجہ سے آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ علم کے باقر (پھیلانے والے) اور جامع ہیں۔ اور آپ ہی علوم معارف کو مشہور اور اس کا درجہ بلند کرنے والے ہیں۔ حضرتؑ کا دل صاف۔ علم و عمل روشن و تابندہ، نفس پاک اور خلقت شریف تھی۔ آپ کے کل اوقات خدا کی اطاعت میں بسر ہوتے تھے نیز عارفوں کے مقامات میں آپ کے وہ گہرے نشان اور آثار راسخ ہو گئے جن کے بیان سے وصف کرنے والوں کی زبانیں گنگ اور عاجز و ماندہ رہتی ہیں۔ اور زہد و تقویٰ، علوم و معارف، عبادات و ریاضیات میں آپ کے کلمات اس کثرت سے ہیں جو اس مختصر رسالہ میں درج ہو ہی نہیں سکتے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰)

اور علامہ محقق شیخ مفید علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے۔

ولم يظهر عن احد من ولد الحسن والحسين من علم الدين والآثار والسنة وعلم القرآن والسيرة وفنون الادب ما ظهر عن ابي جعفر عليه السلام۔

علم دین و احادیث و سنت رسولؐ و تفسیر قرآن و سیرت و فنون ادب کے جس قدر ذخیرے امام محمد باقرؑ سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسنؑ و حسینؑ کی اولاد سے کسی شخص سے بھی ظاہر نہیں ہوئے (ارشاد صفحہ ۲۸۶)

اور ابن خلکان نے لکھا ہے کہ حضرت باقرؑ علامہ زماں اور سردار کبیر الشان تھے۔ آپ کو باقر اس وجہ سے کہتے کہ آپ علوم میں بڑے متبحر اور وسیع الاطلاع تھے۔ آپ ہی کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

يا باقر العلم لاهل التقىٰ وخير من لبى على الاجبل

اے وہ بزرگ جو صاحبانِ ورع وتقویٰ کے لیے علوم ومعارف کے شائع کرنے والے اور اُن سب لوگوں سے بہتر ہیں جو پہاڑوں پر خدا کو لبیک کہتے ہیں (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۵۰)

اور علامہ ذہبی نے لکھا ہے امام محمد باقرؑ بنی ہاشم کے سردار اور اپنے تبحر کیوجہ سے باقر کے لقب سے مشہور ہوئے کیونکہ آپ علم کو شق کرکے اس کی تہ تک پہنچ گئے۔ اور اُسکے دقائق کو خوب سمجھ لیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱) اور فاضل شبلدی نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کے تذکرے تمام دنیا میں مشہور ہوئے اور آپ کی مدح وثنا میں بکثرت اشعار پڑھے گئے۔ مثلاً مالک جہنی نے کہا ہے ؎

اذا طلب الناس علم القراٰن — كانت قريش عليه عيالا
وان فاه فيه ابن بنت النبيؐ — تلقت يداه فروعا طوالا
نجوم تهلل للمدلجين — فتهدى بانوارهن الرجالا

لوگ جب قرآن مجید کا علم حاصل کرنا چاہیں، تو پورا قبیلہ قریش اس کے بتانے سے عاجز رہے گا کیونکہ وہ خود محتاج ہے۔ اور اگر فرزند رسولؐ (امام محمد باقرؑ) کے منہ سے کوئی بات اسکے متعلق نکل جائے گی تو بے حد وحساب مسائل و تحقیقات کے ذخیرے مہیا کردیں گے۔ یہ حضرات وہ ستارے ہیں جو اندھیری راتوں کے چلنے والوں کے لیے چمکتے ہیں۔ تو اُن کے انوار سے لوگوں کو راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے (الاتحاف صفحہ ۵۲)

خلیفہ ہشام سے سوال وجواب

ایک دفعہ خلیفۂ ہشام بن عبدالملک حج کرنے گیا جب مسجد حرام میں پہونچا تو اس سے لوگوں نے کہا دیکھو وہ امام محمدؑ باقر اپنے حلقہ میں بیٹھے ہیں اُس پر اُس نے ایک شخص سے کہا کہ جاکر اُن سے کہو خلیفہ آپ سے پوچھتے ہیں جب روز قیامت لوگ محشر میں جمع ہونگے تو حساب ختم ہوتے وقت تک کیا

کھائیں پئیں گے۔ جب اُس نے شخص نے پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا خلیفہ سے کہہ دو کہ لوگ ایسی جگہ محشور ہوں گے جہاں میوہ دار درخت بھی ہوں گے۔ اور نہریں بھی رہیں گی اُنہیں درختوں کے پھل کھائیں اور نہروں کا پانی پئیں گے ہشام نے یہ سنا تو سمجھا کہ حضرتؑ نے غلط جواب دیا ہے اور یہ اچھا موقع ہے کہ اُن کی غلطی کو مشہور کر کے اُنہیں بدنام کر دیا جائے تاکہ اہل عراق آپ سے خوب نفرت کرنے لگیں۔ یہ سوچ کر اُس نے کہا اُن سے جا کر کہو کہ یہ آپ نے کیا جواب دیا۔ جو لوگ محشر میں جمع ہوں گے کیا اُن کے ہوش و حواس بھی درست رہیں گے جو وہ کھانا پانی چاہیں گے۔ وہ تو اپنی سزاؤں کی مصیبت میں یہ سب بھولے رہیں گے۔

. . . .

. . حضرتؑ نے فرمایا جا کر ہشام سے کہہ دو کہ محشر والوں سے زیادہ مصیبت تو اُن لوگوں کی ہو گی جو جہنم میں پہنچ جائیں گے مگر وہ جہنم والے بھی ایسے بے ہوش و حواس نہیں ہوں گے۔ کہ کھانا پانی بھول جائیں۔ پھر محشر والے جن کو اپنے انجام کا حال ابھی معلوم نہیں ہوگا کیوں اس کو بھول جائیں گے۔ کیا ہشام نے قرآن مجید میں خدا کا یہ ارشاد نہیں پڑھا۔ ونادی اصحاب النار اصحٰب الجنۃ ان افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم اللہ قالوا ان اللہ حرمھما علی الکافرین۔ دوزخ والے اہل بہشت کو بہ لجاجت آواز دینگے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی انڈیل دو (کہ پئیں) یا جو نعمتیں خدا نے تمہیں دی ہیں اُن میں سے کچھ دیدو۔ (کہ کھائیں) تو بہشت والے کہیں گے کہ خدا نے تو جنت کا کھانا پانی کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ (پ ۸ ع ۱۲) یہ مسکت جواب سنکر ہشام مبہوت ہو گیا اور جان گیا کہ حضرتؑ بڑے علم و فضل کے مالک ہیں۔ اور علاء بن عمرو نے حضرتؑ سے خدا کے قول اولم یرالذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنا ھما کیا کافروں نے اس پر غور نہیں کیا کہ آسمان و زمین دونوں بند تھے اگر ہم نے کھول دیا کے متعلق دریافت کیا

تو ہم نے دونوں کو شگافتہ کیا۔ (پ۱۷ ع ۳) کا مطلب پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا۔ آسمان پہلے بند تھا۔ اُس سے پانی کا کوئی قطرہ نہیں برستا تھا اور زمین بھی بستہ تھی کسی قسم کی گھاس وغیرہ نہیں اُگتی تھی۔ تو خدا نے دونوں کو کھول دیا کہ اُس سے پانی برسنے لگا۔ اور اس سے چیزیں اُگنے لگیں۔ یہ سُنکر علاء خاموش ہو گیا (الاتحاف ص۵۲ و نور الابصار ص۱۴۴) محمد بن منکدر کہتا تھا کہ میں سمجھتا تھا حضرت زین العابدینؑ ایسا آپ کا کوئی فرزند نہیں ہوگا حضرت محمد باقرؑ کو دیکھ کر اپنی غلطی مان لی (اتحاف ص۵۳)

ایک بے مثل وعظ

حضرتؑ نے ایک دن اپنے صاحبزادے امام جعفر صادقؑ سے فرمایا کہ خدا نے تین باتیں تین چیزوں میں چھپا رکھی ہے۔ اپنی خوشی کو . . اپنی اطاعت میں چھپایا ہے۔ پس تم اس کی طاعت سے کسی بات کو حقیر نہ جانو شاید اسی میں اُس کی رضا ہو۔ اور اپنے غضب کو اپنی معصیت میں پوشیدہ رکھا ہے۔ اب اس کی نافرمانی کی کسی بات کو معمولی نہ سمجھو ممکن ہے اسی میں اُسکا غضب چھپا ہوا۔ اور اپنے دوستوں کو اپنی مخلوق میں چھپایا ہے۔ پس اس کے بندوں سے کسی کو حقارت سے نہ دیکھو شاید وہی خدا کا دوست ہو (اتحاف ص۹۳)

امام ابو حنیفہ کا شاگرد حضرتؑ ہونا

اکثر مسلمانوں کا دعویٰ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ صاحب حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابو حنیفہ دوسری بار مدینہ گئے ‥ ‥ ‥ ‥ تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں انہوں نے ابو حنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہاں تمہیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت

کرتے ہو؟ اُنہوں نے نہایت ادب سے کہا عیاذاً باللہ حدیث کی کوئی مخالفت کر سکتا ہے۔ ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں ... نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیضِ صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق کی فیضِ صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے (سیرت النعمان صفحہ ۴۵) اور علامہ ابن القیم نے لکھا ہے۔ ابو حنیفہ کے بارے میں بہت سی روایتیں ایسی موجود ہیں کہ جناب امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؑ نے اُن کی تعلیم فرمائی اور قیاس سے منع کیا (اعلام الموقعین جلد ا صفحہ ۹۳) مگر حضرتؑ نے ابو حنیفہ صاحب کا جو امتحان لیا اُسکو ان لوگوں نے نہیں لکھا۔ علامہ شبراوی شافعی نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے ابو حنیفہ صاحب سے پوچھا میں نے سنا ہے تم آسمان سے زمین تک قیاس کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا تم کو اس کی جرأت کیسے ہوئی کہا میں نے حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثیں اور صحابہ کے اخبار یاد کر لئے تو مجھے قیاس کرنا آسان ہو گیا فرمایا اچھا میں چند مسئلے پوچھتا ہوں قیاس کر کے جواب تو دو۔ کہنے لگے فرمائیے۔ حضرتؑ نے فرمایا بتاؤ قتل بڑا گناہ ہے یا زنا۔ ابو حنیفہ صاحب نے کہا قتل۔ حضرتؑ نے فرمایا پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو ہی گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور زنا میں چار گواہوں کی؟ اس پر ابو حنیفہ صاحب چپ ہو گئے۔ حضرتؑ نے پوچھا کیوں بولتے کیوں نہیں کہا اس میں میرا قیاس کام نہیں کرتا فرمایا نماز کی عظمت زیادہ ہے یا روزے کی کہا نماز کی۔ فرمایا پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ حیض والی عورت کو حکم ہے کہ روزوں کی قضا کرے اور نماز کی قضا کا حکم نہیں ہوا پھر آپ چپ ہو گئے۔ تو حضرتؑ نے فرمایا کہتے کیوں نہیں؟ جواب دیا اس میں بھی میرا قیاس نہیں چلتا حضرتؑ نے فرمایا اچھا پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی۔ ابو حنیفہ صاحب نے کہا پیشاب۔ حضرتؑ نے فرمایا پھر اسکی کیا وجہ کہ

پیشاب کے بعد صرف وضو کا حکم ہوا اور منی کے بعد غسل کا؟ پھر آپ چپ ہو گئے فرمایا اب کیا ہوا؟ کہا اب بھی قیاس نہیں بنتا۔ ابو حنیفہ صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد حضرتؑ مجھے چھوڑ کر دوسرے کاموں میں لگ گئے تو میں نے کہا اے فرزند رسولؐ ان مسائل میں تشفی فرما دیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا اس شرط پر . . کہ تم وعدہ کرو آئندہ کبھی قیاس نہیں کرو گے۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ ہاں اب کبھی قیاس نہیں کرونگا تو حضرتؑ نے فرمایا قتل میں صرف دو گواہ اس لیے کافی ہیں کہ اس کا . . کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ لیکن زنا دو شخص (مرد اور عورت) سے ہوتا ہے۔ اور دونوں کے خلاف گواہی دی جاتی ہے۔ اس وجہ سے ہر ایک کے لیے دو گواہ ضروری قرار دیے گئے۔ رہی نماز تو روزہ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت نماز تو ہمیشہ پڑھا کرتی ہے روزہ کی البتہ سال بھر کے بعد نوبت آتی ہے (پس ایک مہینہ کے حیض کے روزوں کی قضا آسان ہے اور ہر مہینہ کے حیض کی نمازوں کا قضا کرنا بہت دشوار ہے) رہا پیشاب اور منی تو پیشاب مثانہ سے نکلتا ہے اور روز و شب میں کئی مرتبہ ہوتا ہے۔ کہاں تک کوئی غسل کر سکتا۔ لیکن منی تمام بدن سے نکلتی ہے۔ اور کبھی کبھی خارج ہوتی ہے اس کے بعد نہانا مشکل نہیں ہے۔ ابو حنیفہ صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد میں نے حضرتؑ کو سلام کیا۔ اور وہاں سے واپس آیا (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر) مگر بعض کتابوں میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابو حنیفہ صاحب سے یہ سوالات کیے تھے اور آخر میں تاکید کی تھی کہ خبردار کبھی قیاس نہ کرنا لیکن آپ پر اس تاکید کا جو اثر ہوا وہ محتاج توضیح نہیں ہے۔

اولاد امام حسنؑ پر مکان کا انہدام

حضرت امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ کے زمانہ کا ایک دردناک واقعہ

یہ بھی ہے کہ سنہ ۹۱ ہجری (۷۱۰ء) میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے خانہ کعبہ کا حج ادا کیا۔ جب اس سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں آیا تو ایک دن منبر رسولؐ پر

خطبہ پڑھتے ہوئے اس کی نظر امام حسنؑ کے صاحبزادے حسن مثنیٰ پر پڑ گئی۔ جو جناب سیدہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر ولید نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ حسنؑ بن حسنؑ وغیرہ کو کیوں اب تک اس مکان میں رہنے دیا ہے؟ کیوں اُن لوگوں کو اس سے باہر نہیں نکالا؟ اسی وقت ان لوگوں کو اس میں سے نکال کر اور یہ مکان خرید کر مسجد میں شامل کر لو۔ میں نہیں پسند کرتا کہ آئندہ ان لوگوں کو اس مکان میں دیکھوں۔ جناب حسن مثنیٰ اور ان کی بیوی فاطمہ بنت امام حسینؑ اور اُن کی اولاد اُس مکان میں تھیں اور باہر نکلنے سے انکار کیا۔ ولید نے حکم دیا کہ اگر یہ لوگ باہر نہیں نکلتے تو مکان کو ان لوگوں پر گرا دو۔ اس پر اُس کے آدمیوں نے بیچاروں کے اسباب زبردستی مکان سے نکال کر باہر پھینک دیئے۔ ان کا گھر ویران کر دیا اور چاہتے تھے۔ کہ اس کو مسمار کر دیں۔ مجبوراً بیچارے گھر سے باہر نکل پڑے اور روز روشن میں مخدرات اہلبیتؑ گھر چھوڑ کر مدینہ سے باہر چلی گئیں اور اپنی سکونت ایک جگہ اختیار کر لی کچھ دنوں بعد اسی قسم کا واقعہ حضرت حفصہ کے مکان کے متعلق بھی پیش آیا جو حضرت عمر کی اولاد کے قبضہ میں تھا۔ جب اُن سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو انہوں نے انکار کیا۔ اور اُس کو بہ قیمت دینے پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ حجاج بن یوسف اُس وقت مدینہ میں موجود تھا۔ اُس نے چاہا کہ اس مکان کو گرا دے۔ مگر جب اس ارادہ کی خبر ولید بن عبدالملک کو ہوئی تو اُس نے عمر بن عبدالعزیز حاکم مدینہ کو لکھا کہ اولاد عمر بن الخطاب کی رضا جوئی میں کمی نہ کرنا بلکہ اُن کی پوری عزت و احترام کرو۔ اگر وہ لوگ اپنا مکان بیچنے پر راضی نہ ہوں تو اُن کے رہنے کو مکان کا ایک حصہ چھوڑ دو اور اُن کی آمد و رفت کے لیے مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہنے دو (وفاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۳۶۳ و جاذب القلوب صفحہ ۱۲۳)

اللہ اکبر! حضرت رسول خدا صلعم کی اولاد کے ساتھ وہ برتاؤ اور حضرت عمر کی اولاد کے ساتھ یہ سلوک۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

کسب معاش کے متعلق حضرتؑ کی تقریر

ایک شخص محمد بن المنکدر نے ایک روز حضرت امام محمد باقرؑ کو بعض اطراف مدینہ میں دیکھا ایسے وقت میں نہایت گرمی تھی۔ اور حضرتؑ کے بدن مبارک سے پسینہ جاری تھا۔ اور دو غلام حبشی پر آپ تکیہ کیے ہوئے تھے اُس نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ! یہ مرد پیر قریشی اس وقت باوجود ایسی حالت گرمی اور مشقت کے طلب دنیا کر رہے ہیں میں جاتا ہوں۔ کہ ان کو ٹوک دوں۔ پس وہ حضرتؑ کے نزدیک آیا اور سلام کیا۔ حضرتؑ نے جواب سلام دیا۔ اُس وقت بھی حضرتؑ کے بدن سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ اُس شخص نے کہا کہ آپ قریش کے بزرگوں سے بڑے بزرگ ہو کر ایسے وقت میں باوصف ایسی حالت کے دنیا طلب کرنے کیلئے گھر سے باہر نکلے ہیں۔ اگر میں آپ کو موت آجائے تو کیا کیجئے گا۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر اس حالت میں موت آئے تو ایسی حالت میں آئے گی۔ کہ میں خدا کی طاعتوں سے ایک طاعت میں مشغول ہوں اور ایسا کام کر رہا ہوں کہ اپنے اور اپنے عیال کو تجھ سے اور دوسروں سے مستغنی کروں تاکہ جو کچھ کروں خدا سے براہ راست لوں اور کسی سے احتیاج نہ ہو۔ البتہ میں اُس وقت موت سے ڈروں گا۔ جب خدا کی معصیت میں مبتلا ہوں گا۔ اس پر اُس شخص نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ میں نے چاہا تھا کہ آپ کو نصیحت کروں لیکن آپ ہی نے میری نصیحت فرما دی (کتاب ارشاد ص۲۸۴) اس واقعہ سے ہر شخص کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ محنت مزدوری مشقت کر کے حلال ذریعہ سے کسب مال کرنا ہمارے بزرگان دین کا صرف حکم ہی نہیں بلکہ اس پر اُن حضرات کا عمل بھی تھا۔

اسلامی دنیا پر حضرتؑ کا عظیم الشان احسان

علامہ کسائیؒ بیان کرتے تھے کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید نے مجھ سے پوچھا جانتے ہو سب سے پہلے اسلامی سکہ درہم و

دینار کس نے جاری کیا۔ میں نے کہا خلیفہ عبدالملک نے۔ خلیفہ نے پوچھا اس کا سبب کیا ہوا اور کس طرح ہوگی؟ جواد ہن ... میں نے کہا یہ نہیں معلوم۔ تب خلیفہ ہشام نے کہا سابق نہ میں کاغذ رومیوں کے کارخانہ سے آتا تھا اور اہل مصر چونکہ اکثر نصرانی تھے قیصر روم کے مذہب پر ... طغرانہ (مارک) ... اس طرح ہوتا ... مگر یہ طغرانہ (مارک) رومی زبان اور طغرا میں رہتا کسی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔ عبدالملک کو ایک دفعہ شبہ ہوا اور اُس نے مترجم سے کہا اس کا عربی میں ترجمہ کرو۔ اُس نے کہا اقانیم ثلثہ (اب ابن۔ روح) کا مارک بنایا گیا ہے۔ اِس پر عبدالملک نے گورنر مصر کو لکھا کہ اس عیسائی مارک کو موقوف کرو۔ کاغذ پر دہ یا اور جو کپڑا وغیرہ تیار ہوں اُن سب سے یہ مارک موقوف کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس وقت سے کاغذ پر یہ مارک تیار ہونے لگا۔ شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو۔ جب اس نئے مارک کے کاغذوں نے جس پر کلمۂ توحید ثبت تھا رواج پایا تو قیصر روم کو نہایت درجہ ناگوار ہوا۔ اس نے عبدالملک کو لکھا کہ جو کاغذ پہلے جاری تھا اُسی کو جاری رکھو اس کے ساتھ بہت کچھ تحفے ہدیے بھی بھیجے۔ مگر عبدالملک نے سب تحفے ہدایا واپس کیا اور قیصر روم کے خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ قیصر نے دوبارہ سفیر روانہ کیا۔ اور تحفہ کی مقدار المضاعف کر کے لکھا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے میرے ہدیہ کو کم مقدار سمجھا۔ اب میں دُگنا کر کے روانہ کرتا ہوں۔ بہتر ہے تم سابق طرز کے کاغذ ہی کو رہنے دو۔ پھر عبدالملک نے اس سفیر کو مع تحائف واپس کیا اور خط کا کچھ جواب نہ دیا۔ تب تیسری دفعہ قیصر نے تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے میرے خط کا جواب نہیں دیا نہ میری بات قبول کی۔ اب میں مسیح کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم نے رومی مارک کے رواج کا حکم نہیں دیا اور اپنے توحید کے اس نئے مارک کو بند نہیں کیا تو میں بھی سکہ درہم و دینار کے بارے میں حکم جاری کر دوں گا کہ تمہارے رسول اللہ ...

پر گالیاں کھلے لفظوں میں نقش کی جائیں۔ جو تمہارے تمامی ممالک میں رواج پائیں گے۔ کیونکہ تم کو خوب معلوم ہے کہ اسلامی ممالک میں سکّہ نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں سکوں پر جو نقش ہوتا ہے وہی سکہ تمہارے ملکوں میں جاری کیا جاتا ہے اس لیے اس خط کو پڑھ کر اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالو اور میرا ہدیہ قبول کر کے بدستور سابق قدیم مبارک کے رواج کا حکم دو۔ جس سے ہماری اور تمہاری محبت سابقہ بحال و برقرار رہے۔

جس وقت قیصر روم کا یہ خط پہونچا عبدالملک کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہوگئی۔ کوئی بات نہیں بنی اور نہایت پریشانی سے بسر کرنے لگا۔ جس قدر علماء فضلاء و حکماء و اہل صنعت و حرفت تھے سب کی کمیٹی کر کے دریافت کیا کہ کیا تدبیر کی جائے جو یہ بلا دفع ہو اور پھر اپنی بات بھی رہ جائے۔ سب خاموش رہے۔ کچھ جواب نہ دے سکے تب وزیر اعظم روح بن زنباع نے نہایت آزادی اور جرأت سے کہا کہ سرکار اُن بزرگ کو خوب جانتے ہیں جن کی بدولت اس مصیبت سے نجات ہو سکتی ہے مگر عمداً اُن کو ترک کرتے ہیں۔ عبدالملک نے پوچھا وائے ہو تم پر بتاؤ وہ کون بزرگ ہیں؟ روح بن زنباع نے کہا سرکار کو مناسب ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ کی طرف رجوع کریں جو اہل بیت نبیؐ سے ہیں کہ صرف انہیں سے یہ آفت ٹل سکتی ہے۔ عبدالملک نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ اس کے بعد گورنر مدینہ کے نام خط لکھا کہ جناب امام محمد باقرؑ کو بہ تعظیم و احترام میرے پاس روانہ کرو اور روانہ کرنے میں بے ادبی نہ کرنا بلکہ بہ ملاطفت و نرمی روانہ کرنا جس کو وہ چاہیں اپنے ہمراہ لائیں اور جس طرح پسند کریں اسی طرح زحمت فرمائیں۔

عبدالملک نے یہ خط بھیجکر قیصر روم کے سفیر کو اپنا مہمان رکھا۔ جب حضرت امام محمد باقرؑ تشریف لائے تو عبدالملک نے پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا یہ تو ایسی بات نہیں تھی۔ جس سے تم اس درجہ پریشان ہوئے۔ اوّلاً خدا محافظ

ہے قیصر روم کو کبھی اس کے ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیگا کہ رسول خدا صلعم پر سب وشتم جاری ہونے پائے۔ دوسرے تم مجبور بھی نہیں ہو اس کی بخوبی تدبیر کر سکتے ہو۔ عبدالملک نے پوچھا میں کیا کر سکتا ہوں؟ حضرتؑ نے فرمایا اسی وقت کاریگروں کو بلا کر درہم و دینار کا اسلامی سکہ ڈھلوا سکتے ہو کہ ایک طرف کلمۂ توحید ثبت ہو اور دوسری جانب حضرت رسول خدا صلعم کا اسم مبارک۔ اور اس کے حلقہ میں شہر کا نام اور سکہ ضرب ہونے کا سال ثبت کراؤ کہ یہی اسلامی سکہ رواج پائے۔ اس کے بعد حضرت نے اس کے اوزان بتلائے کہ درہم کے تین سکے اس وقت جاری ہیں۔ ایک بغلی جو دس۱۰ مثقال کے دس۱۰ ہوتے ہیں۔ دوسری سمری خفاف جو ۶ مثقال کے دس۱۰ ہوتے ہیں اور تیسرا پانچ مثقال کا دس یہ کل ۲۱ مثقال ہوئے۔ اس کو ۳ پر تقسیم کیا ۷ مثقال ہوا۔ اسی سات مثقال کے دس درہم بنوائے اور اسی ۷ مثقال کی قیمت کے سونے کا دینار بنایا جس کا خردہ دس درہم ہوا۔ سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں تھا۔ اس لئے فارسی ہی میں اس کا بھی نقش رہنے دیا اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں کیونکہ اسی انداز کے سکوں کا رواج تھا۔ اور ڈھالنے کا سانچہ کانچ کا بنوایا تاکہ زیادتی و نقصان سے محفوظ رہے۔ حضرتؑ نے یہ سب تعلیم دے کر ارشاد فرمایا کہ اس اسلامی سکہ کو تمامی بلاد اسلامیہ میں جاری کر دو۔ اور اس مضمون کے فرمان کا اعلان کر دو کہ ہر شخص اس سکہ کو استعمال کرے۔ درصورت خلاف ورزی وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ کہ اس ذریعہ سے رومی سکہ کا استعمال ہی موقوف ہو جائے گا۔ اور یہی اسلامی سکہ ہر جگہ رواج پائے گا۔ عبدالملک نے حضرتؑ کے ارشاد کے مطابق اسلامی سکہ بنوایا۔ اور ہر جگہ اس مضمون کا فرمان بھیجدیا کہ جو شخص اس سکہ کے خلاف دوسرے سکہ کو استعمال کرے گا۔ سزا پائے گا۔ اس کے بعد قیصر روم کے سفیر کو رخصت دی۔ اور وہی جواب جو حضراتؑ نے فرمایا تھا۔ اس سفیر سے کہا۔ کہ اب قیصر روم سے کہہ دینا کہ جس

بات کی تم نے دھمکی دی ہے اُسے کر ڈالو کہ خدا کبھی اس کو چلنے نہیں دے گا۔ میں نے تمہارے سکّوں کو اپنے ملکوں میں باطل کر دیا ہے اور اس مضمون کا فرمان جاری کیا کہ جو شخص رومی سکہ یا رومی مارک کی چیزوں کو استعمال کرے گا وہ سزا پائے گا۔ قیصر روم کے پاس جب یہ جواب پہنچا تو دم بخود ہو کر رہ گیا۔ لوگوں نے اُس سے کہا بھی کہ تم نے بادشاہ عرب کو جو دھمکی دی تھی کہ رسولِ خدا کو گالیاں دلواؤ گے۔ اب اس کو پورا کیوں نہیں کرتے؟ اُس نے کہا جس وقت میں نے دھمکی دی تھی اُس وقت البتہ میں اس پر قادر تھا۔ اب تو مجبور ہوں۔ کیوں کہ اہل اسلام اس سکہ سے لین دین نہیں کریں گے تو پھر اس سے کیا نفع ہو گا۔ غرض حضرتؑ نے جس امر کی خبر دی تھی کہ قیصر اس امر کی اشاعت پر قادر نہیں ہو گا۔ اس کی بخوبی تصدیق ظاہر ہو گئی (حیوٰۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر جلد اصفحہ ۱۵۷) اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ سیاست میں بھی ائمہ طاہرینؑ کا کیا درجہ تھا۔

حضرتؑ کے زمانہ کے بادشاہ

حضرتؑ کی خلافت ۹۵ھ ہجری سے ۱۱۴ھ ہجری تک رہی۔ اس درمیان میں دنیائے اسلام کے حسب ذیل بادشاہ بنی امیہ سے ہوتے رہے۔ ولید بن عبدالملک۔ سلیمان بن عبدالملک۔ عمر بن عبدالعزیز[1]۔ یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک۔

---

[1] خاندان بنی امیہ کا یہ آٹھواں خلیفہ (بادشاہ) عدل و انصاف اور رعایا پروری میں مشہور ہے۔ اور دوسرے خلفاء کے مقابلہ میں زہد۔ اتقاء۔ خوفِ خدا وغیرہ اوصافِ حسنہ میں بھی ممتاز تھا۔ باغ فدک حضرت رسولِ خدا صلعم کی اولاد کو واپس دے دیا تھا۔ معاویہ کے زمانہ سے حضرت امیر المومنینؑ پر لعن و تبرا ہوتا تھا اور حضرتؑ کو گالیاں دی جاتی تھیں۔

حضرتؑ کی وفات

حضرتؑ کو بھی ہشام کی طرف سے زہر دے دیا گیا جس سے آپ نے ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ہجری (۷۳۲ء) کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ علماء محققین نے لکھا ہے۔ مات مسموماً کابیہ۔ اپنے پدر بزرگوار کی طرح حضرتؑ نے بھی زہر سے وفات پائی۔ (نور الابصار ص ۱۴۴ وصواعق محرقہ ص ۱۲۰ وغیرہ)

ازواج و اولاد

حضرتؑ کی چار بیویاں تھیں۔ ام فروہ۔ ام حکیم سے اولاد ایک اور بی بی جن کا نام نہیں ملا اور حضرتؑ کی اولاد سات تھی۔ (۱) پہلی بیوی ام فروہ دختر قاسم بن محمد بن ابی بکر سے دو بیٹے حضرت امام جعفر صادقؑ اور عبداللہ (۲) دوسری بیوی ام حکیم دختر اسد بن مغیرہ ثقفی سے بھی دو بیٹے ابراہیم و عبداللہ (۳) تیسری بیوی سے ایک لڑکا ایک لڑکی علی اور زینب اور چوتھی بیوی سے ایک لڑکی ام سلمہ وارشاد ص ۲۹۵ وغیرہ)

بقیہ حاشیہ ص ۲۴۷

اس خلیفہ نے اُسے موقوف کر کے اس کی جگہ میں چاروں خلفاء کے نام داخل کر کے اُن کے اور مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرنے کا حکم جاری کیا۔ غرض حضرات اہلبیتؑ کے متعلق اس کا نیک برتاؤ بہت زیادہ ممدور رہا ۱۲ منہ

چھٹا باب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

آپ حضرت رسولِ خدا صلعم کے چھٹے خلیفہ مسلمانوں کے چھٹے امام محمد باقر علیہ السلام کے فرزند تھے۔ ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ ہجری (۷۰۲ء) روز جمعہ کو مدینہ میں پیدا ہوئے ۱۲ سال کی عمر تک اپنے دادا امام زین العابدینؑ کے ساتھ۔ اور ۳۱ سال کی عمر تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد امام قرار پائے۔ ۱۵ شوال ۱۴۷ھ ہجری (۷۶۵ء) کو ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور جنۃ البقیع میں دفن کیے گئے۔

حضرتؑ کے والدین

حضرتؑ کے والد امام محمد باقرؑ اور والدہ جناب محمد بن ابی بکر کی پوتی ام فروہ تھیں۔ چونکہ محمد بن ابی بکر کی ماں نے حضرت امیر المومنینؑ سے عقد کر لیا تھا اس وجہ سے یہ بھی ماں کے ساتھ حضرت امیر المومنینؑ کے پاس آ گئے تھے اور حضرتؑ کی خدمت میں رہے۔ حضرتؑ کے مشہور شیعوں میں سے تھے۔ اور بڑے کارہائے نمایاں کیے۔

حضرتؑ کا نام۔ کنیت۔ القاب

حضرتؑ کا اسم گرامی جعفر[1] کنیت ابو عبداللہ ابو عبداللہ۔ ابو اسمٰعیل اور ابو موسیٰ تھی۔ اور القاب صادق۔ صابر۔ فاضل۔ طاہر

---

[1] جعفر کے معنی کے متعلق جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے جو فرقہ اہل حدیث کے محترم عالم اور پیشوا تھے لکھا ہے۔ جعفر۔ چھوٹی نہر یا بڑا واسع کشادہ۔

وغیرہ تھے۔

حضرت کی جلالت قدر کے بیان کو ایک دفتر چاہیئے۔ آنریبل جسٹس امیر علی صاحب واقعہ حرہ کے ذکر کے موقع پر لکھتے ہیں۔ "کفر و بت پرستی نے پھر غلبہ پایا۔ ایک فرنگی مورخ لکھتا ہے کہ اس کا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لئے سخت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہوا۔ بقیہ تمام مدینہ والوں کو یزید کا غلام بنایا گیا۔ جس نے انکار کیا اس کا سر اُتار لیا گیا۔ اس رسوائی اور بدنامی سے صرف دو آدمی بچے علی ابن الحسینؑ اور علی بن عبداللہ بن عباس۔ ان سے یزید کی بیعت نہیں لی گئی۔ مدارس۔ شفاخانے اور دیگر رفاہِ عام کی عمارتیں جو خلفاء کے زمانہ میں بنائی گئی تھیں یا تو قید کر دی گئیں یا مسمار ہوئیں اور عرب پھر ایک ویرانہ بن گیا۔ اس کے کچھ مُدت بعد حضرت علی بن الحسینؑ امام زین العابدینؑ کے پوتے امام جعفر صادقؑ نے اپنے جدِ امجد حضرت علی مرتضیٰؑ کی عظیم الشان

(بقیہ صفحہ ۲۴۹) امام جعفر صادقؑ مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شیخ ہیں۔ اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان میں سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں فی نفسی منہ شیء ومجالد احب الی منہ (امام جعفر صادقؑ سے خلش ہے اور اُن سے زیادہ مجالد کو میں دوست رکھتا ہوں) حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہلِ سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو ائمہ اہلبیتؑ سے کچھ محبت اور اعتقاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے۔ مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادقؑ سے جو ابن رسول اللہ ہیں اُن کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔" (انوار اللغۃ پ ۵ ص۱۳۳)

تعلیم گاہ بجز مدینہ میں جاری کی مگر یہ صحرا میں صرف ایک ہی سچا نخلستان تھا۔ اس کے چاروں طرف ظلمت اور ضلالت چھپاتی ہوتی تھی (تاریخ اسلام ص۲۶)

امام مالکؒ و امام ابو حنیفہ صاحب وغیرہ کی شاگردی

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب وغیرہ نے لکھا ہے" ابو حنیفہ ایک مدت استفادہ کی غرض سے ان (امام محمد باقر علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیتؑ ہی کے گھر سے نکلے۔ وصاحب البیت ادری بما فیہا" (سیرت النعمان مطبوعہ آگرہ ص۴۵) اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اعیان ائمہ میں ایک جماعت مثل یحییٰ بن سعید و ابن جریح و امام مالک بن انس و امام سفیان ثوری۔ و سفیان ابن عیینہ و امام ابو حنیفہ و ایوب سختیانی نے آپ سے حدیث کو اخذ کیا ہے (صواعق محرقہ ص۱۲۱) اور ابو حاتم کا قول ہے کہ جناب امام جعفرؑ ایسے ثقہ ہیں کہ آپ ایسے شخصوں کی نسبت کچھ تحقیق اور استفسار کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ علمائے سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت جعفر صادق ریاست کی طلب کو چھوڑ کر ہمیشہ عبادت میں مشغول رہے ہیں۔ حافظ ابو نعیم حلیۃ الابرار میں عمر بن المقدام سے ناقل ہیں کہ وہ کہا کرتے

تھے جب میں امام جعفر صادقؑ کو دیکھتا تو مجھے خیال ہوتا کہ یہ انبیاء کرام کے سلالہ (جوہر) ہیں۔

ابو حنیفہ صاحب کا امتحان

علامہ دمیری نے لکھا ہے کہ ابن شبرمہ کہتے تھے میں اور امام ابو حنیفہ صاحب ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسبِ ذیل گفتگو ہونے لگی :-

میں (ابن شبرمہ) نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی) یا حضرت! یہ بزرگ (امام ابو حنیفہ) عراق کے مرد فقیہ اور مجتہد ہیں۔

حضرت جعفر صادقؑ۔ شاید یہی وہ شخص ہیں جو خدا کے دین میں اپنی رائے اور عقل سے قیاس کہتے ہیں! کیا یہ نعمان بن ثابت ہیں؟

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو حنیفہ صاحب کی صرف یہی کنیت معلوم تھی اور اُن کے اصلی نام۔ ولدیت نسب وغیرہ کی مطلق خبر نہ تھی۔ حضرتؑ نے جو اُن کا نام اور اُن کے باپ کا نام لیکر مجھ سے دریافت فرمایا تو میں کچھ جواب نہ دے سکا۔ تب ابو حنیفہ صاحب نے خود ہی حضرتؑ سے عرض کی۔

امام ابو حنیفہ صاحب۔ ہاں یا حضرتؑ! میں ہی نعمان بن ثابت ہوں۔ خدا حضورؑ کا بھلا کرے میں ہی عراق کا وہ مجتہد ہوں جو دینِ خدا میں قیاس کرتا ہے۔

حضرتؑ۔ اے نعمان دیکھو خدا سے ڈرا کرو۔ اور دین خدا میں اپنے قیاس سے کام نہ لیا کرو۔ کیا تم نہیں جانتے سب سے پہلے جس شخص نے اپنے قیاس اور رائے سے کام لیا وہ ابلیس تھا۔ خدا کے حکم سجدہ آدم پر اُس نے جواب دیا کہ انا خیر منہ (میں آدم سے بہتر ہوں) تو اُس نے اپنے قیاس میں غلطی کی اور اسی وجہ سے وہ گمراہ ہو کر رہا۔ اچھا اے نعمان! کیا تم آدمی کے سر کو اُسکے باقی بدن پر قیاس کر سکتے ہو؟ کہ دونوں میں کیا نسبت ہے؟ اور تمام بدن میں سر کو اتنی خصوصیات کیوں دی گئیں کہ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ دماغ سب

اسی حصّہ کو مل گیا اور باقی کل اعضاء ان چیزوں سے محروم رہے؟

امام ابو حنیفہ صاحب - نہیں یا حضرت! تو اس راز کو حل نہیں کر سکتا۔

حضرتؑ - اچھا یہ بتاؤ خدا نے آنکھوں میں نمکینی کانوں میں تلخی۔ ناک کے نتھنوں میں رطوبت اور لبوں میں شیرینی کیوں پیدا کی؟ کس مصلحت سے خدا نے ایک ایک عضو میں ایک ایک کیفیت پیدا کی؟

امام ابو حنیفہ صاحب - یا حضرتؑ مجھے تو نہیں معلوم ہے۔

حضرتؑ - اچھا مجھ سے سنو۔ خدا نے دونوں آنکھوں کو چربی کے ڈھیلے ایسا پیدا کیا ہے اور دونوں میں نمکینی پیدا کر دی جو حیوانوں پر بڑا احسان ہے۔ کیونکہ آنکھوں میں یہ کیفیت نہ پیدا کرتا تو دونوں پگھل کر بہہ جاتیں اور سب اندھے رہتے اور کانوں میں تلخی اس لئے پیدا کی کہ سوتے وقت حشرات الارض ان میں نہ گھسنے پائیں۔ یہ بھی حیوانوں پر بڑا احسان ہے کیونکہ اگر تلخی نہ ہوتی تو چھوٹے کیڑے اندر گھس کر دماغ کو کھا جاتے اور ناک میں رطوبت اس وجہ سے پیدا کی کہ سانس کی آمد و رفت میں سہولت پیدا ہو اور خوشبو، بدبو، محسوس ہو۔ اور لب و زبان میں شیرینی اس لئے قرار دی کہ حیوانوں کو کھانے پینے کی لذت محسوس ہو۔ (اگر لبوں کا مزہ بھی تلخ یا نمکین ہوتا تو کھانے پینے کی کل چیزیں بدمزہ معلوم ہوتیں اور سب زندگی دشوار ہو جاتی)

جب اس قدر حضرتؑ فرما چکے تو امام ابو حنیفہ صاحب کا پہلے سے بھی زیادہ آسان اور بالکل ہلکا امتحان لینا چاہا اور اس طرح گفتگو ہونے لگی۔

حضرت - اچھا اے نعمان! ذرا مجھے وہ کلمہ تو بتا دو جس کا پہلا حصّہ کفر اور دوسرا ایمان ہے۔

امام ابو حنیفہ صاحب - (گھبرا کر) یا حضرت! وہ کونسا کلمہ ہے، ہم مجھے تو بالکل نہیں معلوم!

حضرتؑ - ایں! تم کو ابھی تک یہ نہیں معلوم؟ سنو وہی کلمہ شہادت

لا الٰہ الا اللہ ۔ کہ اس کا پہلا جزو کہہ کر کوئی چپ ہو جائے تو کفر ہو جائے گا (کیونکہ اس سے معلوم ہوگا وہ کسی خدا کو نہیں مانتا) اور جب دوسرا حصہ الا اللہ کہدے تو معلوم ہوگا کہ ایک خدا کو مانتا ہے (اور یہی ایمان ہے)

حضرتؑ ۔ اچھا یہ بتاؤ قتل کا گناہ بڑا ہے یا زنا کا؟

امام ابو حنیفہ صاحب ۔ قتل کا گناہ بڑا ہوا ہے ۔

حضرتؑ ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو گواہ کافی ہوتے ہیں اور زنا میں چار ضروری ہیں؟ بتاؤ تمہارا قیاس کہاں گیا؟ (جب اس کا بھی جواب نہ دے سکے تو فرمایا)

حضرتؑ ۔ خیر یہ بتاؤ روزہ کا درجہ بڑا ہے یا نماز کا ۔

امام ابو حنیفہ صاحب ۔ نماز کا (کیونکہ روزے سے افضل نماز ہے جس کا تارک کافر کہا گیا ہے)

حضرتؑ ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حالت حیض میں عورت کی جو نماز چھوٹ جاتی ہے پاک ہونے کے بعد اسکی قضا کرنے کا حکم نہیں ہوا مگر جو روزہ چھوٹتا ہے اس کی قضا واجب ہے ۔ امام ابو حنیفہ صاحب اب بھی نہ بول سکے تو فرمایا ۔

حضرتؑ ۔ بندۂ خدا! مذہب کی باتوں میں اپنی عقل سے قیاس نہ کیا کرو ۔ کیونکہ بروز قیامت ہم تم بلکہ سب خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ہم لوگ کہیں گے کہ اللہ اور رسول نے یہ فرمایا تھا ۔ اور تم اور تمہارے مقلدین کہیں گے کہ ہم نے یہ سنا اور ہم نے یہ رائے قائم کی ۔ اس وقت خدا ہمارے تمہارے بارے میں جو چاہے گا ۔ فیصلہ کر دے گا ۔ یہ بھی سن لو قتل میں دو گواہ کافی اور زنا میں چار گواہ ضروری اس سبب سے سمجھے گئے کہ (قتل ایک کھلا ہوا کام ہے جس کی گواہی مقتول کا خون ۔ اور اس کا بے جان ہونا بھی دیتا ہے ۔ اس لئے صرف دو گواہ سے کام چل جائے گا برخلاف) زنا کے کہ اس میں یہ صورت نہیں ہے ۔ آسانی سے دو شخص کسی کے زنا کی جھوٹی گواہی

دے سکتے ہیں تو اس) ہیں خدا نے لوگوں کی عزت کا پردہ رکھنے کے لئے
چار گواہ کی شرط کردی کہ جب تک یہ تعداد نہ ہو کسی پر یہ جرم ثابت نہیں ہو
سکتا۔ اور زمانہ حیض کی نماز کے قضا کرنیکا حکم اس وجہ سے نہیں دیا کہ یہ ہر
روز پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اگر اس کی قضا واجب کی جاتی تو عورتوں
کے لئے ایک مصیبت ہوجاتی (یا کسل ہونے کے روزانہ کی پانچ نمازیں بھی
پڑھیں اور زمانہ حیض کی قضا بھی ادا کریں) برخلاف روزہ کے کہ وہ سال میں
ایک ہی مہینہ واجب کیا گیا ہے (پس اگر ماہ رمضان میں آٹھ نو دن کے
روزے حیض کی وجہ سے چھوٹ گئے تو عید کے بعد شوال یا ذیقعدہ میں
اتنے روزے رکھ لئے اور سب سے زیادہ عالم تو خدا ہی ہے فقط (کتاب
حیواۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۸۶ لغت ظبی) حضرتؑ
نے امام ابوحنیفہ صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور دین کے
معاملات میں اپنی رائے اور قیاس کو دخل نہ دو کیونکہ اولاً جس نے ایسا
کیا وہ ابلیس ہے۔ چنانچہ اُس نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں یہ کہا کہ مجھ کو تو نے
آگ سے پیدا کیا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے پس اس سے ظاہر ہے کہ وہ
قیاس میں خطا کر کے گمراہ ہوا۔ (حیواۃ الحیوان جلد ۲ صفحہ ۸۵) حضرتؑ
نے امام ابوحنیفہ صاحب سے یہ بھی سوال کیا کہ تم اس احرام باندھے ہوئے
شخص کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہو جس نے ہرن کے وہ دانت توڑ ڈالے
جن کو رباعی کہتے ہیں؟ ابوحنیفہ صاحب نے کہا اے فرزند رسولؐ
مجھے نہیں معلوم کہ اس مسئلہ میں حکم شرع کیا ہے۔ تب حضرتؑ نے فرمایا
کہ تم قیاس تو خوب دوڑاتے ہو مگر اتنا نہیں جانتے کہ ہرن کے وہ دانت
ہوتے ہی نہیں جن کو رباعی کہتے ہیں (تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵)
ان امتحانوں سے معلوم ہوگیا کہ علامہ ابن تیمیہ نے جو خیال کیا کہ وہ امام
ابوحنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے اُن کی

شاگردی کیونکر اختیار کرتے"۔ یہ کیسا لغو اور قابلِ مضحکہ ہے۔ حضرت کی اس علمی جلالت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے آپ کا نام جعفر کتنا اچھا رکھا تھا۔ خود حضرتؑ فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد نے میرا نام جنت کے ایک نہر کے نام پر جعفر رکھا (تذکرہ خواص الامہ از ارجح المطالب صفحہ ۳۶۱) اور علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سادات اہلبیتؑ سے تھے، صدق مقال کی وجہ سے اُن کا لقب صادق تھا اور اُن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں ہے (وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۱۰۵) اور خود امام ابو حنیفہ صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے بڑھکر علم دین کا عالم کسی کو نہیں پایا (تذکرۃ الحفاظ ذہبی مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ا صفحہ ۱۵۱)

ایک مفتری کے جھوٹی قسم کھانیکا انجام

حضرتؑ کے زمانہ میں خلفاء بنی عباس کا دور شروع ہو گیا تھا۔ اس کا خلیفہ منصور دوانیقی جب حج کرنے گیا تو کسی شخص نے اُس کے پاس حضرتؑ کے متعلق ایک بہتان بیان کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا تو قسم کھا سکتا ہے؟ اس نے کہا ہاں میں کھا سکتا ہوں اور فوراً خدا کی قسم کھالی۔ حضرتؑ نے منصور سے فرمایا جس طرح میں کہتا ہوں اُس طرح اس سے قسم کھلواؤ۔ منصور نے کہا آپ اُسی طرح اس سے قسم کھلائیں تب حضرتؑ نے فرمایا اس طرح قسم کھاؤ کہ میں خدا کی قوت سے علیحدہ ہو کر اپنی طاقت و توانائی کی پناہ پکڑ کر کہتا ہوں کہ بے شک جعفر نے ایسا ویسا کیا ہے۔ پہلے تو اُس مفتری نے اس طرح قسم کھانے سے انکار کیا۔ مگر پھر اس طرح قسم کھالی۔ قسم کھانا تھا کہ وہیں مر کر رہ گیا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰)

حضرتؑ کی دعا کا اثر

حضرتؑ کے چچا زید بن امام زین العابدینؑ کا حال پہلے لکھا گیا کہ خلیفہ ہشام سے جنگ کی

تھی رجب آپ شہید ہو گئے تو ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حکیم بن عیاش کلبی خاندان رسالت کی توہین اور ہجو کیا کرتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر تم کو اس کا کچھ یاد ہو۔ اُس نے دو شعر پڑھے۔

صلبنا لکم زیدا علی راس نخلة — ولم ار مہدیا علی الجذع یصلب
وقستم بعثمان علیا سفاھة — وعثمان خیر من علی واطیب

خاندان رسالت والو! کیوں تم نے دیکھ لیا کہ ہم نے زید کو درخت خرما کی شاخ پر کس طرح سولی دیدی حالانکہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی مہدی دار پر چڑھایا گیا ہو، اور تم نے اپنی بے وقوفی سے علیؑ کو عثمان کے برابر سمجھ لیا حالانکہ علیؑ سے عثمان بہتر اور پاکیزہ تر ہیں۔ یہ سنکر حضرت امام جعفر صادقؑ نے دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ حکیم کلبی جھوٹا ہے تو اس پر اپنی مخلوق سے کسی درندے کو مسلط فرما۔ اس کے کچھ ہی بعد بنو امیہ نے اُس شخص کو کوفہ کی طرف بھیجا راہ میں ایک شیر نے اُس کو پھاڑ ڈالا، جب حضرتؑ کو اس کی خبر ملی تو سجدے میں گر پڑے اور فرمایا اُس کا شکر ہے جس نے اُس امر کو پورا کیا جس کا اس نے ہم لوگوں سے وعدہ فرمایا تھا۔ (نور ابصار صـ۱۴۷ وصواعق صـ۱۲۱ واصابہ جلد ۲ صـ۸۰)

حضرت کا رعب جلال

خلیفہ منصور دوانیقی کا ایک مُقرب بارگاہ ناقل ہے کہ میں نے ایک دن منصور کو پریشان دیکھ کر دریافت کیا کہ کس امر کا تردد ہے؟ اُس نے کہا میں نے رسول خدا کے خاندان والوں سے جماعت کثیرہ کو تو فنا کر دیا۔ لیکن اُن کے پیشوا کو اب تک چھوڑ رکھا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون؟ منصور نے کہا (حضرت امام جعفر (صادق) ابن محمد) میں نے عرض کی کہ جعفر بن محمد تو ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ عبادت اور یاد خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیا سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ منصور نے کہا میں جانتا ہوں کہ تو ہی اُن کو ختم کر کے مطمئن ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر جلاد کو حکم دیا۔ کہ جب (امام) جعفر (صادقؑ) ابن محمد کو لوگ حاضر کریں اور میں اپنے سر پہ ہاتھ رکھوں تو فوراً

ان کو قتل کر دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت (امام) جعفر (صادقؑ) لوگوں کے ساتھ وہاں تشریف لائے۔ حضرت اسوقت کچھ زبان سے آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔ جب منصور کی نظر حضرت پر پڑی تو وہ کانپنے لگا۔ اور استقبال کر کے حضرتؑ کو اپنی مسند پر بٹھا لیا اس کے بعد پوچھا اے فرزند رسول آپ نے کیوں زحمت فرمائی۔ حضرتؑ نے فرمایا تم نے بلایا اس وجہ سے میں آیا۔ منصور نے کہا اگر آپ کی کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا میری حاجت یہی ہے۔ کہ آئندہ میری طلبی نہ ہو۔ یہ کہہ کر وہاں واپس تشریف لائے۔ (شواہد النبوت ص۳۰۸ و وسیلۃ النجات ص۲۶۱ وغیرہ) دوسری روایت یہ ہے کہ منصور نے اپنے خادم ربیع سے کہا اگر میں اس وقت امام جعفر صادقؑ کو قتل نہ کر دوں تو خدا مجھے قتل کر دے جب حضرتؑ وہاں تشریف لے گئے تو زبان مبارک کو حرکت تھی۔ جب حضرتؑ اس کی قریب ہوئے تو خدا مجھے قتل کر دے جب حضرتؑ وہاں تشریف لے گئے تو زبان مبارک کو حرکت تھی جب حضرتؑ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا اے دشمن خدا۔ تم میرے ملک میں فساد و فتنہ پھیلاتے رہتے ہو؟ اگر میں تمہیں قتل نہ کر دوں تو خدا مجھے قتل کر دے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے بادشاہ وقت! حضرت سلیمانؑ کو بادشاہت ملی تو شکر کیا حضرت ایوب مبتلائے مصائب ہوئے تو صبر کیا۔ حضرت یوسفؑ پر ظلم کیا گیا تو معاف کیا۔ اب تمہارا زمانہ ہے۔ تمہیں مناسب ہے کہ انہیں لوگوں کی پیروی کرو۔ منصور نے یہ سنا تو سر جھکا لیا اور دیر تک اسی طرح جھکائے خاموش بیٹھا رہا پھر سر اٹھا کر کہا اے حضرت ابو عبد اللہ! آپ میرے پاس تشریف لائیں۔ کہ آپ صاحب قرابت قریبہ ہیں۔ آپ سے میرا خاندانی رشتہ ملا ہوا ہے آپ کی شان بلند اور آپ کا برتاؤ صلح و امن کا ہے۔ پھر حضرتؑ مصافحہ اور معانقہ کیا اور اپنی مسند پر بٹھا کر حضرتؑ سے بڑے ادب و احترام کی باتیں شروع کیں۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ جلد حضرت ابو عبد اللہ کے لیے جائزہ اور خلعت مہیا کرو۔ جب حضرتؑ کو رخصت کر چکا اور حضرتؑ وہاں سے باہر تشریف لائے تو ربیع نے

عرض کی اے حضور ذرا ٹھہر جایئے۔ میں نے دیکھا کہ حضور تشریف لائے، تو زبان مبارک کو حرکت تھی، جس کے بعد فوراً منصور کا رنگ بدل گیا اور وہ بالکل مسخر ہو گیا۔ میں تو اس بادشاہ کا خادم ہوں، مجھے اس دعا کی اکثر ضرورت پڑتی رہے گی۔ حضورؑ مجھے وہ دعا تعلیم فرما دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا ہاں سنو میں نے یہ دعا پڑھی تھی۔ اَللّٰھُمَّ احرسنی بعینک التی لا تنام واکنفنی بحفظک الذی لا یرام، لا اھلک وانت رجائی۔ فکم من نعمۃ انعمتھا علی قل عندھا شکری فلم تحرمنی۔ وکم من بلیۃ ابتلیت بھا قل عندھا صبری فلم تخذلنی۔ اللھم بک ادرا فی نحرہ واعوذبک من شرہ۔ اے اللہ تو اپنی اس توجہ سے میری حفاظت کرتا رہ جو کبھی غافل نہیں ہوتی، اور اپنی اس توجہ سے میری حفاظت کرتا رہ جو کبھی غافل نہیں ہوتی۔ اور اپنی اس درگاہ میں مجھے پناہ دے جس سے آگے کوئی بڑھ نہیں سکتا (یا جس کے حاصل کرنے کا کوئی قصد نہیں کر سکتا) جیسا کہ مجھے تیری امید ہے میں ہلاک نہیں ہو سکتا۔ مجھ پر تیری کتنی نعمتیں ہیں جن کا شکریہ میں نے بہت کم ادا کیا، مگر تو نے مجھے محروم نہیں رکھا اور کتنی مصیبتیں ہیں، جن میں مبتلا ہوا تو ان پر کم صبر کرنے کا موقع ملا مگر تو نے مجھے ناامید نہیں کیا۔ اے خدا میں تیری مدد سے اس (بادشاہ) کی دگرگی میں دھکا دیتا ہوں (تو اس کے ظلم کو مجھ سے دور کر دے) اور اس کے شر سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ربیع بیان کرتا تھا اس کے بعد جب میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوا تو اسی دعا کو پڑھا فوراً وہ مصیبت دفع ہو گئی۔ (مجانی الادب جلد ۲ ص ۱۸۴ و نور الابصار ص ۱۴۶)

حضرتؑ کا حلم و عفو

حضرتؑ لوگوں کی بڑی بڑی غلطیوں کو فوراً معاف کر دیتے اور سخت نقصانوں کے موقع پر بھی شفقت و درگزر سے کام لیتے۔ ایک دفعہ حضرتؑ کی کوئی لونڈی بڑے پیالے میں کھانا حضرتؑ کے پاس لانے لگی، وہاں اور کچھ لوگ بھی جمع تھے ان کو دیکھ کر وہ

ٹھکرائی ہوئی بڑھی تو وہ پیالہ اُس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور سب کھانا حضرتؑ پر اور حضرتؑ کے اصحاب پر گر پڑا جس سے سب کے بدن اور کپڑے خراب ہو گئے۔ یہ واقعہ دیکھ کر وہ لونڈی تو کانپنے لگی۔ مگر حضرتؑ نے اس سے فرمایا انت حرۃ لوجہ اللہ تعالیٰ لعلہ ان یکون کفارۃ للروع الذی اصابك۔ جا تو خدا کی خوشنودی کے لیے آزادی کر دی گئی۔ شاید تیرا آزاد کر دینا ہی اس رعب وخوف کا کفارہ ہو جائے۔ جو اس وقت تجھ پر طاری ہو گیا ہے۔ (مجانی الادب جلد ا صـ ۶۷) اسی طرح حضرتؑ کا کوئی غلام کھڑا ہو کر لوٹے سے حضرتؑ کے ہاتھوں پر پانی گرا رہا تھا۔ دفعۃً لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر طشت میں آ رہا۔ جس سے چھینٹیں اُڑ کر حضرتؑ کے منہ پر پڑ گئیں۔ اس پر حضرتؑ اس غلام کا منہ تکنے لگے۔ غلام نے کہا اے مولا۔ اللہ حکم دیتا ہے کہ غصہ کو پی جانا چاہیئے۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا۔ تب اُس نے کہا واللہ یحب المحسنین اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا جا میں نے تجھے خدا کی خوشی کے لیے آزاد کر دیا (مجانی الادب جلد ا صـ ۶۹)

حضرتؑ کی پیشین گوئی علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کے مکاشفاتؑ سے یہ بھی ہے کہ حکومت بنی امیہ کے آخری زمانہ میں جب اُن کو ضعف ہو گیا خاندان بنی ہاشم نے محمد ملقب بہ نفس زکیہ اور اُن کے بھائی ابراہیمؑ کی بیعت کر کے اُن کو بادشاہ بنانا چاہا۔ اس مجمع میں امام جعفر صادقؑ کو بھی بلایا گیا۔ مگر حضرتؑ نے اس سے انکار کر کے

لہ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں مکاشف جو اولیاء اللہ اور انبیاء کو ہوتا ہے وہ یہ ہے اللہ تعالےٰ ان بعضے اور غیبی اور مخفی باتیں جو چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے۔ (انوار اللغۃ پ ۲۲ صـ ۵۲)

فرمایا کہ واللہ یہ بادشاہت نہ میرے لیے ہے اور نہ ان دونوں کے لیے بلکہ یہ زرد کپڑے والے شخص کے لیے ہے کہ اسی خاندان (بنی عباس) کے بچے اور لڑکے اس بادشاہت سے کھیلیں گے۔ اس مجمع میں خاندان بنی عباس کا منصور دوانیقی بھی موجود تھا وہی زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ حضرتؑ کا یہ کلمہ منصور کے دل میں اتر گیا اور وہ برابر اس امید میں رہا کہ یہ بادشاہت اسی کو ملے گی۔ یہاں تک کہ واقعتاً خاندان بنی عباس میں اسلامی حکومت آگئی اور منصور بادشاہ ہو گیا حضرتؑ سے پہلے حضرتؑ کے والد ماجد امام محمد باقرؑ نے بھی منصور کے بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ اور اس کی سلطنت کی شرقی و غربی حدود اور طول مدت بھی بتا دی تھی۔ جس پر منصور نے حضرتؑ سے پوچھا تھا۔ کہ بنو امیہ کی مدت سلطنت زیادہ بھی یا ہم لوگوں کی سلطنت کا زمانہ زیادہ ہوگا۔ حضرتؑ نے فرمایا تھا۔ کہ تم لوگوں (بنی عباس) کی بادشاہت کا زمانہ بہت زیادہ ہوگا اور تمہارے بال بچے اس ملک کے ساتھ اس طرح کھیلیں گے جس طرح گیند سے کھیلا جاتا ہے اس کے بعد جب واقعتاً سلطنت بنی عباس کو مل گئی اور منصور بادشاہ ہو گیا۔ تو حضرت امام محمد باقرؑ کی پیشین گوئی یاد کر کے وہ برابر تعجب کرتا تھا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۱)

حضرتؑ کے بعض مناظرے

حضرتؑ سے دہریوں۔ قدریوں۔ کافروں یہود و نصاریٰ سے بکثرت مناظرے ہوئے ہیں اور سب میں حضرتؑ کو صرف اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہی حاصل نہیں حاصل ہوئی بلکہ مخالفین کی پوری تشفی بھی ہوئی اور وہ اپنے خیالات سے باز بھی آئے۔ مثلاً خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس قدریہ مذہب کا ایک شخص آیا اور کل علماء شام سے خوب مناظرہ کیا۔ سب اس سے عاجز آگئے۔ تب عبدالملک نے کہا اس کا مقابلہ سوائے محمد بن علیؑ (امام محمد باقرؑ) کے کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ خیال کر کے اس نے حضرتؑ کو مدینہ سے بلا بھیجا۔ حضرتؑ نے

فرمایا میں اب بوڑھا ہو ا سفر کی طاقت نہیں رکھتا اور حضرت امام جعفر صادقؑ کو بھیج دیا۔ جب حضرتؑ شام میں پہونچے تو عبدالملک نے حضرتؑ کو کمسن دیکھ کر حقیر سمجھا اور مناظرہ کرانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ ڈرتا تھا اگر قدریہ غالب آگیا تو اہل شام پر اور بھی برا اثر ہوگا مگر اس کے کل دربار والوں نے مناظرہ کرنے پر اصرار کیا۔ غرض مناظرہ شروع ہوا تو قدریہ نے حضرتؑ سے کہا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ حضرتؑ نے فرمایا سورۂ الحمد پڑھو۔ اُس نے پڑھنا شروع کیا۔ جب وایاک نعبد وایاک نستعین تک پہونچا تو حضرتؑ نے فرمایا ٹھہر جاؤ پھر فرمایا کہ تم کو خدا سے مدد چاہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ تمہارے اعتقاد کے مطابق ہر چیز تمہارے ہی اختیار میں ہے۔ یہ سنتے ہی قدریہ مبہوت ہوگیا اور کچھ نہ بول سکا (تفسیر برہان جلد اص ۲۳) قدریہ کا اعتقاد ہے کہ ہر کام کا اختیار میں ہے۔ یہ سنتے ہی قدریہ مبہوت ہوگیا۔ اور کچھ نہ بول سکا (تفسیر برہان جلد اص ۲۳) قدریہ کا اعتقاد ہے۔ کہ ہر کام کا اختیار بندوں ہی کو ہے۔ خدا کے حکم اور قضاء و قدر و ارادہ کو بندوں کے کسی امر میں نہ تو دخل ہے نہ وہ کچھ کر سکتا ہے۔ اس لیے حضرتؑ نے ایاک نستعین اے خدا میں تجھ سے ہی مدد چاہتا ہوں۔ استدلال کیا جس سے وہ لاجواب ہوگیا کیونکہ قدریوں کے عقیدہ کی بنا پر خدا سے مدد چاہنی غلط بیکار اور بے وجہ ہے) ابو شاکر دیصانی جو بڑا ذہین اور معتزلا مذہب تھا۔ حضرتؑ کے پاس آیا اور کہا مجھے وجود برحق کی طرف راستہ دکھائیے فرمایا ذرہ صبر کرو۔ اتنے میں ایک لڑکا ہاتھ میں کوئی انڈا لئے اُدھر سے گزرا۔ حضرتؑ نے اُس لڑکے سے انڈا لے کر فرمایا دیکھو یہ ایک مستحکم اور سڈول قلعہ ہے اس میں کوئی سوراخ یا راہ نہیں ہے۔ اس کے اُوپر ایک سخت جلد اور اُس کے اندر ایک باریک نرم جھلی ہے اور دونوں کے نیچے سفیدی میں مخلوط ہوتی ہے نہ سفیدی زردی میں یہ دونوں چیزیں اسی طرح رہتی ہیں۔ نہ کوئی درست کرنے والا کاریگر

اس انڈے کے جاتا ہے نہ کوئی بگاڑنے والا اس سے باہر آتا ہے پہلے سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس سے نر پیدا ہوگا یا مادہ کچھ دنوں کے بعد وقعتہً شق ہوتا ہے اور ایک طائر خوش الطاؤس کے رنگ کا اس سے نکل آتا ہے بتاؤ تو کیا تمہاری عقل اس کو مانتی ہے کہ یہ سب صنعتیں بغیر کسی صانع علیم قدیر و لطیف و خبیر کے آپ سے آپ وجود میں آگئیں؟ دیصانی نے یہ سنکر سر جھکا لیا۔ اور کچھ دیر غور کرنے کے بعد بول اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ معبود ہے اور محمد اس کے رسول برحق اور آپ حجت خدا نائب رسول ہیں آپ اپنے باطل عقیدہ سے تائب ہوا۔

اسی دیصانی نے ایک دفعہ ہشام بن الحکم سے کہا تھا۔ کیا تمہارا خدا ہر بات پر قادر ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پوچھا کیا ایسی بھی قدرت رکھتا ہے کہ پوری دنیا کو ایک انڈے میں سمو دیوے اور نہ انڈا بڑھنے پائے نہ دنیا سکڑ کر چھوٹی ہو جائے۔ ہشام اس کا جواب نہ دے سکے۔ تو حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ پوچھا۔ فرمایا۔ بے شک حق تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اس کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ آنکھوں کی پتلی مقدار میں مسور کے دانے سے زیادہ نہ ہوگی۔ باوجود اس کے آسمان زمین۔ جنگل۔ پہاڑ۔ شہر دریا وغیرہ سب پر جو اس کے سامنے پڑتے ہیں۔ محیط ہو جاتی ہے۔ پس جو خدا اس پر قادر ہے۔ کہ اس چھوٹی سی پتلی کے اندر ان تمام اشیاء کو داخل کر دے۔ وہ اگر تمام عالم کو ایک انڈے میں سمو دے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے؟ (اصول کافی صہ۴۲)

حضرت کی انجام بینی

حضرتؑ کا زمانہ اسلامی دنیا میں بہت پر آشوب تھا۔ بنی امیہ کی سلطنت ختم اور بنی عباس کی حکومت شروع ہو رہی تھی۔ جب بنی عباس اس پر آمادہ ہوئے کہ بنی امیہ کو ختم کر دیں تو انہوں نے خیال کیا کہ بغیر آل رسول کی دعوت کا نام لیے ہوئے

کام نہیں چلے گا۔ پس وہ امداد و انتقام اہلبیتؑ کی دعوت کرتے تھے جس سے عام طور طور پر عام طور پر آل محمد یعنی بنی فاطمہؑ کی اعانت سمجھی جاتی تھی اسی وجہ سے شیعیان بنی فاطمہؑ کو بھی اُن سے ہمدردی پیدا ہوگئی تھی اور وہ اُن سے معاون ہو گئے تھے ابوسلمہ جعفر بن سلیمان کوفی بھی جو کوفہ کے سرکہ فروشوں کے محلہ میں رہنے کے سبب خلال کہلاتا تھا۔ آل محمدؐ کا وزیر تجویز کیا گیا۔ بظاہر یہ شخص بنی فاطمہ کے گماشتے کے طور پر کام کرتا تھا۔ مگر امامؑ آل محمدؐ کی طرف سے اس کو باعلدہ منظوری حاصل نہ تھی۔ اس ابوسلمہ نے بنی امیہ کے مقابلہ پر بہت کچھ کامیابی حاصل کر کے ایک ہی مضمون کا دو خط لکھا ایک حضرتؑ امام جعفر صادق کو بھیجا اور دوسرا ابو محمد عبداللہ بن الحسن کی طرف دونوں کو لکھا تھا کہ آپ فوراً کوفہ تشریف لائیں تاکہ حکومت کو بنی امیہ سے نکال کر ہم لوگ آپ کے حوالہ کر دیں۔ اُس نے قاصد سے کہا کہ بہت تیزی سے دونوں خط لیجا کر ان حضرات کو دو۔ جب وہ قاصد مدینہ پہونچا تو شب کے وقت حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں ابوسلمہ کا خط لایا ہوں۔ حضورؑ پڑھ کر اس کا مناسب جواب لکھ دیں کہ میں لے کر چلا جاؤں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے چراغ منگایا اور بغیر پڑھے ہوئے ابوسلمہ کا خط اس پر رکھ کر جلا دیا۔ اور قاصد سے کہا ابوسلمہ سے کہہ دینا کہ اُس کے خط کا یہی جواب تھا۔ ابھی وہ قاصد مدینہ سے واپس جاکر کوفہ پہونچا بھی نہیں تھا کہ وہاں حکومت کا فیصلہ ہوگیا تھا۔ اور سفاح کی بیعت ہو چکی تھی (مروج الذہب بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۳۰۰) اگر حضرت نے ابوسلمہ کے خط پر اعتماد کیا ہوتا۔ اور حکومت حاصل کرنے کے کوفہ روانہ ہوئے ہوتے تو یا تمام دنیا میں شرمندہ ہوئے ہوتے یا بنی عباس کے خلیفہ سفاح سے آپ کو جنگ کرنے کی نوبت آگئی ہوتی۔

کتاب جفر و جامعہ

بعض مورخین نے لکھا ہے ومن مصنفاتہ کتاب الجفر حضرتؑ کی مصنفات سے کتاب

جفر و جامعہ بھی ہے۔ اور عاآمہ بھی ہے اور علامہ ابن خلکان نے جو بہت مشہور و معتبر و محقق ہے لکھا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ایک کتاب کیمیا اور جعفر و رمل پر لکھی تھی حضرتؑ کے شاگرد مشہور و معروف کیمیاگر جابر بن حیان کو جو یورپ میں جبر کے نام سے مشہور ہیں۔ جابر صوفی کا لقب دیا گیا تھا۔ اور ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق رکھتے تھے۔ ان جابر بن حیان نے ہزاروں ورق کی ایک کتاب تالیف کی جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا (تاریخ ابن خلکان جلد اص۳۵) اور علامہؒ ابن قتیبہ نے کتاب ادب الکاتب میں لکھا کہ کتاب الجفر کو امام جعفر صادقؑ نے تحریر فرمایا ہے۔ اس میں اُن کل باتوں کا ذکر ہے جن کے جاننے کی ضرورت ان حضرات کو قیامت تک ہوگی [1] (نورالابصار ص۱۴۵ مطبوعہ مصر)

---

[1] علماء اہل سنت کے جلیل القدر بزرگ جناب مولوی وحیدالزماں خاں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے آنحضرت صلعم نے امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کو دو کتابیں لکھوا دیں ایک جعفر دوسری جامعہ ایک کتاب تو بکری کی کھال پر لکھی تھی۔ دوسری بھیڑ کی کھال اور اس میں قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی تھیں وہ سب مجملاً لکھوا دی تھیں۔ سید شریف نے شرح مواقف میں نقل کیا کہ جعفر اور جامعہ دو کتابیں تھیں حضرت علیؑ پاس ان میں ازروئے قواعد علم حروف وتکبیر بڑے بڑے حوادث کا بیان تھا۔ جو قیامت تک ہونے والے تھے۔ اور آپ کی اولاد میں جو امام گزرے وہ انہیں کتابوں کو دیکھ کر اکثر امور کی خبر دیتے اور انہیں کتابوں سے نقل کرتے۔ امام ابوعبداللہ نے فرمایا میرے پاس جفر ابیض ہے۔ زید بن ابی العلاء نے پوچھا اس میں کیا ہے فرمایا زبور داؤدؑ کی اور توراۃ موسیٰؑ کی اور انجیل عیسیٰؑ کی اور ابراہیم کے صحیفے اور حلال و حرام اور حضرت فاطمہ کا مصحف اور باتیں جن کی وجہ سے لوگ ہمارے محتاج ہو نار اور میرے پاس امر بھی ہے اخیر تک کتاب قبول میں جو امام رضاؑ نے امون رشید خلیفہ

حضرت کی وفات

حضرتؑ نے ۱۵ شوال ۱۴۸؁ھ ہجری (مطابق ۷۶۵؁ء) کو زہر سے انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔
(صواعق محرقہ ص۱۲۱ و نور الابصار ص۱۴۷)

حضرتؑ کے زمانہ کے بادشاہ

حضرتؑ کے زمانہ میں خلفاء بنی امیہ سے عبدالملک و ولید سلیمان و عمر بن عبدالعزیز و یزید بن عبدالملک و ہشام و ولید بن عبدالملک و یزید الناقص و ابراہیم بن ولید و

بقیہ حاشیہ ص ۲۶۵

دو لکھی تھی) یہ مرقوم ہے کہ تو نے خلافت کے مستحق کو پہچانا اور تیرے باپ دادا نے نہیں پہچانا میں نے تیری طرف سے یہ التماس قبول کیا مامون نے امام رضاؑ سے یہ درخواست کی تھی، کہ آپ مسند خلافت پر متمکن ہو جائیے میں اپنے تئیں معزول کر دیتا ہوں چونکہ خلافت آپ کا اور آپ کے آباد اجداد کا حق تھا۔ مگر جفر و جامعہ دونوں کتابوں سے یہ نکلتا ہے کہ سادات کی خلافت چلنے والی نہیں۔ ایک امام صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خلافت اور نبوت دونوں ہمارے خاندان میں جمع کرنے والا نہیں۔ حضرت علم الہدیٰ سید مرتضیٰ ارح سے خلیفہ وقت نے ہاتھ ملایا اور تعریضاً کہا میں تمہاری انگلیوں سے خلافت کی بو سونگھتا ہوں انہوں نے کہا خلافت کی نہیں، بلکہ نبوت کے خوشبو ہے۔ مولف کہتا ہے۔ اللہ نے بنی فاطمہ کے لیے آخرت کے درجے خاص فرمائے اور دنیا کی حکومت اور سلطنت ان کی قسمت میں نہیں لکھی۔ امام حسین علیہ السلام کے عہد میں سے اب تک رات کو کبھی حکومت عامہ نصیب نہیں ہوئی اور ایرے غیرے پنچ کلیان ہمیشہ خلافت اور حکومت کے مزے اٹھاتے رہے۔ محیط میں ہے کہ علم جفر اور علم تکسیر ایک ہی ہے یعنی سائل کے سوال کے حروف میں تصرف اور تغیر کر کے اس کے سوال کا جواب نکالنا۔

(انوار الاخبار پ ۵ ص۵۱) ۶۲

ومروان حمار گزرے پھر جب سلطنت بنی امیہ ختم ہو گئی تو بنی عباس کا دور شروع ہوا جس سے ابوالعباس و منصور دوانیقی بادشاہ ہوئے اور اسی منصور دوانیقی نے حضرت کو زہر دلوا دیا جس سے حضرت شہید ہوئے۔

حضرتؑ کی اولاد و ازواج

(۱) پہلی بی بی جناب فاطمہؑ سے جناب اسماعیلؑ عبداللہ و ام فروہ تھیں (۲) دوسری بی بی سے اسحاق و موسیٰ کاظمؑ و محمد (۳) اور مختلف بیویوں سے عباس و علی و اسماء و فاطمہ۔ اس طرح حضرتؑ کی کل اولاد دس تھیں۔

حضرتؑ کے اصحاب

بھی بڑے پایہ کے تھے۔ علم و فضل و تحقیق و اشاعت دین میں ان کے کارنامے قابلِ قدر ہوتے ہیں خصوصاً محمد بن مسلم طائفی۔ ابوبصیر۔ عبداللہ بن ابی یعفور۔ زرارہ بن اعین۔ حمران ابن اعین۔ محمد بن نعمان معروف بہ مومن الطاق۔ ہشام بن سالم جوالیقی۔ مفضل بن عمر جعفی۔ کمیت بن زید اسدی۔ سعید بن محمد حمیری۔ ہشام بن الحکم وغیرہ۔ کل اصحاب کے حالات بیان کرنے میں طول ہوگا۔

جناب ہشام کا مناظرہ

صرف جناب ہشام کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ حضرتؑ کی خدمت میں جو لوگ رہتے وہ علم و فضل اور تحقیق و استنباط میں کس بلند پایہ پر پہنچ جاتے تھے۔ جناب ہشام بہت کمسن تھے مگر بڑے بوڑھوں سے زیادہ حدید الذہن واقع ہوتے تھے ایک روز حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حضرتؑ کے اصحاب مثلاً حمران بن اعین و مومن طاق و طیار و ہشام بن سالم و ہشام بن حکم بیٹھے تھے۔ ہشام بن حکم اس وقت ۱۸ یا ۱۹ سال کے نوجوان تھے۔ حضرتؑ سے اور ان سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حضرتؑ: اے ہشام! فرقہ معتزلہ کے بڑے پیشوا اور سردار عمرو بن عبید سے تم سے جو مناظرہ ہوا تھا اسے مجھے بھی سناؤ۔

ہشام ۔ حضورا مجھے شرم آتی ہے کہ حضرت ؑ کی مجلس میں ان باتوں کا ذکر کروں اور حضور ؑ کی ہیبت سے میری زبان تک نہیں کھل سکتی ۔

حضرت ؑ ۔ جب میں خود تم سے کہتا ہوں تو تمہیں عذر نہیں کرنا چاہیئے ۔

ہشام ۔ (حضرت ؑ کے حکم سے اُن کا دل مطمئن ہو گیا تو عرض کی) جب مجھے پتہ لگا کہ عمرو بن عبید معتزلی بصرہ کی مسجد میں مسندِ علم و تحقیق پر بیٹھتے ہوئے مسئلہ، امامت اور دوسرے مسائل اصول کلام میں اپنے بزرگوں (حضرات اہلسنت) کے عقائد کی اشاعت و ترویج کرتے رہتے ہیں تو میں نے بصرہ کا قصد کیا۔ جمعہ کے روز وہاں پہنچا۔ مسجد جامع میں داخل ہوا تو دیکھا کہ عمرو بن عبید سیاہ اون کا ایک شملہ پہنے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک بڑی جماعت اُن کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے۔ لوگ اُن سے علمی مسائل دریافت کرتے اور وہ سب کا جواب دیتے جاتے ہیں۔ میں صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور اُن کے سامنے جا کر دو زانو ہو بیٹھا۔ پھر اسی طرح میرے اُن کے باتیں ہونے لگیں۔

ہشام ۔ اے عالم! میں ایک مسافر شخص ہوں۔ آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں بھی آپ سے کچھ پوچھوں؟

عمرو بن عبید ۔ ہاں ہاں جو پوچھنا ہو دریافت کرو۔

ہشام ۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ کی آنکھیں ہیں؟

عمرو بن عبید ۔ اے فرزند! یہ کیسا مہمل سوال تم مجھ سے کرتے ہو؟

ہشام ۔ میرا سوال تو یہی ہے (آپ جواب دیں یا نہ دیں)

عمرو بن عبید ۔ خیر جو چاہو پوچھو اگرچہ پاگل پنے ہی کی باتیں کیوں نہ ہوں (کیا کروں گا نہیں جواب دوں گا)

ہشام ۔ تو میرا سوال وہی ہے کہ بتایئے آپ کی آنکھیں ہیں یا نہیں؟

عمرو بن عبید ۔ ہاں میری آنکھیں ہیں۔

ہشام ۔ ان آنکھوں سے کیا کرتے ہیں؟

عمرو بن علبید - ان آنکھوں سے تمام دُنیا کی چیزیں دیکھتا ہوں - آدمیوں اور چیزوں کو پہچانتا ہوں -

ہشام - آپ کی ناک بھی ہے ؟

عمرو بن علبید - ہاں ناک بھی رکھتا ہوں -

ہشام - اس سے آپ کیا کام لیتے ہیں ؟

عمرو بن علبید - اس سے بُو سونگھتا ہوں - خوشبو بدبُو میں تمیز کرتا ہوں -

ہشام - آپ کے مُنہ بھی ہے ؟

عمرو بن علبید - ہاں خدا نے مجھے مُنہ بھی دیا ہے -

ہشام - اس سے کون کام لیتے ہیں ؟

عمرو بن علبید - اس سے غذائیں چکھتا اور کھانے تناول کرتا ہوں -

ہشام - آپ کے دل بھی ہے ؟

عمرو بن علبید - ہاں بھائی دل بھی رکھتا ہوں -

ہشام - اس سے کون ضرورت پُوری ہوتی ہے ؟

عمرو بن علبید - مذکورۂ بالا اعضاء (آنکھ - کان - ناک - مُنہ) پر جو چیزیں وارد ہوتی ہیں اُن میں اسی دل سے تمیز کرتا ہوں (اُن کے سمجھنے میں کہ کون شخص دکھائی دیا - یا کس چیز کی بُو ہے - اُکیسا مزہ - جب اختلاف ہوتا ہے تو اسی دل کی طرف توجہ کر کے اُس کی مدد سے فیصلہ کرتا ہوں کہ کیا ہے)

ہشام - تو کیا دوسرے اعضاء دل سے بے نیاز نہیں (بلکہ اس کے محتاج) ہیں ؟

عمرو بن علبید - ہاں بے نیاز نہیں ہیں -

ہشام - کیوں بے نیاز نہیں ہیں ؟ حالانکہ ہر عضو میں قوت اور اک بھی موجود ہے اور سب صحیح و سالم بھی ہے -

عمرو بن علبید - اے فرزند جو چیزیں میں دیکھتا یا چکھتا یا سونگھتا ہوں اس میں جب مجھے کوئی شک ہوتا ہے (کہ کیا چیز دیکھی یا سونگھی) تو دل کی طرف

رجوع کرتا ہوں جس سے وہ شک زائل اور یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

ہشام - تو کیا خدا نے دل کو اس لئے پیدا کیا کہ آدمی کے باقی اعضاء میں جو شک پیدا ہو وہ زائل ہوتا اور صحیح و غلط کی تمیز ہوتی رہے؟

عمرو بن عبید - ہاں ہاں بس یہی بات ہے۔

ہشام - تو معلوم ہوا کہ ہر آدمی کے بدن میں ایک دل کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ باقی اعضاء کے شکوک و اختلافات کو زائل کر کے صحیح و غلط بتاتا رہے اور اس سے یقین حاصل ہو۔

عمرو بن عبید - ہاں بالکل یہی بات ہے۔

ہشام - آپ کی اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آپ کا اعتقاد ہے کہ خدا نے کسی آدمی کے اعضاء کو بھی بغیر کسی امام (دل) کے نہیں چھوڑا جو ان اعضاء کے شک کو یقین اور صحیح و غلط میں تمیز کرتا رہے مگر دنیا بھر کے لوگوں کو بغیر امام کے چھوڑ دیا۔ (یعنی ان لوگوں کا کوئی امام اپنی طرف سے نہیں مقرر کیا) تاکہ سب کے سب حیرت و ضلالت اور شک و اختلاف میں پڑے رہیں۔ اور کسی شخص کو بھی اس غرض سے نہیں مقرر کیا کہ شک و حیرت و اختلاف و ضلالت کے موقع پر لوگ اسکی طرف رجوع کر کے یقین و ہدایت حاصل کریں (کیونکہ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کا خلیفہ اور مسلمانوں کا امام کسی کو مقرر نہیں کیا اور اُمّتِ رسولؐ کو یونہی چھوڑ دیا کہ آپس میں اختلاف کر کے گمراہ ہوتے اور سے فرقوں میں منتشر ہوتے رہیں۔ اگر خدا ہی ان لوگوں کا امام بھی کسی کو مقرر کر دیتا جیسا شیعوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؑ کو خدا نے امام مقرر کر دیا تھا تو اُمّتِ رسول گمراہی سے بچ جاتی)

میری یہ تقریر سُن کر عمرو بن عبید مبہوت ہو گئے۔ دیر تک غور و فکر کرتے رہے۔ پھر سر اُٹھا کر میری طرف متوجّہ ہوئے اور کہا۔

عمرو بن عبید - کیا تم ہی ہشام بن حکم ہو؟

ہشام - واہ یہ کون کہتا ہے کہ میں ہشام ہوں؟

عمرو بن عبید۔ اچھا تم ہشام کے پاس بیٹھتے اُٹھتے ہو۔

ہشام۔ میں اُن کا ہم نشین نہیں ہوں۔

عمرو بن عبید۔ خیر بتاؤ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔

ہشام۔ میرا غریب خانہ کوفہ ہے۔

عمرو بن عبید۔ پھر ضرور تم ہشام ہی ہو۔

یہ کہہ کر عمرو بن عبید اُٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے اور اپنی جگہ لے کر جا کر بٹھایا اور پھر کوئی بات نہیں کی۔ کچھ دیر کے بعد میں وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔ جب میں نے یہ سب واقعات بیان کئے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہنس پڑے اور مجھ سے پوچھا کہ ان باتوں کو تم نے کس سے سیکھا تھا؟ میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ۔ خدائے تعالیٰ نے خود ہی میری زبان پر یہ باتیں جاری کر دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا خدا کی قسم یہ مضمون حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں کا ہے (کتاب مجالس المومنین ص۱۲۵)

ساتواں باب

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

(حضرت امام موسیٰ کاظم ع جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے صاحبزادے۔ حضرت رسولِ خدا صلعم کے ساتویں خلیفہ اور مسلمانوں کے ساتویں امام تھے، صفر ۱۲۸ ہجری (۷۴۵ء) کو بمقام ابوا (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) پیدا ہوئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں امام مقرر ہوئے ۲۵ سال تک ہدایت و ارشاد فرماتے رہے۔ ۵۵ سال کی عمر میں ۲۵ رجب ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) کو قید خانہ میں وفات پائی اور مقام کاظمین میں (جو بغداد سے ایک میل پر واقع ہے) دفن ہوئے۔

والدین حضرت ع کے والد ماجد جناب امام جعفر صادق ع اور والدہ ماجدہ جناب حمیدہ تھیں۔ جن کو حمیدہ مصفات بھی کہتے تھے۔ جناب حمیدہ ملک بربر کے ایک بزرگ صاعد کی صاحبزادی تھیں اور جناب حمیدہ کو لوگ لؤلؤۃ (موتی) بھی کہتے تھے (مناقب جلد ۵ ص ۷۶)

نام۔کنیت۔القاب حضرت ع کا اسم گرامی موسیٰ۔ کنیت ابوالحسن۔ ابوابراہیم۔ ابوعلی۔ ابوعبداللہ۔ اور القاب کاظم۔ عبد صالح۔ نفس زکیہ۔ وفی۔ صابر۔ امین۔ زاہر زین المجتہدین۔ باب قضاء الحوائج عند اللہ (خدا کے نزدیک حاجت براری کے در) تھے۔ مگر زیادہ مشہور کاظم ہے۔

آپ نہایت جلیل القدر اور صاحب خیر کثیر امام تھے شب بھر عبادت میں مصروف رہتے اور دن بھر

روزہ رکھتے۔ آپ کو کاظم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نہایت حلیم تھے۔ اور جو آپ پر ظلم کرتے ان کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے (صواعق محرقہ ص۱۲۱ و تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۲۰ و بحار جلد ۱۱ ص۲۳۳)

بچپن کے کچھ حالات

ایک روز حضرتؑ کسی مقام سے گھر پر تشریف لائے تو حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا بیٹا لکھو تو ع تنح عن القبیح ولا تردہ (بُری باتوں سے ہمیشہ الگ رہو اور کبھی ان کا ارادہ بھی نہ کرنا) آپ نے لکھا ہے تو فرمایا اس پر دوسرا مصرع لگا دو۔ حضرتؑ نے فوراً یہ مصرع لگا دیا۔ ومن اولیتہ حسنا فزدہ (جس سے بھلائی کرو اس کو زیادہ کرو) پھر حضرتؑ نے فرمایا اس پر مصرع لگاؤ ع ستلقی من عدوک کل کید (تمہارا دشمن مکر و فریب کرے تب بھی تم مکر و فریب کے پاس نہ جاؤ) (بحار جلد ۱۱ ص۲۶۶)

آپ تین سال کی عمر میں ایک بکری کے بچے سے (بطور مزاح) فرماتے تھے۔ خدا کو سجدہ کر لیکن وہ کیا سجدہ کرتا۔ تو حضرتؑ کے ایک دوست نے کہا اس سے کہے کہ مر جائے۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ وائے ہو تم پر کیا میں ہی حیات و موت دیتا ہے ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا آپ کے بعد امام کون ہوگا۔ فرمایا وہ لڑکا جو کھیل کود میں مشغول نہ ہو۔ اتنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام بکرے کا بچہ لئے نظر پڑے جس سے کہتے تھے اپنے خدا کو سجدہ کر۔ یہ دیکھ کر حضرتؑ نے آپ کو سینہ سے لگا کر فرمایا بے شک یہ لہو و لعب میں نہیں رہتا۔ (بحار جلد ۱۱ ص۲۶۶)

حضرتؑ کے فضائل

حضرتؑ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر عابد، عالم اور سخی تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۱) حضرتؑ بلحاظ عبادت و ریاضت عبد صالح کے لقب سے مشہور تھے (وفیات الاعیان جلد ۲ ص۱۳۱) کثرت عبادت و ریاضت اور خاص کر شب بھر عبادت میں کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ کو عبد صالح کہتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہے تو آپ کچھ مال اُس کے پاس بھیج دیتے۔ (طبقات الحفاظ ذہبی)

حضرتؑ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عابد، سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ سخی ہاتھ اور بزرگ نفس والے تھے، آپ فقراء اہل مدینہ کے حال پہ مہربانی فرماتے اور ان کے گھروں میں بکثرت درہم و دینار، کھانے، کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی پہنچایا کرتے مگر ان لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ کہاں سے آتا ہے جب حضرتؑ نے وفات پائی تب لوگوں پر یہ راز کھلا کہ حضرت ہی اس طرح ان لوگوں کی خدمت کرتے تھے۔ (فصول مہمہ قلمی)

ابو حنیفہ صاحب کے جوابات

ابو حنیفہ صاحب نے ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ میں نے آپ کے صاحبزادے کو دیکھا کہ لوگ ان کے آگے سے گزر رہے ہیں اور وہ کھڑے نماز پڑھتے ہیں، حضرتؑ نے امام موسیٰ کاظمؑ کو جو بالکل بچے تھے بلا کر فرمایا کہ دیکھو ابو حنیفہ کیا کہتے ہیں آپ نے فرمایا میں جس کی نماز پڑھتا تھا وہ مجھ سے بہ نسبت ان لوگوں کے جو میرے آگے سے گزر رہے تھے بہت زیادہ قریب ہے جس پر خود اس کا کلام شاہد ہے کہ فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید (میں تم لوگوں کی رگ گردن سے بھی زیادہ تم لوگوں سے نزدیک ہوں) یہ جواب سن کر حضرت امام جعفر صادقؑ نے آپ کو سینہ سے لگا کر فرمایا یہ وہ بچہ ہے جس کو تمام اسرار شریعت عطا کر چکے ہیں۔ (مناقب ص ۶۹) اس سے زیادہ لطف کا واقعہ یہ ہے۔ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ صاحب اور عبداللہ بن مسلم ساتھ ہی مدینہ میں وارد ہوئے تو عبداللہ نے ان سے کہا ابو حنیفہ! اس شہر میں خاندان آل رسولؐ کے علماء سے حضرت امام جعفر صادقؑ تشریف رکھتے ہیں، آؤ حضرتؑ کی خدمت میں چلیں تاکہ حضرت کے علوم سے کچھ فیض حاصل کیا جائے وہ راضی ہو گئے جب در دولت پر پہونچے تو دیکھا کہ حضرتؑ کے شیعوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے اور سب کے سب حضرتؑ کے منتظر ہیں۔ اتنے میں ایک نہایت کم سن صاحبزادے اندر سے باہر تشریف لائے جن کی ہیبت و جلالت قدر سے کل حاضرین سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس پر ابو حنیفہ صاحب نے متحیر ہو کر

عبداللہ سے پوچھا "یہ لڑکا کون ہے؟" انہوں نے کہا "امام جعفر صادقؑ کے صاحبزادے موسیٰ" ابو حنیفہ صاحب نے کہا ہاں! خدا کی قسم دیکھو تو میں ان کو ان کے شیعوں کے سامنے کیسا فضیحت اور ذلیل کرتا ہوں۔ عبداللہ نے کہا چپ بھی رہو تمہارا منہ ہے کہ ایسا کر سکو۔ انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم میں ضرور ان کو رسوا کروں گا پھر حضرت موسیٰ کاظمؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "صاحبزادے! بتاؤ اگر تمہارے شہر میں کوئی مسافر وارد ہو اور رفع حاجت کرنی چاہیے تو اس کے لیے کون سی جگہ مناسب ہوگی؟" حضرتؑ نے برجستہ فرمایا "مسافر کو چاہیئے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے پیچھے، ہمسایوں کی نگاہوں سے بچے، نہروں کے کنارے سے پرہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہیں ان سے حذر کرے۔ مکانوں کے صحن سے علیحدہ رشاہراہوں اور راستوں سے الگ، مسجدوں کو چھوڑ کر، نہ قبلہ کی جانب منہ کرے نہ پشت، پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے اپنی رفع حاجت کرے۔" ابو حنیفہ صاحب کہتے ہیں کہ جب میں نے بچے سے یہ جواب باصواب سنا تو میری نظروں میں ان کی عظمت و جلالت ثابت ہو گئی اور میں نے کہا میں آپ پر فدا ہوں۔ اور عبداللہ کا بیان ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ کا جواب سن کر ابو حنیفہ صاحب ایسے مبہوت ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا۔ ان کے منہ میں پتھر بھر دیئے گئے ہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ میں نہ کہتا تھا کہ خاندان رسولؐ کے بچوں کو نہ چھیڑو!"

یہ واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ ابو حنیفہ صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ بعض مسائل دریافت کروں وہاں معلوم ہوا کہ حضرتؑ آرام فرماتے ہیں۔ میں آپ کے بیدار ہونے کے انتظار میں وہیں بیٹھ گیا۔ اتنے میں آپ کے پانچ چھ سال کے صاحبزادے موسیٰؑ باہر آئے میں نے انہیں اسلام کر کے کہا "اے فرزند رسولؐ! انسان کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے ان کا فاعل خود انسان ہے یا خدا؟" یہ سن کر صاحبزادے دو زانو ہو بیٹھے اور فرمایا "ابو حنیفہ! جو پوچھا اس کا جواب سنو اور اسے یاد بھی

کر لینا اور اس کے مطابق عمل بھی کرنا۔ بندوں کے افعال تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتے یا ان کو صرف خدا کرتا ہے اور بندے بالکل مجبور ہیں۔ یا دونوں کرتے ہیں۔ یا صرف بندے کرتے ہیں۔ اور خدا کی مطلق شرکت نہیں ہوتی۔ اگر پہلی صورت ہو تو یہ کیسا خدا ہے۔ جو باوجود رحیم اور حکیم ہونے کے اپنے بندوں کو اُن اعمال کا عذاب دے گا جن کو انہوں نے بالکل نہیں کیا بلکہ خود خدا نے کیا ہے۔ اور اگر خدا اور بندوں کی شرکت سے ہوتے ہیں تب بھی یہ کیسا خدا ہے کہ باوجودیکہ وہ بندوں کے افعال میں شریک قوی ہے اور بندے ضعیف ہیں لیکن انہیں بندوں کو اُن اعمال کے عوض عذاب کرے گا۔ جن میں خود شریک ہے اور بندوں کی اعانت کی ہے۔ تو یہ دونوں صورتیں محال ہوئیں یا نہیں؟ ہیں (ابو حنیفہ) نے کہا بے شک یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔ تب حضرتؑ نے فرمایا۔ بس اب تیسری صورت کے سوائے کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ بندوں کے افعال کا فاعل تنہا بندے ہی ہیں۔ اس کے بعد حضرتؑ نے یہ چند اشعار ارشاد فرمائے ؎

لم تخل افعالنا التی نذم بها	احدی ثلث خصال حین نبدیها
اما تفرد باریناً بصنعتها	فیسقط اللوم عنا حین ناتیها
او کان یشرکنا فیها فیلحقه	ما کان یلحقنا من لائم فیها
اولم یکن لالٰهی فی جنایتها	ذنب فما الذنب الا ذنب جانیها

جن افعال کی وجہ سے ہم لوگوں کی مذمت کی جاتی ہے وہ واقع ہوتے تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتے۔ یا صرف خدا نے ان کو کیا ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ فسق و فجور ہم کریں۔ ہمیں کوئی ملامت نہیں ہو سکتی اور اگر یہ نہ ہوا اور خدا بھی ہمارے برے کاموں میں شریک قرار دیا جائے۔ تو جو ملامت خلق کی طرف سے ہماری کی جاتی ہے وہ ملامت خدا کی بھی ہوئی۔ اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو اور اُن برے اعمال کے بجالانے میں خدا کا کوئی گناہ اور جرم نہ سمجھا جائے نہ کسی قسم کی شرکت ہو تو پھر وہ گناہ بندوں ہی کا ہے کیونکہ بندے ہی اس کے فاعل ہیں۔ (بحار جلد ۱۱ ص ۲۸۵ و احتجاج

طبرسی و مناقب وغیرہ)

حضرتؑ کی مناجات

علامہ خطیب نے اپنی تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو لوگ آپ کی کثرت عبادت و زیادتی ریاضت و شدت تعب فی طاعۃ اللہ کے سبب سے العبد الصالح کہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرتؑ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور نماز مغربین سے فارغ ہو کر سجدہ میں تشریف لے گئے اور مناجات کرنی شروع کی۔ لوگوں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ فرماتے ہیں اے خدا میں اپنے کو تیرا بڑا گنہگار بندہ سمجھتا ہوں لہذا تیری مغفرت بھی بڑی ہی ہونی چاہیئے کیونکہ تو ہی اہل تقویٰ اور تو ہی اہل مغفرت ہے۔ صبح تک آپ اسی طرح سجدے میں پڑے فرماتے رہے (وفیات الاعیان جلد ۲ صـ ۱۳۱)

علامہ شبلنجی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ کاظمؑ امام جلیل القدر، اپنے زمانہ کے بے مثل و نظیر حجت خدا اور علامہ دہر تھے ہمیشہ شب بھر بیدار رہ کر عبادت خدا میں مشغول رہتے اور دنوں کو برابر روزہ رکھتے (نور الابصار صـ ۱۳۵)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ

حضرتؑ کے زمانہ میں خلفاء بنی عباس کی سلطنت شباب پر تھی۔ ابو منصور دوانیقی پھر اس کا فرزند مہدی، پھر اس کا فرزند ہادی پھر اس کا بھائی ہارون الرشید خلیفہ ہوتا رہا۔ اسی ہارون کے زمانہ میں آپ شہید کئے گئے۔

خلیفہ ہادی کا حضرتؑ کو قید کر کے چھوڑنا

خلیفہ ہادی نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو ایک دفعہ قید کیا پھر حضرتؑ کو رہا کر دیا۔ کیونکہ اس نے خواب میں حضرت علیؑ کو دیکھا کہ اس سے فرماتے ہیں کیا تم لوگ اسی لئے خلافت چاہتے تھے کہ زمین میں فساد پھیلاؤ اور قطع رحم کرو؟ خلیفہ ہادی خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ حضرت علیؑ کا اشارہ امام موسیٰ کاظم کی طرف ہے۔ پس اس نے حضرتؑ کو رات ہی کے وقت آزاد کر دیا۔ (صواعق محرقہ صـ ۱۲۲)

خلیفہ ہارون کا حضرتؑ کو قید کرنا

۱۷۳ھ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے حج کیا۔ جب وہ مکہ معظمہ میں پہنچا تو لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں چغلی کھائی کہ ان کے پاس ہر طرف سے مال آیا کرتا ہے۔ اتفاق سے ایک روز خانہ کعبہ کے پاس ہارون الرشید اور حضرتؑ میں ملاقات ہوگئی تو اس سے پوچھا گیا آپ ہی وہ ہیں جن سے لوگ چھپ چھپ کر بیعت کرتے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا ہم دلوں کے امام ہیں اور تم جسموں کے (یعنی سب لوگ دل سے ہمیں کو امام جانتے ہیں لیکن اپنے بدن کی ہلاکت کے خوف سے بظاہر تمھاری خلافت کا اقرار کرتے ہیں) لوگوں نے یہ بھی اس سے کہا کہ حضرتؑ نے تیس ہزار دینار کی زمین خریدی ہے۔ رشید نے یہ سب سنا تو اس زمین پر قبضہ کر لیا اور عیسیٰ بن جعفر بن منصور کو حکم بھیج کر حضرتؑ کو قید کر دیا ایک سال تک آپ اس کی قید میں رہے (صواعق محرقہ صـ ۱۲۲)

خلیفہ کے سوال کا بے مثل جواب دینا

خلیفہ ہارون الرشید نے حضرتؑ سے پوچھا کہ آپ کس دلیل سے کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا کی ذریت ہیں حالانکہ آپ حضرت علیؑ کی اولاد ہیں اور ہر شخص اپنے دادا کی اولاد کہا جاتا ہے نانا کی اولاد نہیں پکارا جاتا۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ومن ذریتہ داؤد و سلیمان وایوب الی ان قال وعیسیٰ ولیس لہ اب۔ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے جناب داؤدؑ سلیمانؑ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کے نام تک پہنچے۔ تب فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے تو کوئی باپ نہ تھے۔ (پھر خدا نے ان کو ابراہیمؑ کی اولاد میں کیوں کہا؟ ماں ہی کی وجہ سے تو آپ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں قرار پائے) پھر دوسری آیۃ مباہلہ پڑھ کر فرمایا کہ جب آیہ مباہلہ کے وقت پیغمبر خدا نے سوائے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے کسی کو نہیں بلایا اور بفحوائے ابناء نا حضرت حسنؑ و حسینؑ ہی رسول اللہ کے بیٹے قرار پائے۔

ہارون الرشید حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور زیارت کے لیے روضۂ مقدسہ نبوی پر حاضر ہوا۔ اُس وقت اس کے گرد قریش اور دوسرے قبائل عرب جمع تھے۔ ہارون نے حاضرین پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لیے قبر رسولؐ کی طرف خطاب کرکے کہا السلام علیک یا رسول اللہ یا ابن عم۔ اے رسولؐ اللہ اے میرے چچا کے فرزند آپ پر میرا سلام ہو۔ پھر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا السلام علیک یا ابت۔ اے پدر بزرگوار! آپ پر میرا سلام ہو۔ یہ سن کر ہارون رشید کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور اس کو ایسی ذلت محسوس ہوئی جس کو برداشت نہ کرسکا اس سبب سے اُس نے حضرتؑ کو اپنے ساتھ لے جاکر قید کردیا

(صواعق محرقہ ص ۱۲۲ وابن خلکان جلد ۲ ص ۱۳۱)

حضرتؑ کی عفت

جس زمانہ میں آپ ہارون کے قید خانہ میں تھے ہارون نے ایک حسینہ و جمیلہ لونڈی آپ کی خدمت کے لیے بھیجی جس سے مقصود یہ تھا کہ آپ کی عفت کا امتحان لے۔ حضرتؑ کو جب معلوم ہوا تو جناب سلیمانؑ نے ہدیہ بلقیس کو دیکھ کر جو کلمہ فرمایا تھا وہی کلمہ ارشاد فرمایا کہ ہارون نے کہہ دینا بل بھدیتکم تفرحون (بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ سے خوش ہو) یہ سن کر ہارون کا غصہ اور تیز ہوگیا۔ اس نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ نہ میں نے آپ کی مرضی سے آپ کو قید کیا نہ آپ کی خوشی مجھے اس جاریہ کے بارے میں منظور ہے اور جس شخص کی معرفت یہ پیام بھیجا تھا۔ اُس سے کہا کہ اس کنیز کو وہیں چھوڑ آنا۔ وہ شخص اسے لے جاکر قید خانہ میں چھوڑ آیا۔ ادھر ہارون نے اپنی صحبت برخواست کی۔ اور ایک شخص کو اُس عورت کا حال دریافت کرنے کیلئے بھیج دیا۔ اُس نے جاکر دیکھا کہ فیض عبادت امام اُس کنیز میں بھی اثر کر گیا اور وہ سجدہ میں سر جھکائے ہوئے قدوس قدوس سبحانک سبحانک کہہ رہی ہے۔ یہ حال ہارون کو معلوم ہوا تو کہا موسیٰ ابن جعفر نے اس کنیز پر جادو کردیا ہے۔ اور حکم دیا کہ وہ عورت سامنے حاضر کی جائے۔ جب وہ آئی تو اُس پر ایک

عجیب حالت طاری تھی۔ سارے جسم میں بید کی طرح رعشہ تھا اور آسمان کی جانب آنکھیں عالم تحیر میں اُٹھ کر رہ گئی تھیں۔ ہارون نے کہا یہ کیا حال ہے؟ کہا کہ میرا ایک تعجب خیز حال ہے۔ میں خدمتِ امام میں کھڑی ہوئی تھی۔ اور وہ جناب شب و روز نماز میں مشغول تھے جب نماز سے فارغ ہوئے اور آپ نے تسبیح و تقدیس آلہی شروع کی تب میں نے عرض کی کہ اے میرے سید و آقا۔ آپ کی کوئی حاجت ہو تو میں اس کے بجالانے کے لئے موجود ہوں۔ اس کے جواب میں حضرتؑ نے فرمایا مجھے تیری حاجت بالکل نہیں ہے۔ میں نے پھر عرض کی کہ میں حضور ہی کی خدمت کے لئے یہاں بھیجی گئی ہوں۔ تب حضرتؑ نے ایک جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ پھر یہ لوگ کس لئے ہیں۔ میں نے جب اُدھر نظر کی تو ایک وسیع باغ نظر آیا۔ جس کے پھول اور شگوفے کھلے ہوئے تھے۔ وہ اس قدر وسیع تھا۔ کہ نظر نہ اس کے دل سے آخر تک جا سکتی تھی۔ نہ آخر سے اول تک آسکتی تھی۔ اس میں بے مثل نشست گاہیں تھیں جن میں دیبا و حریر کا منقش فرش بچھا ہوا تھا۔ اس میں غلام اور لونڈیاں نہایت حسین و جمیل تھیں جن کا مثل حُسن و جمال میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ نہ ان کا سا لباس مجھے کہیں دکھائی دیا۔ یہ حالت دیکھ کر میں سجدہ میں گر پڑے یہاں تک کہ اس خادم نے مجھے اٹھایا تب مجھے محسوس ہوا کہ میں وہیں ہوں جہاں پہلے تھی۔ ہارون نے کہا شاید تو نے سجدہ کیا اور سجدہ ہی میں سُو گئی ہو تو تجھے اس طرح کا خواب نظر آیا ہو۔ اس نے کہا نہیں میں نے یہ عجائب دیکھ کر سجدہ کیا تھا۔ رشید نے حکم دیا۔ کہ لوگ اس عورت کی دیکھ بھال کرتے رہیں تاکہ یہ کسی اور سے اس حکایت کو نہ بیان کرنے پائے۔ وہ عورت یہ فضائل بیان کر کے پھر عبادت کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جب اُس سے کوئی نمازوں کے بارے میں پوچھتا تو کہتی تھی کہ میں نے حضرت عبد صالح کو اسی طرح عمل کرتے دیکھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ یہ لقب عبد صالح تجھے کیونکر معلوم ہوا؟ اس نے کہا اسی باغ (بہشت) کی کنیزوں (حوروں) نے یہ نام لے کر کہا تھا کہ حضرت

عبد صالح کے پاس سے ہٹ جا کیونکہ ہم لوگ خود حضرتؑ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ اس عورت کا حال عبادت برابر اسی طرح رہا یہاں تک کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی رحلت سے کچھ دنوں پہلے ہی وہ انتقال کر گئی۔ (مناقب جلد ۵ ص ۶۳)

غیبت کا عوض انعام

ایک دفعہ حضرتؑ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص برابر حضور کی غیبت کرتا اور حضور کی برائی کے بیان کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ یہ سن کر حضرتؑ نے فوراً ایک ہزار اشرفی اس کے پاس بھیج دی۔ (روائح المصطفےٰ ص ۲۶۴)

حضرتؑ کا علم غیب

خلیفہ ہارون نے اپنے وزیر علی بن یقطین کو بہت سے قیمتی کپڑے بطور خلعت بخشے۔ وہ باطنی طور پر حضرتؑ کے شیعہ تھے۔ انہوں نے وہ سب کپڑے حضرتؑ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرتؑ نے وزیر کے پاس واپس کر دیا اور فرمایا اس کو حفاظت سے رکھنا کہ تم کو کام دے گا۔ اس کے چند دنوں کے بعد وزیر اپنے ایک غلام پر غضبناک ہوا اور اسے نکال دیا۔ اس غلام نے ہارون سے جا کر کہہ دیا کہ وزیر حضرت موسیٰ کاظمؑ کا شیعہ ہے اور ثبوت میں انہیں کپڑوں کا حوالہ دیا۔ ہارون کو بڑا غصہ ہوا فوراً وزیر کو بلا کر پوچھا کہ وہ کپڑا کیا کیا؟ کہا میرے پاس ہے۔ کہا ابھی منگاؤ۔ وزیر نے وہیں ایک آدمی کو بلایا اور کہا میرے گھر جا اور میری لونڈی سے کنجی لے کر اس کا فلاں صندوق کھول اور مہر کیا ہوا ڈبا نکال لا۔ غلام جا کر اسی طرح لے آیا۔ جب ہارون نے دیکھا کہ وہی کپڑا ہے تو اس کا غضب مٹا۔ اسی طرح ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میری سو اشرفیاں لے جا کر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو دے دینا۔ اس نے لے لیں مگر اشرفیاں گنیں نہیں۔ جب مدینہ پہنچا تو اس شخص کی سو اشرفیاں علیحدہ کیں گمان کہ گنا تو صرف ننانوے تھیں مجبوراً اس نے اپنے پاس سے ایک اشرفی ملا کر سو کی تعداد پوری کی اور دینے کے وقت حضرتؑ کی خدمت میں لے گیا۔ حضرتؑ نے وہ اشرفی جو اس شخص نے اپنے پاس سے ملادی تھی۔ نکال کر اس کو دے دی اور ۹۹ خود رکھ لیں۔ پھر اس شخص نے فرمایا

کہ جس شخص نے یہ اشرفیاں بھیجی ہیں۔ اُس نے اتنی ہی دی تھیں مگر اس نے گنی نہیں تھیں بلکہ صرف تول لی تھیں (اس وجہ سے ۹۹ کو ۱۰۰ سمجھا اور یہی کہا (رواتح المصطفےٰ صہ ۱۶۲ و ۱۶۳)

حضرتؑ کی تصنیفات

علامہ چلپی نے لکھا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مشہور تصنیفات سے آپ کی مسند (مسند امام موسیٰ کاظمؑ) ہے جس کو حافظ ابو نعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الابرار نے آپ سے روایت کی ہے۔ (کشف الظنون صہ ۳۲۳)

حضرتؑ کی وفات

ہارون رشید نے حضرتؑ کو اپنے ساتھ مدینہ سے لاکر اپنے والی عیسٰی کے پاس بصرہ روانہ کر دیا سو وہاں حضرتؑ سال بھر تک قید میں رکھے گئے پھر ہارون نے حاکم بصرہ کو لکھا کہ حضرتؑ کو قتل کر دو۔ اس نے جواب میں لکھا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ مجھے معاف رکھے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ حضرت موسیٰ کاظمؑ نے تو بادشاہ کے خلاف کسی بات کا دعویٰ نہیں کرتے۔ تب ہارون نے اس کو لکھا کہ حضرتؑ کو سندی بن شاہک کے حوالہ کر دو۔ اور سندی کو لکھا کہ حضرتؑ کو قتل کر دے۔ اس نے حضرتؑ کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کھجوروں میں زہر دے دیا۔ (صواعق محرقہ صہ ۱۲۲)

مورخ ابو الفدا وغیرہ نے لکھا ہے کہ ۱۸۳ھ ہجری میں امام موسیٰ کاظمؑ نے بمقام بغداد قید خانہ ہارون رشید میں وفات پائی (تاریخ ابو الفدا جلد ۲ صہ ۱۵) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ہارون رشید کے حکم سے امام موسیٰ کاظمؑ کو رطب میں زہر دیا (تاریخ خمیس جلد ۲ صہ ۳۳۲) غرض زہر کھانے کے تیسرے روز ۲۵ رجب ۱۸۳ھ ہجری (۷۹۹ء) کو حضرتؑ نے قید خانہ میں وفات پائی۔ اسی طرح حضرتؑ کی لاش نکال کر بغداد کے پل پر رکھ دی گئی۔ ایک منادی ندا کرتا تھا کہ دیکھو یہ موسیٰ بن جعفر ہیں جنہیں رافضی سمجھتے تھے کہ کبھی نہ مریں گے۔ اس کے بعد ایک شخص نے اپنے غلاموں کو تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ اور ایک کفن

بردیمانی کا نہایت عمدہ دیا جو ڈھائی ہزار کا تھا۔ اس پر پورا قرآن مجید لکھا تھا اور کاظمین میں (جو بغداد سے ملا ہوا ہے) حضرتؑ دفن کر دیئے گئے حضرتؑ سات یا چودہ سال تک قید خانہ میں پڑے رہے اور بعد وفات آپ کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کٹوا کر نکالی گئیں۔

حضرتؑ کی اولاد

حضرتؑ نے ذکور و اناث سے ۳۷ اولاد چھوڑ کر انتقال فرمایا (صواعق محرقہ ص۱۲۲) ۱۹ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) امام علی رضا (۲) جناب ابراہیم (۳) جناب عباس (۴) جناب قاسم یہ مختلف ماؤں سے (۵) جناب اسمٰعیل (۶) جناب جعفر (۷) جناب ہارون (۸) جناب حسن یہ سب ایک ماں سے (۹) جناب احمد (۱۰) جناب محمد (۱۱) جناب حمزہ یہ سب بھی ایک ماں سے (۱۲) جناب عبداللہ (۱۳) جناب اسحاق (۱۴) جناب عبیداللہ (۱۵) جناب زید (۱۶) جناب حسن (۱۷) جناب فضل (۱۸) جناب حسین (۱۹) جناب سلیمان مختلف ماؤں سے صاحبزادیاں حسب ذیل تھیں:- (۱) جناب فاطمہ کبریٰ (۲) جناب فاطمہ صغریٰ (۳) جناب رقیہ (۴) جناب حکیمہ (۵) جناب رقیہ صغریٰ (۶) جناب کلثوم (۷) جناب ام جعفر (۸) جناب لبابہ (۹) جناب زینب (۱۰) جناب خدیجہ (۱۱) جناب علیہ (۱۲) جناب آمنہ (۱۳) جناب حسنہ (۱۴) جناب بریہہ (۱۵) جناب ام سلمہ (۱۶) جناب میمونہ (۱۷) جناب ام کلثوم (۱۸) جناب ام ابیہا (ارشاد ص۳۰۳ و اعلام الوریٰ ص۱۸۱)

حضرتؑ کا اب تک باب قضاء الحوائج ہونا

حضرتؑ کا لقب باب قضاء الحوائج یعنی حاجتیں پوری ہونے کا دروازہ بھی تھا حضرتؑ کی زندگی میں بھی حضرتؑ سے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی تھیں اور حضرتؑ کی شہادت کے بعد آپ کے روضہ پر بھی جو کاظمین میں ہے برابر حاجتمندوں کی دعائیں قبول ہوتی رہتی ہیں۔ تھوڑا زمانہ ہوا بعض انگریزی زبان کے معزز اخباروں میں ایک خبر شائع ہوئی

تھی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضہ پر ایک اندھے کو بینائی مل گئی۔ حال ہی میں روضہ کاظمین شریف پر جو شہر بغداد سے باہر ہے ایک معجزہ ظاہر ہوا ہے کہ ایک اندھا اور بوڑھا سید نہایت مفلسی کی حالت میں روضہ شریف کے اندر داخل ہوا اور جیسے ہی اس نے امام موسیٰ کاظم کے روضہ کے تعویذ کو اپنے ہاتھ سے مس کیا وہ فوراً چلاتا ہوا باہر کی طرف دوڑا کہ "مجھے بینائی مل گئی۔ مجھے بینائی مل گئی۔ میں دیکھنے لگا ہوں۔ اس پر لوگوں کا بڑا ہجوم اس کے گرد جمع ہو گیا۔ اور اکثر لوگ اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین جھپٹ کر لے گئے۔ اس کو تین دفعہ کپڑے پہنائے گئے۔ اور ہر دفعہ وہ کپڑے ٹکڑے ہو کر لوگوں کے ہاتھوں تک پہونچ گئے۔ آخر روضہ شریف کے خدام نے اس خیال سے کہ کہیں کہیں اس بوڑھے سید کے بدن کو نقصان نہ پہونچے اس کو اس کے گھر پہونچا دیا جہاں پر سیکڑوں لوگ اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اس کا بیان ہے کہ میں بغداد کے اسپتال میں اپنی آنکھ کا علاج کراتا تھا مگر ڈاکٹروں نے کہا کہ میرا مرض لاعلاج ہے۔ تب میں مایوس ہو کر روضہ اقدس پر آیا کہ خدا سے بینائی واپس لانے کی دعا کروں جیسے ہی میں نے روضہ کے تعویذ کو مس کیا میری آنکھوں کے سامنے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ میری آنکھیں چوندھیا گئیں اور آواز آئی کہ "جاؤ تمہیں پھر سے آنکھ کی روشنی دے دی گئی۔ یہ سُن کر میں بھاگا اور ہر چیز کو دیکھنے لگا۔ تمام لوگ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ بوڑھا سید پورے طور پر اندھا تھا۔ اور اب دیکھنے لگا ہے۔ (اخبار انقلاب لاہور و اخبار اہلحدیث امرتسر مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۲۸ء و اخبار پائیر الہ آباد مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۲۸ء)

یعقوب وزیر چونکہ حضرت ہی کے زمانہ میں ایک قابل قدر شیعہ وزیر مصائب میں گرفتار رہے اس وجہ سے ان کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ کے زمانہ میں منصور دوانیقی بادشاہ تھا اس نے امام حسنؑ کے پر پوتوں جناب ابراہیم و جناب نفس زکیہ کو بڑے ظلم سے

قتل کیا اور جناب ابراہیم کے منشی یعقوب کو جو بڑی عقل وفضل کے مالک تھے قید کردیا
گر منصور کے مرنے پر اس کے بیٹے مہدی نے یعقوب کے حسن انتظام واعلیٰ تدبر
سے ان کو قید سے نکال کر اپنا وزیر بنا لیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ سفید و سیاہ
کے مالک ہو گئے۔ مگر حاسدوں سے ان کی ترقی دیکھی نہ گئی۔ بادشاہ سے چغلیاں
کھانی شروع کیں۔ یہ بھی کہا کہ یہ شیعہ اور اولاد حضرت علیؑ کے جان نثار ہیں۔ یہ
جادو چل گیا۔ بادشاہ نے یعقوب کا امتحان لینے کے لئے ان سے کہا میں تم کو
اپنا فلاں خاص اعلیٰ درجہ کا باغ اور اپنی فلاں نہایت خوبصورت لونڈی اور ایک لاکھ
درہم انعام دیتا ہوں۔ ان سب کے بدلے تم میری ایک آرزو پوری کر دو۔ انہوں نے
بے جانے وعدہ کر دیا۔ بادشاہ نے کہا تین مرتبہ قسم کھاؤ۔ انہوں نے قسم بھی کھالی بادشاہ
نے کہا میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ۔ انہوں نے یہ بھی کیا۔ تب بادشاہ نے حضرت علی
علیہ السلام کی نسل کے ایک سیّد کو جو اس کے ہاں قید تھے طلب کر کے یعقوب کے حوالہ
کیا کہ ان کا قتل کر کے میری آرزو پوری کرو۔ پھر اس نے انعام کا کل مال واسباب اور
وہ لونڈی بھی یعقوب وزیر کے گھر پہنچوا دی۔ یعقوب نے ان سیّد کو بھی اپنے
ہاں لاکر رکھا۔ اس بیچارے نے کہا۔ اے یعقوب کیا تم دنیا سے اس طرح جانا چاہتے
ہو کہ تمہارے دامن پر حضرت رسول خدا صلعم کی بیٹی جناب سیدہ کی اولاد سے ایک
سیّد کے خون کا دھبّا لگا ہو؟ یعقوب تو سادات کے جاں نثار تھے۔ وہ ایسا ظلم
کیسے کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس سید کو قتل کرنے کے عوض وہ سب مال جو بادشاہ
نے ان کو بطور انعام دیا تھا دے کر چھوڑ دیا اور کہا جو دل چاہے چلے جایئے وہ
بیچارے ایک طرف نکل گئے۔ مگر بادشاہ کی اسی لونڈی نے جو یعقوب کو بطور انعام
ملی تھی۔ کسی طرح بادشاہ کے ہاں خبر کر دی کہ یعقوب سے آپ نے جس سیّد کے قتل
کا وعدہ کیا تھا۔ اسے انہوں نے چھوڑ دیا اور حضور کا کل مال بھی اس سیّد کو دے
دیا۔ بادشاہ نے پیادے بھیج کر اس سیّد کو گرفتار کر منگایا۔ پھر یعقوب سے باز پرس
کی۔ یہ بیچارے جواب ہی کیا دیتے۔ بادشاہ نے کہا اب تو تمہارا خون حلال ہو گیا

ہی تم کو قتل کر دیتا مگر حقیر۔ (پھر پیادوں سے کہا) ان کو قید کر دو۔ بیچارے ایسے اندھیرے کنویں میں قید کئے گئے جس میں آفتاب کی روشنی تک نہیں پہونچتی تھی۔ وقت تک کا پتا نہیں چلتا تھا۔ کیونکہ ان کو اس کنویں میں قید کر کے اس کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔ اور صرف ایک سوراخ چھوڑ دیا گیا تھا جس سے ہر روز ایک روٹی اور ایک کوزا پانی رسی میں باندھ کر لٹکا لیا جاتا۔ اس کو لے کر بیچارے کھا پی لیتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو ایک شخص اس کنویں پر آ کر پکار جاتا کہ نماز کا وقت ہو گیا پڑھ لو تب بیچارے نماز پڑھتے۔ پندرہ برس تک یعقوب اسی طرح اس کنویں پر آ کر پکارا جاتا کہ نماز کا وقت ہو گیا پڑھ لو تب بیچارے نماز پڑھتے۔ پندرہ برس تک یعقوب اسی طرح اس کنویں میں قید رہے۔ آخر بادشاہ ہارون نے ان پر رحم کھا کر اس قید سے نکالا تو اتنی مدت تک اس اندھیرے کنویں میں رہنے کی وجہ سے ان کی آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ اور وہ بالکل اندھے ہو کر اس سے نکلے پھر ہارون کی اجازت سے مکہ معظمہ چلے گئے وہیں رہے یہاں تک کہ ۱۸۶ھ ہجری میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (مراۃ الجنان علامہ یافعی مطبوعہ حیدرآباد جلد اول ص ۴۱۹)

وفیات حضرت کے زمانہ میں اسلام کے متعدد مشہور لوگوں نے انتقال کیا۔ مثلاً ۱۵۰ھ ہجری میں مجتہد زمانہ ابو حنیفہ صاحب نے۔ ان کے دادا زوطا تیم اللہ بن ثعلبہ کے موالی میں سے تھے۔ بعد ازاں غلامی سے آزاد کر دیئے گئے۔ ۱۵۸ھ ہجری میں خلیفہ منصور دوانیقی نے ۱۶۱ھ ہجری میں سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادہم نے ۱۷۰ھ ہجری میں خلیفہ ہادی نے انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ خلیفہ ہارون الرشید ہوا جو اپنے باپ کی مدخولہ عورت پر عاشق ہوا اور آخر اس سے اپنی خواہش پوری کی جو عہد اسلام کا نہایت ہی شرمناک اور اس مذہب کا رسوا کرنے والا واقعہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۷)

آٹھواں باب

حضرت امام رضا علیہ السلام

(حضرت امام علی رضاؑ حضرت رسول خدا صلعم کے آٹھویں خلیفہ اور مسلمانوں کے آٹھویں امام تھے۔ ۱۱ر ذیقعد ۱۵۳ سنہ ہجری (۷۷۰ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۲۳ر ذیقعدہ ۲۰۳ سنہ ہجری (۸۱۸ء) کو شہر طوس (صوبہ خراسان) میں زہر سے شہید ہو کر وہیں دفن ہوئے۔ خراسان میں حضرت کا روضہ نہایت عالی شان اور جلیل القدر ہے۔ ۳۰ سال تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہے۔ ۱۸۳ سنہ ہجری میں امام مقرر ہوئے اور ۵۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی)

والدین حضرتؑ کے والد ماجد کا نام حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور والدہ ماجدہ کا نام نجمہ تکتم۔ ام البنین خیزران تھا۔

نام۔ القاب حضرتؑ کا اسم گرامی علی، کنیت ابوالحسن اور القاب رضا، صابر، زکی اور ولی تھے۔ (تذکرہ خواص الامہ ص۱۹۸)

فضائل حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی ۳۷ اولاد میں از روئے قدر و مرتبہ حضرت علی رضاؑ سب سے افضل و اعلیٰ تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۲) افضل اولاد امام موسیٰ کاظمؑ بلکہ اشرف مخلوق زمانہ حضرت امام علی رضاؑ تھے۔ (حبیب السیر) حضرتؑ کو علم گزشتہ و آئندہ حضرتؑ کے آباء و اجداد سے وراثت کے طور پر پہونچا تھا۔ (وسیلۃ النجاۃ ص۳۷۷) امام علی رضاؑ ہر زبان اور لغت میں فصیح و دانا ترین مردم تھے۔ اور جو شخص جس زبان میں باتیں کرتا تھا۔ اسی زبان میں حضرتؑ

اس کو جواب دیتے ہیں۔ (روضتہ الاحباب) ملا مبین صاحب نے جامع الاصول ابن اثیر جزری سے نقل کیا ہے کہ دوسری صدی کے آغاز پر مذہب امامیہ کے مجدد حضرت امام علی رضاؑ تھے۔ (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۷۶)

مامون کی ولیعہدی

حضرتؑ کے زمانہ میں خاندان بنی عباس کا مشہور مامون الرشید بادشاہ وقت تھا۔ اس نے ۲۰۱ھ ہجری میں حضرت امام علی رضاؑ کو اپنا ولیعہد قرار دیا جس کے لیے حضرتؑ کو مدینہ سے خراسان میں بلایا گیا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں حضرت علی رضاؑ امام ہفتم موجود تھے جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا[له] اور چونکہ زہد و تقدس کے علاوہ اُن کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایاں تھا۔ مامون نے ان کو ولی عہد سلطنت کرنا چاہا۔ اس سے پہلے ۲۰۰ھ ہجری میں اُس نے فرامین بھیجے کہ تمام ممالک میں جس قدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں آستانۂ خلافت میں حاضر ہوں۔ عیش و دولت کی تربیت کا اثر دیکھو کہ نویں ہی پشت میں حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار زن و مرد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مامون نے بڑی عزت سے اُن کا استقبال کیا اور عباسی نسلیں پورے دس دن حریم خلافت کی مہمان رہیں۔ اس اثناء میں مامون نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربہ و امتحان کی نگاہ سے دیکھا اور یہ قطعی رائے قائم کر لی کہ اس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بار گراں سنبھال سکے۔ اب ۲۰۱ھ ہجری میں اس نے ایک دربار (جس میں تمام سلطنت و اراکین دربار موجود تھے) منعقد کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا کہ آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں

[له] کس قدر تعجب خیز امر ہے کہ مولوی شبلی صاحب ایسے مشہور اسلامی مورخ بھی دوازدہ امام سے اس درجہ ناواقف تھے کہ امام علی رضاؑ کو جو امام ہشتم لکھتا ہے (حالانکہ امام ہفتم تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے) افسوس!!! سچ ہے این خانہ تمام آفتاب است۔"

ہیں اُن کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر چکا ہوں، نہ اُن میں اور نہ آل علیؑ میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضاؑ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت علیؑ رضاؑ کے لئے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا فوج کی وردی بھی بدل دی گئی۔ تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ امیرالمومنین مامون کے بعد علیؑ رضاؑ تاج و تخت کے مالک ہیں اور اُن کا لقب الرضا من آلِ محمدؐ ہے۔ حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ اُن کے لئے بیعت عام لی جاوے اور عموماً اہل فوج و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کریں۔ اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہل چل ڈال دی۔ اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ لعضوں نے بہ جبر اس حکم کی تعمیل کی۔ مگر عام صدا یہی تھی کہ خلافت خاندان عباس کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتی"۔ (المامون ص۸۲)

حضرت رسولِ خدا کی تعبیر امام علی رضاؑ

حاکم نے محمد بن عیسٰی سے اور اس نے ابو حبیب سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلعم کو اپنے شہر کی اُس منزل میں دیکھا جہاں حاجی اُترتے ہیں، میں نے حضرتؐ کو سلام کیا اور حضرتؐ کے پاس ایک طبق دیکھا جس میں نہایت عمدہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں، میرے سلام پر حضرتؐ نے مجھے ۱۸ دانے اس کھجور کے مرحمت فرمائے۔ میں اس خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ اب صرف ۱۸ سال اور زندہ رہوں گا۔ اس خواب کے بیس دن کے بعد حضرت امام علی رضاؑ مدینہ سے تشریف لائے اور اسی مسجد میں اُترے جس میں حضرت رسولِ خدا صلعم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ حضرتؑ کے سامنے بھی ایک طبق میں ویسی ہی کھجوریں رکھی تھیں۔ لوگ حضرتؑ کے سلام کو دوڑے میں بھی گیا تو دیکھا کہ حضرتؑ ٹھیک اسی جگہ تشریف فرما ہیں جہاں میں نے

خواب میں حضرت رسولِ خداؐ کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ میں نے حضرتؐ کو سلام کیا تو حضرتؐ نے جواب دیا اور اپنے قریب بلا کر ایک مٹھی کھجوریں مرحمت فرمائیں۔ میں نے گنیں تو یہ بھی صرف ۱۸ تھیں اسی قدر جتنی رسول خدا صلعم نے مجھے خواب میں دی تھیں۔ میں نے عرض کی حضور اور کچھ مرحمت ہو۔ تو فرمایا اگر حضرت رسولِ خدا صلعم تم کو خواب میں اس سے زیادہ دیتے ہوتے تو میں بھی زیادہ دیتا (صواعق محرقہ ص ۱۲۳) قابلِ غور یہ امر ہے کہ حضرتؑ کو کیسے خبر ہو گئی کہ حضرت رسول خدا صلعم نے خواب میں اس شخص کو ۱۸ کھجوریں دی تھیں۔ بس خدا ہی ان حضرات کو ہر بات کی خبر کر دیتا تھا۔

نیشاپور میں حضرتؑ کا داخلہ

حضرتؑ کی یہ عزت و شان تھی کہ جب مامون نے ولیعہدی کے لئے حضرتؑ کو مدینہ سے ملک خراسان میں بلایا اور حضرتؑ کی سواری نیشاپور میں پہنچی تو زائرین کے اژدہام سے چلنا دشوار تھا۔ بازار کے رستے بند ہو گئے تھے۔ آپ ایک خچر پر سوار تھے۔ اور آپ پر ایک چھاتا لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے لوگ آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس زمانہ کے مشہور حافظانِ حدیث ابو زرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی نے آگے بڑھ کر حضرتؑ کی سواری کی باگ تھام لی۔ طلبہ علم اور محدثین کی جماعت کثیرہ اُن دونوں کے ہمراہ تھی جو شمار میں نہیں آسکتی تھی۔ دونوں بزرگوں نے نہایت عجز سے عرض کی کہ ہم لوگوں کو حضور اپنے جمال باکمال سے مشرف فرمائیں اور اپنے آباء کرام کی کوئی حدیث سنائیں۔ آپ نے خچر کو کھڑا کر دیا اور غلاموں کو حکم دیا کہ چھتری کو اُتار دیں۔ آپ کی طلعت مبارک کو دیکھ کر خلقت کی آنکھ کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ دو گیسو آپ کے کندھوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ لوگ روتے اور چلاتے اور مٹی میں لوٹتے اور خچر کے پاؤں کو چومتے تھے۔ علماء نے پکار کر کہا اے لوگو خاموش ہو جاؤ۔ تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ اور حافظان حدیث کی التماس پر آپ نے فرمایا مجھ سے میرے باپ امام موسیٰ کاظمؑ نے بیان کیا ہے اور ان سے اُن کے والد ماجد

امام جعفر صادقؑ نے کہا ہے۔ اور اُن سے اُن کے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ نے روایت کیا ہے۔ اور اُن سے اُن کے اب مکرم امام زین العابدینؑ نے نقل کیا ہے۔ اور وہ اپنے باپ امام حسینؑ سے ناقل ہیں۔ وہ اپنے والد مہربان جناب علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ابوالقاسم رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیلؑ نے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ میرا حصن ہے اور جو میرے حصن میں داخل ہوا میرے عذاب سے بے خوف ہوا۔ یہ کہکر جناب امام نے پردہ چھوڑ دیا اور تشریف لے گئے۔ جو لوگ کہ دوات اور قلم لے کر اس حدیث کو لکھ رہے تھے ان کا شمار کیا گیا تو ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ جناب امام نے اس حدیث کو بیان فرمایا تھا کہ ایمان قلب کی معرفت حاصل ہونے اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے اور ارکان کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے۔ شاید یہ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہوئے ہوں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو انہیں اسناد کے ساتھ پڑھ کر دیوانہ پر پھونکا جائے تو البتہ اس کی دیوانگی جاتی رہے گی۔ اور تندرست ہو جائیگا۔ (صواعق محرقہ صـ ۱۲۳) اکثر کتابوں میں ہے کہ جب اس کے بعد حضرتؑ کی سواری چند قدم آگے بڑھی تو حضرتؑ نے مجھ سے روک کر فرمایا میں نے جو کہا وہ ایک شرط اور پھر کئی شرطوں کے ساتھ ہے اور میں بھی انہیں شرطوں سے ایک ہوں (مطلب یہ کہ جو یہ کلمہ کہے اور حضرت رسول خدا صلعم کی نبوت اور ہم بارہ اماموں کی امامت کا بھی اقرار کرے وہ خدا کے عذاب سے محفوظ رہے گا)

ولیعہدی کی تفصیل

پہلے مامون نے ارادہ کیا تھا کہ خود امر خلافت سے معزول ہو کر منصب خلافت حضرت علی رضاؑ کو سپرد کر دے اور جب اس نے اس بات کا اظہار حضرت علی رضاؑ سے کیا تو انہوں نے مامون سے فرمایا کہ اگر تیری خلافت من جانب اللہ ہے تو یہ کب جائز

ہو سکتا ہے کہ تو اسے دوسرے کو بخشے۔ اور اگر خلافت تیرا حق نہیں ہے تو تیری تفویض سے کیا ہوتا ہے۔ مامون نے کہا یا ابن رسول اللہؐ میری درخواست قبول فرمائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ میں اپنی مرضی سے ہرگز قبول نہ کروں گا۔ چنانچہ دو مہینے تک یہی مباحثہ پیش رہا کہ مامون اصرار کرتا تھا اور حضرت علیؑ رضاؑ انکار فرماتے تھے۔ مامون نے کہا اچھا اگر آپ خلافت کو قبول نہیں کرتے تو ولیعہد ہونا منظور کیجیے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے خبر دی ہے کہ میں زہر دیا جاؤں گا۔ اور تم سے پہلے اس جہانِ فانی سے رحلت کر جاؤں گا پھر ولیعہد ہونا کیونکر منظور کروں۔ آخر کار حضرتؑ نے فرمایا کہ خیر تمہارے اصرار پر میں اس شرط سے ولیعہدی کو قبول کرتا ہوں کہ نہ کسی کو مقرر کروں نہ کسی کو معزول بلکہ بساطِ حکومت پر خود ہی سے نظر کروں۔ اس کے قریب نہ جاؤں۔ مامون رشید ان شرطوں پر راضی ہو گیا۔ اور حضرتؑ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا اے خدا تو جانتا ہے کہ میں اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہوں اور بہ ضرورت اس کو منظور کرتا ہوں۔ اے اللہ مجھ سے اس بارے میں کوئی مواخذہ نہ فرمانا۔ جس طرح تو نے اپنے دو پیغمبر بندوں حضرت یوسفؑ و دانیال سے مواخذہ نہیں کیا جبکہ انہوں نے اپنے زمانے کے بادشاہوں کی جانب سے ولیعہد ہونا قبول کیا تھا۔ اے اللہ کوئی عہد نہیں ہے مگر تیرا عہد۔ اور کوئی ولایت نہیں ہے مگر تیری جانب سے۔ یہ کہکر حضرتؑ نے بادل ناخواستہ ولیعہد ہونا قبول کیا۔ (وسیلۃ النجاۃ صـ ۳۷۹) علامہ شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ قبول ولیعہدی کے متعلق جو تحریر حضرت امام علی رضاؑ نے مامون کو لکھی اس کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ مامون نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کر لیا ہے جن کو اس کے آباؤ اجداد نے نہیں پہچانا تھا لہذا میں نے اس کی درخواست ولیعہدی کو قبول کیا۔ اگرچہ جفر و جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا۔ جفر و جامعہ حضرت علیؑ کی دو کتابیں ہیں جن میں

بطریق علم الحروف اُن تمام حوادث کا ذکر ہے۔ جو دُنیا تمام ہونے وقت تک واقع ہونے والے ہیں۔ جو ائمہؑ حضرت علیؑ کی اولاد سے تھے وہ جفر و جامعہ کو جانتے تھے اور اُن دونوں کے موافق حکم دیتے تھے (شرح مواقف قلمی)

نماز عید کے لئے حضرتؑ کا جانا

ایک دفعہ جب عید کا دن آیا تو مامون نے حضرت سے کہلا بھیجا کہ آپ سواری پر جا کر لوگوں کو نماز عید پڑھائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے پہلے یہ تم سے شرط کر لی ہے کہ بادشاہت اور حکومت کے کسی کام میں حصہ نہیں لوں گا اور نہ اس کے قریب جاؤں گا۔ اس وجہ سے تم مجھ کو اس نماز عید سے بھی معاف رکھو مگر مامون نے بہت اصرار و الحاح کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر تم معاف کر دو تو بہتر ہے ورنہ میں نماز عید کے لئے اُسی طرح جاؤں گا۔ جس طرح میرے جد امجد جناب رسولِ خداؐ تشریف لے جاتے تھے۔ مامون نے کہا آپ کو اختیار ہے۔ جس طرح چاہیں جائیں۔ اس کے بعد اس نے سواروں اور پیادوں کو حکم دیا کہ حضرتؑ کے دروازے پر حاضر ہوں۔ جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو لوگ عید کے روز سڑکوں اور چھتوں پر حضرتؑ کی سواری کی شان دیکھنے کو جمع ہو گئے۔ ایک بھیڑ لگ گئی۔ عورتوں اور لڑکوں سب کو آرزو تھی کہ حضرتؑ کی زیارت کریں۔ ادھر آفتاب نکلنے کے بعد حضرتؑ نے غسل کیا اور کپڑے بدلے۔ سفید عمامہ سر پر باندھا عطر لگایا اور عصا ہاتھ میں لیکر عید گاہ جانے پر آمادہ ہوئے۔ اس کے بعد نوکروں اور غلاموں کو حکم دیا کہ تم بھی غسل کر کے کپڑے بدل لو اور اسی طرح پیدل چلو۔ اس انتظام کے بعد حضرتؑ گھر سے باہر نکلے۔ پائجامہ آدھی پنڈلی تک اُٹھا لیا۔ کپڑوں کو سمیٹ لیا۔ ننگے پاؤں ہوئے۔ پھر دو تین قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ حضرتؑ کے ساتھ نوکروں غلاموں اور فوج کے سپاہیوں نے بھی تکبیر کہی۔ راوی کا بیان ہے کہ جب

امام رضاؑ تکبیر کہتے تھے تو ہم لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار اور زمین و آسمان سے حضرتؑ کی تکبیر کا جواب سنائی دیتا ہے۔ اس ہیئت کو دیکھ کر یہ حالت ہوئی کہ سب لوگ اور خود لشکر والے زمین پر گر پڑے۔ سب کی حالت بدل گئی۔ لوگوں نے چھریوں سے اپنی جوتیوں کے گل تسمے کاٹ دیئے اور جلدی جلدی جوتیاں پھینک کر ننگے پاؤں ہو گئے۔ شہر بھر کے لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ ایک کہرام بپا ہو گیا۔ اس کی خبر مامون کو بھی ہو گئی۔ اس کے وزیر فضل بن سہل نے اس سے کہا کہ اگر امام رضاؑ اسی حالت سے عید گاہ پہنچ جائیں گے تو معلوم نہیں کیا فتنہ اور ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ سب لوگ ان کی طرف ہو جائیں گے اور ہم نہیں جانتے کہ ہم لوگ کیسے بچیں گے۔ وزیر کی اس تقریر پر متنبہ ہو کر مامون نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کو حضرتؑ کی خدمت میں بھیج کر کہلا بھیجا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو آپ سے عید گاہ جانے کو کہا۔ اس سے آپ کو زحمت ہو رہی ہے اور میں آپ کی مشقت کو پسند نہیں کرتا۔ بہتر ہے کہ آپ واپس آئیں اور عید گاہ جانے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ پہلے جو شخص نماز پڑھاتا تھا وہی پڑھائے گا۔ پس حضرت واپس آئے اور نماز عید نہیں پڑھائی (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۸۰)

ابونواس کے اشعار

دربار بنی عباس کا مقبول شاعر ابونواس بہت کامل اور مشہور تھا۔ اس کے دوستوں نے اس سے کہا کہ تم کیسے بیہودے ہو کہ ہر چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ اشعار تم نے ضرور کہے مگر یہ حضرت امام علی رضاؑ تمہارے زمانہ میں موجود ہیں حضرتؑ کی شان میں تم نے کچھ بھی نہیں کہا۔ ابونواس نے کہا خدا کی قسم حضرتؑ کی عظمت و جلالت ہی کی وجہ سے مجھے جرأت نہیں ہوتی کہ کچھ کہہ سکوں۔ بھلا میرے ایسا شخص حضرتؑ کی مدح میں کوئی شعر کہہ سکتا ہے؟ پھر کچھ دیر کے بعد یہ چند شعر کہے۔

قیل لی انت احسن الناس طرا ۔ فی فنون من الکلام النبیہ

لک من جید القریض مدیح ۔ یثمر الدر فی یدی مجتنیہ

فعلی ما ترکت مدح ابن موسیٰ ؑ والخصال التی تجمعن فیہ

قلت لا استطیع مدح امام کان جبریل خادما لابیہ

لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمدہ کلام کے ہر رنگ اور مذاق کے اشعار سب لوگوں سے اچھے تم ہی کہتے ہو بلکہ ایسے اشعار میں تمہارے مدحیہ قصیدے ایسے ہوتے ہیں جن سے سننے والوں کے سامنے موتی جھڑتے رہتے ہیں۔ پھر تم نے حضرت موسیٰ کاظم ؑ کے فرزند (حضرت علی رضا ؑ) کی مدح اور حضرت کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں کہا؟ تو میں نے سب کے جواب میں کہہ دیا کہ بھائی جو جلیل الشان امام ؑ کے آباء کرام کے خادم جناب جبرئیل ایسے فرشتے ہیں ان کی مدح کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہے (ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۳۲۱)

شاعر مذکور ہی نے ان حضرات ؑ کی شان میں یہ چند شعر بھی کہے ہیں ؎

مطہرون نقیات جیوبھم تجری الصلوٰۃ علیھم این ما ذکروا

من لم یکن علویا حین تنسبہ فما لہ فی قدیم الدھر مفتخر

اللہ لما برا خلقا فاتقنہ صفاکم واصطفاکم ایھا البشر

فانتم الملاء الاعلیٰ وعندکم علم الکتاب وما جاءت بہ السور

یہ حضرات (ائمہ طاہرین ؑ) خدا کے پاک و پاکیزہ کئے ہوتے اور ان کے لباس بھی طیب و طاہر ہیں۔ جہاں بھی ان کا ذکر ہوتا ہے وہاں ان پر درود کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے۔ جب حسب نسب بیان ہوتے وقت کوئی شخص علوی خاندان کا نہ نکلے تو اس کو ابتدائے زمانہ سے کوئی فخر کی بات نہیں ملے گی۔ جب خدا نے مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کو ہر طرح استوار کیا تو اے (خدا کے برگزیدہ) حضرات آپ لوگوں کو خدا نے سب سے زیادہ شریف بھی قرار دیا اور سب پر فضیلت بھی دی۔ پس آپ حضرات ہی ملاء اعلیٰ ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید کا علم اور سورتوں کے مطالب ہیں (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۳۲)

حضرت ؑ کی وفات

ایک روز مامون نے حضرت کو بلایا اور گلے لگ کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس کے پاس ایک طبق میں بہت سے

انگور رکھے تھے اور اس کے ہاتھ میں بھی انگور کا ایک خوشہ تھا جس کے چند دانوں میں زہر بھرا تھا۔ ان دانوں کو حضرتؑ کیطرف بڑھا کر مامون نے کہا کھائیے۔ دیکھئے کیسے اچھے انگور ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا بہشت کے انگور ان سے کہیں زیادہ عمدہ ہیں میں نہیں کھاؤں گا۔ اس نے ضد کی مگر حضرتؑ انکار ہی کرتے رہے۔ آخر وہ بولا کہ میں تو آپ سے عزت و احترام کا برتاؤ کرتا ہوں اور آپ مجھ سے بدگمانی کرتے ہیں۔ مجبوراً حضرتؑ نے وہ خوشہ لیا اور اس سے تین دانے کھا لیے۔ آہ آہ۔ اُن دانوں کا کھانا تھا کہ فوراً زہر اثر کرنے لگا۔ حضرتؑ کا حال بدل گیا۔ باقی انگور پھینک کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون بولا کہاں چلے؟ فرمایا جہاں تم نے بھیجا اب وہیں جاتا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی منزل میں تشریف لائے اور فرش پر لوٹنے لگے۔ آخر تڑپ تڑپ کر ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۲۰۳ ہجری (۸۱۸ء) کو انتقال فرمایا اور طوس میں دفن کیے گئے جو ملک خراسان کا ایک شہر ہے۔ وہاں حضرتؑ کا نہایت عالی شان روضہ بنا ہے جہاں مومنین برابر زیارت کو جاتے رہتے ہیں۔

حضرتؑ کو کس نے زہر دیا؟

یہ ایک دلچسپ بحث ہے کہ مامون نے حضرتؑ کو زہر دیا یا نہیں بعض علماء اہلسنت اس سے انکار کرتے ہیں مگر علماء شیعہ کا یقین ہے کہ مامون ہی نے حضرتؑ کو زہر دیا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات آخیر صفر سنہ ۲۰۳ ہجری۔ اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بھی مامون کیساتھ تھے۔ طوس پہنچ کر دفعتہ انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہارون رشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تھا۔ حضرت علی رضاؑ نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہارون الرشید کی قبر اکھڑوا کر حضرت علی رضاؑ بھی اسی میں دفن کیے جائیں جس سے مقصود یہ تھا کہ رشید بھی حضرت علی رضاؑ کی برکت سے مستفید ہو۔ مامون کو حضرت علی رضاؑ کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا۔ وہ جنازہ کیساتھ ننگے سر گیا اور رو رو کر کہتا تھا اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں؟ تین دن تک قبر پر مجاور رہا اور صرف ایک روٹی و نمک روزانہ اس کی خوراک رہی۔ اس پر دعبل ایک شاعر نے جو اہلبیت کا مداح اور خلفاء بنی العباس کا نہایت دشمن

تھا ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

ما ینفع الرجس من قرب الزکی ولا
علی الذی یقرب الرجس من ضرر

یعنی ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور نہ پاک کا اس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ حضرت علی رضاؑ کو کس کے ایماء سے زہر دیا گیا مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے۔ شیعہ بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ خود مامون نے زہر دلوایا۔ افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصل کر سکتے۔ تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے۔ سُنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں اور بظاہر ان میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو انہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کو لگانے کی جرأت نہیں کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظوں میں اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے۔ ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے۔ یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات اُن لوگوں کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے۔ ہم اُس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں تاہم اُس نے مامون کی بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے۔ تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑے گا۔ مامون نے حضرت علی رضاؑ کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تو اس سے اُس کو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضاؑ کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ اُن سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے۔ مامون کو اہلبیتؑ کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضاؑ کے بعد مامون کا طرزِ عمل سادات کیساتھ کیا رہا؟ اس[1]

---

[1] مولوی شبلی صاحب نے اسی کتاب میں ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے "مامون کا ایک مشہور مناظرہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضاؑ کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے۔ یہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتا دیگا کہ مامون پر یہ ایک غلط اتہام ہے۔ بے شبہہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضاؑ کی ولیعہدی سے ناراض تھے۔ اُنہیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی۔ حضرت علی رضا ائمہ اثنا عشر میں ہیں اور حضرت موسیٰ کاظمؑ کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ ہجری میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ نہایت بڑے عالم اور اتقیائے روزگار میں سے تھے۔ مامون کے لئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضاؑ جو فخر روزگار ہیں۔ ان کی شان میں دو شعر بھی نہ کہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اُن کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے۔ چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضاؑ کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو مگر مامون کو خلاف توقع اپنی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا" (المامون صفحہ ۹۲)

(بقیہ ۱۱ ماصفحہ ۲۹۷) جس میں اُس کا دعویٰ تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علیؑ افضل تر ہیں بڑے معرکہ کا مناظرہ ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعوے کے مخالف تھے۔ ادھر مامون تنہا سب کا طرف مقابل تھا۔ مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکومی کا پردہ اُٹھا دیا گیا تھا اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی۔ صبح سے قریباً دوپہر تک دونوں فریق نے داد سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقد میں مذکور ہے۔ اور حق یہ ہے کہ وہ مامون کی وسعت نظر۔ جودت ذہن۔ کثرت معلومات۔ حُسن بیان۔ اور زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے" (المامون صفحہ ۱۹۹) یہ پورا مناظرہ کتابی شکل اور اردو ترجمہ کے ساتھ دفتر اصلاح سے کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ چوتھا ایڈیشن قیمت ۸ر

مولوی شبلی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے سخت حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ ممدوح مختلف زمانوں کی تاریخ اسلام سے واقف اور بادشاہوں کے حالات اور سیاسی انتظامات سے باخبر تھے جن کے حالات میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔ کیا ممدوح نہیں جانتے کہ اورنگ زیب نے اپنے بھائیوں کو قتل کرایا اور اپنے باپ کو سلطنت سے محروم کر کے قید کر دیا۔ بنی امیہ کا بادشاہ مروان جب رات کو اپنے محل میں سونے گیا تو اس کی بیوی نے اُس پر بھاری گدا ڈلوا کر اس پر لونڈیوں کو بٹھا دیا اور اُس کا گلا گھونٹوا دیا۔ خود مامون کے باپ دادا نے کیا کیا۔ مردوں کا کیا ذکر ہے، عورتوں کا طرز عمل دیکھئے کہ خلیفہ ہادی کی ماں خیزران نے جو مامون کی دادی تھی۔ اپنے بیٹے بادشاہ ہادی کو ۲۴ سال کی عمر میں زہر دے کر ختم کر دیا۔ مامون کے باپ ہارون الرشید نے اپنے خاص وزیروں کے خاندان برامکہ کو جس طرح تباہ و برباد کر دیا اس کو خود مولوی شبلی صاحب اس طرح لکھتے ہیں "اگر اُس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا تو ہم اُس کے ہو جاتے" (المامون صہ ۲۰) اب مامون کو دیکھو کہ اپنے بھائی امین کو کس بے دردی سے قتل کیا۔ پھر اپنے بڑے محسن و وزیر جنگ فضل بن سہل کو جس کی کوششوں سے وہ بادشاہ ہوا تھا قتل کرا دیا۔ ایسے شخص کا حضرت امام علی رضاؑ کو قتل کرانا کیوں باعث حیرت ہو سکتا ہے؟

ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم نے لکھا ہے " مامون کو جب باغیوں اور مفسدوں کی کثرت اور اہلبیتؑ کے طلب خلافت میں اُٹھنے کی خبر پہنچی تو گھبرا گیا اور یہی مصلحت دیکھی کہ امام علی رضاؑ کو اپنا ولی عہد بنا لے۔ چنانچہ ان کو مدینہ سے بلا کر ۲ رمضان سنہ ۲۰۱ ہجری (۸۱۶ء) کو باوجود اُن کے سخت انکار کے اپنا ولی عہد بنا لیا۔ ... ... اُن سے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی کر دی اور ان کا نام درہم و دینار میں مسکوک کرایا۔ شاہی وردی سے عباسیوں کا سیاہ رنگ ترک کر کے بنی فاطمہ کا

سبز رنگ اختیار کیا۔ امام رضاؑ کی ولیعہدی کی خبر سن کر بغداد کے عباسی یہ خیال کرکے کہ خلافت ہمارے خاندان سے نکل چکی کمال سوختہ ہوئے اور انھوں نے ابراہیم بن مہدی کو بغداد کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور محرم ۲۰۲ھ ہجری میں مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ بغداد اور اس کے نواح میں بالکل بدنظمی پھیل گئی۔ لُچے غنڈے دن دہاڑے لوٹ مار کرنے لگے۔ جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی۔ فضل سب خبروں کو بادشاہ سے پوشیدہ رکھتا تھا۔ مگر امام رضاؑ نے اسے خبردار کر دیا۔ بادشاہ وزیر کی طرف سے بدظن ہو گیا۔ مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخس میں پہنچ کر اس نے فضل کو حمام میں قتل کرا دیا (۲۰۲ھ ہجری) پھر جب طوس میں پہنچا تو امام رضاؑ کو بھی جن کو ولیعہد کرنے کے سبب بغداد میں بغاوت ہوئی تھی۔ انگوروں میں زہر دے کر شہید کر دیا۔ (۲۰۳ھ ہجری مطابق ۸۱۸ء)

(مولوی امیر علی اور ابن خلدون مامون کو امام رضاؑ کو زہر دینے کے الزام سے بری کرتے ہیں مگر یہ ان کا مامون کے ساتھ صرف حسن ظن ہے کیونکہ بڑے بڑے مورخین نے اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ دیکھو کامل ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۱۹ مروج الذہب مسعودی جلد ۹ ص ۳۳۔ کتاب الفخری ص ۱۱۹ نور الابصار ص ۱۴۴۔ مطالب السئول ص ۲۸۸۔ حبیب السیر جلد ۲ جزو اول ص ۱۱۵ روضۃ الصفاء جلد سوم ص ۱۶ شواہد النبوۃ ص ۲۰۲ تاریخ آل محمد ص ۹۴ ودائع المصطفیٰ ص ۱۷۴)

مامون نے ظاہر میں ماتم کیا۔ وہیں دفن کر کے مقبرہ تعمیر کرایا۔ مامون نے امام کی وفات کا حال بغداد لکھ بھیجا جس سے وہاں امن و امان قائم ہو گیا۔"

(تاریخ اسلام جلد ا ص ۹۱) غرض مشہور مثل ہے الملک عقیم مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں۔ "الملک عقیم بادشاہت بانجھ ہے یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لئے باپ بیٹے کی پروا نہیں کرتا۔ نہ بیٹا باپ کی۔ بلکہ بیٹا باپ کو مار کر خود بادشاہ بنتا ہے۔" (انوار اللغۃ پ ۱ ص ۱۴۲)

پس جب باپ بیٹے بیں بلکہ ماں بیٹے ہیں بھی یہ باتیں موجب حیرت نہیں بلکہ واقع ہوتیں تو مامون کے متعلق انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مامون نے دیکھا کہ حضرت امام علی رضاؑ کی وجہ سے اس کو اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس کی بادشاہت بے خوف نہیں ہو سکتی۔ وہ آرام کی زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ اس وجہ سے اس نے بھی حضرتؑ کے ساتھ وہی کیا جو اس کے باپ ہارون نے امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ اور جو اس کے بزرگ منصور دوانیقی نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ کیا تھا (کہ دونوں بادشاہوں نے دونوں بزرگوں کو شہید کر دیا) رہا یہ خیال کہ مامون حضرت امام رضاؑ کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ وہ کیسے شہید کرتا۔ تو بادشاہت کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری کو غدیر خم میں حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو خلیفۂ رسولؐ مان کر کس جوش سے مبارکباد دی تھی کہا تھا: بخ بخ لک یا ابن ابی طالب فقد اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنۃ۔ اے فرزند ابو طالب مبارک ہو مبارک ہو کہ آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولیٰ ہو گئے۔ باوجود اس کے خلافت کے لئے حضرتؑ پر جو جو سختیاں کیں وہ آج تک تاریخی اوراق پر خون کے حرفوں سے موجود ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کو ہر مسلمان کا ماننا اور اس کی عزت کرنا فرض ہے مگر خلیفہ ولید بن یزید بن عبد الملک نے ایک روز قرآن مجید بطور فال لینے کے جو کھولا تو پہلے ہی یہ آیت نکلی۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید۔ لوگوں نے کھولنا چاہا اور ہر جبار سرکش خائب و خاسر رہا۔ (پ ۱۳ ع ۱۵) یہ دیکھتے ہی ولید غصہ میں آکر بولا کہ کیا تو مجھے ڈراتا ہے؟ یہ کہہ کر قرآن کو بند کر دیا اور اس پر تیر کی ضرب لگانے لگا یہاں تک کہ اس کو پھاڑ کر ٹکڑے کر ڈالا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۵۷) مختصر یہ کہ بادشاہوں کا ہر اس محترم بزرگ کے ساتھ جو ان کی خواہش کے خلاف ہو یا جی

کا وجود ان کی عیش کے خلاف ظاہر ہو دشمنی کرنا اور ان کو معدوم کرنے کی کوشش کرنا بدیہیات سے ہے۔ اس سے نہ ہارون بچا نہ مامون۔ خود مولوی صاحب کے قلم سے وہ جملہ نکل گیا ہے جس پر اگر وہ غور کرتے تو آسانی سے مامون کو امام کا قاتل تسلیم کر لیتے۔ ممدوح نے لکھا ہے "چونکہ ذو الریاستین اور حضرت علی رضاؑ کی وفات نے اہلِ بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو" (المامون ص ۹۲) معلوم ہوا کہ اہلِ بغداد کی بغاوت کا اصلی باعث ذو الریاستین (فضل بن سہل) کا تسلط اور امام رضاؑ کا ولیعہد ہونا تھا۔ اور مامون ان کی بغاوت سے بدحواس ہو کر اس کے رفع کرنے کی کوشش کرنے لگا تو اس نے اس بغاوت کے رفع کرنے کا علاج اسی میں دیکھا کہ فضل بن سہل کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسے قابلِ قدر وزیر کو اسی نے قتل کرا دیا۔ پس دوسری چیز یعنی امام رضاؑ کے وجود کا دنیا سے اٹھانا بھی اس کے سوائے کسی کا فعل نہیں ہو سکتا۔ جب دونوں کو اس نے قتل کر دیا تو اب اہلِ بغداد کو لکھا کہ وہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو" اس کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ دو شخصوں کی وجہ سے تمہاری بغاوت تھی اور دونوں کو میں نے قتل کر دیا۔ اب کیا چیز ہے جس کی شکایت کر سکتے ہو۔ مامون کو ایک عجیب و غریب بہادر طاہر مل گیا تھا۔ جو چند آدمیوں کے ساتھ بڑے بڑے لشکروں کو شکستیں دے دیتا تھا۔ اور اس کی بہادری سے مامون بادشاہ ہو سکا کہ یہ مثل طوفان کے ہر جگہ کو فتح کرتا ہوا بغداد تک پہنچ گیا اور مامون کے بھائی امین کو شکست عظیم دے کر اس سے سلطنت چھین لی اور مامون کو کل سلطنت

بنی عباس کا تنہا مالک بنا دیا۔ جب اس کے ذریعہ سے مامون ہر طرح بادشاہ تسلیم کر لیا گیا اور اب اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تو اس نے اپنے اس محسن کو بھی زہر دلوا کر ختم کرا دیا۔ (المامون صہ ۹۹) ایسے شخص سے کس کو امید خیر ہو سکتی تھی؟ پھر وہ امام علی رضاؑ کو کیوں چھوڑتا؟

ازواج و اولاد

مامون نے حضرتؑ کی شادی اپنی بیٹی ام حبیب سے کر دی تھی۔ آپ کی ایک اور بیوی کا نام سبیکہ یا درہ تھا جن کا دوسرا نام حضرتؑ نے خیزران رکھا تھا (اعلام الوریٰ صہ ۹۹) اس کے علاوہ بھی آپ کی چند بیبیاں تھیں۔ جن کے نام نہیں ملتے۔ ام حبیب سے کسی اولاد کا پتہ نہیں ملتا۔ دوسری بیبیوں سے تعداد اولاد میں اختلاف ہے۔ بعض کتابوں میں یہ نام ہیں۔ امام محمد تقیؑ۔ محمد قانع۔ جعفر۔ حسن۔ ابراہیم۔ حسن اور ایک بیٹی (کتاب مواہب اہلبیت و نور الابصار مطبوعہ مصر صہ ۱۶۰) اور بعض کتاب میں صرف ایک فرزند امام محمد تقیؑ کا ذکر ہے (عمدۃ الطالب صہ ۱۸۶) علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے بتصریح لکھا ہے کہ حضرتؑ کے صرف ایک بیٹے محمد تقیؑ تھے۔ دوسرا کوئی نہیں تھا (اعلام الوریٰ صہ ۱۹۹) اور علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضرتؑ نے اپنے بعد ایک فرزند امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی لڑکے کو چھوڑا ہو۔ (ارشاد صہ ۳۴۵) علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے دونوں قول لکھے ہیں بلکہ یہ قول بھی لکھا ہے کہ حضرتؑ کے دو بیٹے تھے۔ امام محمد تقیؑ اور موسیٰ ان دونوں کے سوائے حضرتؑ نے کسی لڑکے کو نہیں چھوڑا۔ (بحار جلد ۱۲ صہ ۲۶) ان وجوہ سے اس کی تحقیق مشکل ہے کہ واقعاً حضرتؑ نے کتنے لڑکے چھوڑے۔

نواں باب

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام!

(حضرت امام محمد تقیؑ حضرت رسول خدا صلعم کے نویں خلیفہ اور مسلمانوں کے نویں امام تھے ۱۰ رجب ۱۹۵ھ (۸۱۱ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اور صرف ۲۵ سال زندہ رہ کر ۲۹ یا ۳۰ ذیقعدہ ۲۲۰ ہجری (۸۳۵ء) کو زہر سے شہید ہو کر کاظمین میں دفن کئے گئے)

والدین آپ کے والد حضرت امام علی رضاؑ اور والدہ ماجدہ ایک نوبیہ بیوی تھیں جن کے نام میں اختلاف ہے۔ کہ سبیکہ تھا۔ یا خیزران یا ریحانہ۔

نام وکنیت والقاب حضرتؑ کا اسم گرامی محمد۔ کنیت ابو جعفر اور القاب تقی جواد۔ قانع اور مرتضیٰ تھے۔

فضائل علامہ شبلنجی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت اگرچہ صغیر السن تھے۔ مگر آپ کی قدر بہت بڑی۔ آپ کی عزت بلند اور آپ کے فضائل کثرت سے تھے۔ (نور الابصار ص ۱۶۱) محدث جمال الدین نے لکھا ہے کہ امام علی رضاؑ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ محمد تقی۔ حسن۔ جعفر۔ ابراہیم حسین (روضۃ احباب) اور ان سب میں اجل اور افضل حضرت امام محمد تقیؑ تھے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۳)

مامون کی سواری اور حضرت کا اطمینان حضرت امام رضاؑ کی وفات سے ایک سال بعد (۲۰۴ھ ہجری مطابق ۸۱۹ء) کا ذکر ہے کہ جب حضرت امام محمد تقی بغداد کے کسی گذرگاہ میں کھڑے ہوئے تھے اور چند لڑکے بھی وہاں کھیل رہے تھے۔ ناگہاں خلیفہ مامون

کی سواری دکھائی دی۔ سب لڑکے ڈر کر بھاگ گئے۔ مگر حضرت محمد تقیؑ اسی طرح پورے اطمینان کے ساتھ کھڑے رہے۔ حضرتؑ کی عمر اس وقت صرف ۹ سال کی تھی۔ جب مامون کی سواری وہاں پہونچی تو اس نے حضرتؑ سے مخاطب ہو کر کہا اے بچے تم کیوں نہیں بھاگے؟ حضرتؑ نے بے ساختہ جواب دیا کہ میرے کھڑے رہنے سے یہ راستہ تنگ نہ تھا جو ہٹ جانے سے وسیع ہو جاتا۔ اور میں نے تمہارا کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ کہ اس سے ڈرتا۔ نیز میرا حسن ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ مامون کو حضرتؑ کا انداز بیان بہت پسند آیا اور اس نے پوچھا کہ صاحبزادے تمہارا نام کیا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا محمد بن علی الرضاؑ۔ اس کے بعد مامون وہاں سے آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ شکاری باز بھی تھے۔ جب وہ شہر سے باہر نکل گیا تو اس نے باز کو ایک چکور پر چھوڑا۔ باز غائب ہو گیا اور جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں ۔۔۔۔۔۔ ایک چھوٹی مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون بہت خوش ہوا تھوڑی دیر میں جب وہ اسی طرف سے لوٹا تو اس نے حضرت محمد تقیؑ کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہیں دیکھا جہاں وہ پہلے تھے۔ لڑکے مامون کی سواری دیکھ کر پھر بھاگے لیکن حضرت امام محمد تقیؑ بدستور سابق کھڑے رہے۔ جب مامون حضرتؑ کے قریب آیا تو (مٹھی بند کر کے) حضرتؑ سے کہا صاحبزادے! بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے بازوں سے ان مچھلیوں کا شکار کر کے اہلبیت رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں۔ یہ سن کر مامون بولا کہ بیشک تم علی بن موسیٰ الرضاؑ کے فرزند ہو۔ پھر حضرتؑ کو اپنے ساتھ لیتا گیا اور نہایت عزت سے پیش آیا۔ جس قدر اس پر آپ کے علم و فضل اور کمال عقل اور ظہور برہان کی حقیقت کھلتی گئی اسی قدر وہ آپ کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ کرتا گیا۔ آخر اس نے حضرتؑ سے اپنی بیٹی ام الفضل کے نکاح کرنے کا قصد کیا۔ بنی عباس اس خوف سے مانع ہوئے کہ حضرتؑ کے باپ کی طرح کہیں حضرتؑ کو بھی ولیعہد نہ بنائے۔ مامون نے عباسیوں سے کہا میں نے باوجود اس صغرسنی

کے تمام اہلِ فضل پر علم و فضل اور حلم میں ان کے ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کو اس غرض کے لئے منتخب کیا ہے۔ بنی عباس آپ کے ان اوصاف میں اختلاف و نزاع کرنے لگے اور ان لوگوں نے تجویز کی کہ ہم ایک ایسے آدمی کو لائیں گے جو ان چیزوں میں حضرتؑ کا امتحان لے۔ اس امر کے لئے انہوں نے اُس زمانے کے زبردست عالم اور بے نظیر مناظر علامہ یحییٰ بن اکثم کو پیش کیا اور اس رشوت مقرر کی کہ اے قاضی اگر آپ اس لڑکے کو قبل کر دیں تو ہم لوگ آپ کو بڑی دولت دیں گے۔ پھر سب ارا کین دولت جمع ہوئے خلیفہ نے حضرتؑ کے لئے ایک پر تکلف مسند بچھانے کا حکم دیا۔ حضرتؑ اس پر تشریف فرما ہوئے تو یحییٰ نے حضرتؑ سے چند مسائل پوچھے۔ حضرتؑ نے دلائل واضح سے جواب دیا۔ امتحان شروع ہونے پر قاضی صاحب نے پوچھا اے صاحبزادے آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے حج کا احرام باندھنے کے بعد ایک شکار کیا۔ حضرتؑ نے برجستہ پوچھا کہ اُس شخص نے وہ شکار حل میں کیا ہے یا حرم میں۔ عالم تھا یا جاہل۔ جان کر کیا یا غلطی سے آزاد ہے یا غلام کمسن ہے یا بڑا۔ پہلے پہل قتل کیا ہے یا دوبارہ۔ وہ شکار پرندہ ہے یا اور کوئی جانور چھوٹا شکار ہے یا بڑا۔ شکار کرنیوالا اپنے اس فعل پر نادم ہے یا اس پر اصرار کر رہا ہے۔ رات کو شکار کیا یا دن کو۔

ان جرحوں کو سن کر قاضی یحییٰ مبہوت ہو گئے معلوم ہوتا تھا ان کے منہ میں پتھر بھر دیئے گئے کسی بات کا جواب نہیں چلا۔ بالکل چپ ہو گئے اور بُت بن کر حضرتؑ کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ جب سب لوگوں نے دیکھا کہ حضرتؑ نے قاضی ہی کو بالکل جاہل ثابت کر دیا۔ تو مامون بہت خوش ہوا اور پکار اٹھا احسنت احسنت یا ابا جعفر۔ اے امام محمد تقیؑ! شاباش۔ واہ واہ۔ آپ کا کیا کہنا۔ پھر مامون نے حضرتؑ سے کہا آپ بھی قاضی یحییٰ سے کوئی بات پوچھیں کہ دیکھا جائے۔ وہ جواب دیتے ہیں یا نہیں۔ قاضی نے کہا ہاں آپ مجھ سے بھی پوچھیں اگر معلوم ہوگا تو میں جواب دونگا۔ ورنہ آپ ہی سے اس کا جواب بھی سیکھوں گا۔ حضرتؑ نے پوچھا اے قاضی بتاؤ اس شخص کے بارے میں

کیا کہتے ہو جس نے صبح کو ایک عورت کی طرف نظر کی تو وہ اس پر حرام تھی ۔ دن چڑھے حلال ہو گئی ۔ پھر ظہر کے وقت حرام ہو گئی ۔ عصر کے وقت پھر حلال ہو گئی ۔ غروب آفتاب پر پھر حرام ہو گئی ۔ عشاء کے وقت پھر حلال ہو گئی آدھی رات کو حرام ہو گئی ۔ صبح کے وقت پھر حلال ہو گئی بتاؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام اور حلال ہوتی رہی ۔

قاضی کی حالت اس سوال پر ابتر ہو گئی ۔ سخت پریشان ہوئے ۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی ۔ مجبوراً کہہ دیا ۔ کہ یا حضرتؑ میری سمجھ میں نہیں آتا حضور ہی فرما دیں ۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ عورت کسی کی لونڈی تھی ۔ اس کی طرف صبح کے وقت ایک اجنبی شخص نے نظر کی تو وہ حرام تھی ۔ دن چڑھنے پر اس نے وہ لونڈی خرید لی حلال ہو گئی ۔ ظہر کے وقت اس کو آزاد کر دیا حرام ہو گئی ۔ عصر کے وقت اس سے نکاح کر لیا ۔ پھر حلال ہو گئی ۔ مغرب کے وقت اس سے ظہار کیا تو پھر حرام ہو گئی ۔ عشاء کے وقت ظہار کا کفارہ دے دیا تو پھر حلال ہو گئی ۔

آدھی رات کو اس شخص نے اس عورت کو طلاق رجعی دی جس سے پھر حرام ہو گئی اور صبح کے وقت اس طلاق سے رجوع کر لیا حلال ہو گئی ۔ یہ تفصیل سن کر قاضی کی حیرت اور بڑھ گئی اور کچھ نہ بول سکے ۔ تمام مجمع پر ان کی عاجزی اور بے بسی کھل گئی ۔ مامون کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے ۔ پھولے نہیں سماتا تھا ۔ اس کے بعد اپنے خاندان والوں اور درباریوں سے پوچھا کہ اب بھی تم لوگ حضرتؑ کو مانو گے ؟ وہ کیا جواب دیتے ۔ غرض بادشاہ نے اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی حضرتؑ کے ساتھ کر دی ۔ (روائح المصطفےٰ ص۱۹۱ و صواعق ص۱۲۳ و نور الابصار ص۱۶۱)

قاضی کے سوال پر حضرتؑ نے جو جرحیں کیں اور قاضی جواب نہ دے سکے ان کا جواب بھی مامون نے حضرتؑ سے پوچھا ۔ آپ نے فرمایا ۔ اگر چہ احرام باندھنے کے بعد حل میں شکار کرے ۔ اور وہ شکار پرند اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے ۔ اور اگر ایسا شکار حرم میں کیا ہے تو دو بکریاں ہیں اور اگر کسی چھوٹے پرندے کو حل میں شکار کیا تو دنبے کا ایک بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو کفارہ دیگا اور اگر حرم میں شکار کیا ہو تو اس پرندے کی قیمت اور ایک دنبہ کفارہ دے گا ۔ اور اگر وہ شکار چوپایہ

اس کی کئی قسمیں ہیں۔ اگر وہ وحشی گدھا ہے تو ایک گائے۔ اور اگر شتر مرغ ہے۔ تو ایک اونٹ اور اگر ہرن ہے تو ایک بکری کفارہ دے گا۔ یہ کفارہ تو جب ہے کہ حل میں شکار کیا ہو لیکن اگر حرم میں کیا ہو تو یہی کفارے دگنے دینے ہونگے اور اُن جانوروں کو جنہیں کفارے میں دے گا۔ اگر احرام عمرہ کا تھا تو خانہ کعبہ تک پہنچائے گا اور مکہ میں قربانی کرے گا۔ اور اگر احرام حج کا تھا تو منیٰ میں قربانی کرے گا۔ اور ان کفاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں اور ارادے سے شکار کرنے میں کفارہ دینے کے علاوہ گنہگار بھی ہوگا۔ ہاں بھولے سے شکار کرنے میں گناہ نہیں ہے۔ اور آزاد اپنا کفارہ خود دے گا۔ اور غلام کا کفارہ اُس کا مالک دے گا۔ اور چھوٹے بچے پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور بالغ پر کفارہ دینا واجب ہے۔ اور جو شخص اپنے اس فعل پر نادم ہو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا۔ لیکن اگر اس فعل پر اصرار کرے گا۔ تو آخرت میں بھی اس پر عذاب ہوگا۔ حضرتؑ کا یہ کلام سن کر سب آپ کی مدح کرنے لگے۔ جب مامون نے ام الفضل کی شادی حضرتؑ سے کر دی اس کے کچھ دنوں بعد حضرتؑ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے۔ وہاں سے ام الفضل نے مامون کے پاس شکایت بھیجی کہ امام محمد تقیؑ کنیزیں بھی رکھتے ہیں۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم نے تیرا نکاح اُن سے اس لئے نہیں کیا کہ تو ان پر خدا کے حلال کو حرام کرے۔ ہرگز ایسی باتیں پھر نہ کرنا (صواعق ص ۱۲۳)

حضرتؑ کی وفات

جب مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ بادشاہ ہوا اور اس نے امام محمد تقیؑ کے فضائل کا آوازہ سنا تو براہ بغض و عناد حضرتؑ کو مدینہ منورہ سے بمقام بغداد طلب کیا۔ حضرتؑ جب مدینہ سے چلنے لگے تو اپنے فرزند حضرت علی نقیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ قرار دے کر کتب الٰہی کے علوم اور جناب رسالت مآبؐ کے آثار سپرد فرمائے۔ بعد ازاں مدینہ سے روانہ ہو کر ۹ محرم ۲۲۰ ہجری کو بغداد میں پہونچے اور معتصم نے اسی سال حضرتؑ کو شہید کر دیا۔ اور حضرت کاظمین میں اپنے جد امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ میں دفن کئے گئے۔

(وسیلۃ النجاۃ ص۳۹۷ و نور الابصار ص۱۶۳ و صواعق محرقہ ص۱۲۳) حضرتؑ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے، کہ آپ کی بی بی ام الفضل نے زہر دیا تھا (نور الابصار ص۱۶۳)

بادشاہ وقت حضرتؑ کے زمانے میں مامون بادشاہ وقت تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی معتصم بادشاہ ہوا۔ جس کے زمانے میں حضرتؑ شہید ہوئے

ازواج و اولاد حضرتؑ نے چار اولاد چھوڑی۔ امام علی نقیؑ و جناب موسیٰ اور دو بیٹیاں فاطمہ اور امامہ (ارشاد ص۳۵۷)۔ ازواج میں ایک ام الفضل شاہزادی اور چند دوسری بیبیاں تھیں۔

دسواں باب

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

(حضرت امام علی نقی علیہ السلام حضرت رسول خدا صلعم کے دسویں خلیفہ اور مسلمانوں کے دسویں امام تھے۔ ۵ رجب سنہ ۲۱۴ ہجری (سنہ ۸۲۹ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ۳ رجب سنہ ۲۵۴ھ (مطابق سنہ ۸۶۸ء) کو زہر سے شہید ہوئے اور بمقام سر من رائے دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر صرف ۴۰ سال تھی۔ (نور الابصار ص۱۶۶ وغیرہ)

والدین حضرتؑ کے والد حضرت امام محمد تقیؑ تھے۔ اور والدہ کا اسم گرامی سمانہ مغربیہ یا سوسن یا درہ تھا۔ (ارشاد ص۳۵۸)

نام، کنیت و القاب حضرتؑ کا اسم گرامی علی، کنیت ابو الحسن اور القاب ہادی، متوکل، ناصح، مرتضیٰ، فقیہ، امین، طیب نقی اور عسکری تھے۔

فضائل حضرت امام علی نقیؑ اپنے زمانے میں سب سے اعلیٰ و افضل تھے جو ازروئے علم و فضل اپنے والد کے وارث ہوئے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳)

سرمن رائے میں جانا سنہ ۲۴۳ ہجری میں آپ کے زمانے کے بادشاہ متوکل عباسی نے حضرتؑ کو مدینہ سے شہر سرمن رائے میں بلا کر قید کر دیا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳)

حضرت کا زہد و عبادت جب حضرتؑ سرمن رائے میں بحالت قید بسر کر رہے تھے۔ بعض لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی کہ حضرت علی نقیؑ کے گھر میں ہتھیار اور کتابیں وغیرہ جمع ہیں جو انکو ان کے ہوا خواہ پہنچایا کرتے ہیں اور متوکل کو یہ بھی وہم دلایا گیا کہ حضرت علی نقیؑ اپنے لئے امر خلافت کے طالب ہیں۔ متوکل نے چند سپاہی مقرر کئے کہ رات کے وقت حضرتؑ کو گرفتار کر لائیں۔ سپاہیوں نے شب کو اچانک حضرت علی نقیؑ کے گھر میں پہونچ کر دیکھا کہ وہ بالوں کا کرتا پہنے اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرے میں ریگ اور سنگریزوں کے فرش پر رو بقبلہ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ سپاہیوں نے حضرتؑ کو اسی حالت میں لے جا کر متوکل کے روبرو پیش کیا۔ متوکل اُسی وقت ہاتھ میں جام شراب لئے ہوئے مے نوشی کر رہا تھا۔ حضرتؑ کو دیکھ کر تعظیم دی اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ سپاہیوں نے بیان کیا کہ حضرتؑ کے گھر میں کوئی چیز از قسم اسلحہ و کتب وغیرہ نہیں ملی اور نہ ایسی کوئی بات پائی گئی جس سے حضرتؑ پر شبہ یا الزام قائم ہو۔ یہ سُن کر متوکل نے وہ جام شراب جو اُس کے ہاتھ میں تھا حضرتؑ کی طرف بڑھایا۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ میرا گوشت اور خون کبھی شراب سے آلودہ نہیں ہوا۔ مجھے اس سے معاف رکھو۔ اس پر

حضرت کے ناصحانہ اشعار متوکل نے کہا اچھا اگر شراب نہیں پیتے تو کچھ اشعار پڑھیئے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ مجھے

شعر گوئی میں پنہاں مداخلت نہیں ہے۔ متوکل نے حضرتؑ کا عذر قبول نہیں کیا اور کہا ضرور کچھ سنائیے۔ حضرتؑ نے مجبور ہو کر چند شعر پڑھے جن میں سے یہ ہیں ؎

باتوا علی قلل الجبال تحرسهم　　غلب الرجال فما اغنتهم القلل
واستنزلوا بعد عز من معاقلهم　　فاودعوا حفرا یا بئس ما نزلوا
ناداهم صارخ من بعد ما قبروا　　این الاسرة والتیجان والحلل
این الوجوه التی کانت منعمة　　من دونها تضرب الاستار والکلل
فافصح القبر عنهم حین ساءلهم　　تلک الوجوه علیها الدود تنتقل
قد طال ما اکلوا دهرا وما شربوا　　فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا

(دنیا کے بڑے زبردست بادشاہ) پہاڑ کی اونچی چوٹیوں پر شاندار محلوں میں عیش و نشاط کی زندگی بسر کرتے تھے اس اہتمام سے کہ قوی ہیکل دربان ان کے قصروں پر پہرے دیتے رہتے تھے۔ مگر افسوس (جب موت آئی تو) وہ عالی شان محل اور اونچے پہاڑ ان بادشاہوں کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے بلکہ وہ اپنے پورے غلبہ اور حکومت کے بعد اپنے قلعوں سے نیچے نکال پھینکے گئے۔ ان کو بھی موت نے نہ چھوڑا اور عزت کی بلندی سے خاک مذلت میں گرا کر شاہی قبروں میں پہونچا دیا۔ ہائے افسوس وہ زمین کے گڑھوں میں کیسی بری جگہ ڈال دیئے گئے۔ تو (گویا زبان حال) ایک ہاتف نے ان سے پکار کر پوچھا کہ اے قبر والو وہ تمہارے تخت و تاج اور زریں حلے کیا ہوئے۔ تمہارے وہ چہرے کہاں گئے جو ہر وقت ناز و نعم ہی میں رہتے تھے اور جن کی حفاظت کے لئے پردے اور مسہریاں آراستہ کی جاتی تھیں۔ ہاتف کی اس صدا اور سوال پر (گویا زبان حال سے) قبر بولی کہ ان چہروں پر تو اب کیڑے بھر گئے اور وہی چلتے پھرتے رہتے ہیں یہ لوگ دنیا میں خوب ہی کھانے پینے میں اڑاتے رہے مگر ان سب کے بعد اب ان کی حالت یہ ہو گئی کہ کیڑے خود انہیں کو کھا رہے ہیں اور انہیں کے بدن نوچتے رہتے ہیں۔)

یہ اشعار سن کر تمام مجمع پر سناٹا چھا گیا اور سب نے گمان کیا کہ متوکل حضرتؑ

کو ستائے گا مگر اُس پر ایسا اثر ہوا کہ ہچکیاں لے لے کر روتا تھا۔ آنسوؤں سے اس کی پوری داڑھی تر ہوگئی۔ اس کے دربار کے سب لوگ بھی روتے تھے۔ متوکل نے فوراً شراب ہٹوا دی اور دوسری باتیں کرنے لگا۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۳۲۲)

مومنین کی حاجت روائی کے لئے اپنی عزت کی پروا نہ کرنا

حضرت کو دوسرے لوگوں سے اتنی ہمدردی تھی کہ ان کی حاجت روائی کے لئے اپنی بے عزتی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت سُرمن رائے میں قید کی زندگی بسر کر رہے تھے اُس وقت بھی دُور دُور سے لوگ حضرتؑ کے پاس اپنی حاجتیں لے کر پہنچتے تھے۔ ایک دفعہ کوفہ کا ایک اعرابی بھی حضرتؑ کو تلاش کرتا وہاں آیا تو معلوم ہوا کہ حضرتؑ قریب ہی ایک دیہات میں تشریف لے گئے ہیں۔ اعرابی وہیں پہنچا۔ حضرتؑ نے پوچھا کیا حاجت ہے عرض کی میں بہت پریشان حال ہوں۔ مجھ پر اتنا قرض ہوگیا ہے کہ میری کمر ٹوٹی جاتی ہے اور حضورؑ کے سوا مجھے کوئی نظر نہیں آتا جس سے اس مصیبت کو رفع کراؤں۔ حضرتؑ نے پوچھا کتنا قرض ہے۔ کہا دس ہزار۔ فرمایا گھبراؤ نہیں خدا سامان کر دے گا۔ دیکھو جو میں کہتا ہوں بالکل ایسا ہی کرنا۔ خبردار اسکے خلاف نہ کرنا۔ پھر ایک رقعہ لکھ کر اس کو دیا جس کا مضمون یہ تھا۔ کہ مجھے اس اعرابی کو دس ہزار دینا ہے جس کو میں عندالطلب ادا کرونگا۔ یہ رقعہ اُسے دے کر فرمایا کہ کل جب میں سُرمن رائے میں اپنے مکان کے اندر ہوں تم آکر اور یہ رقعہ دکھا کر مجھ پر سخت تقاضے کرنا۔ اس نے پہلے عذر کیا کہ یہ بڑی بے ادبی ہے اور اس سے حضورؑ کی ذلت ہوگی۔ مگر حضرتؑ نے تاکید کی تم ایسا ہی کرنا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور جب حضرتؑ سُرمن رائے میں آئے اور لوگوں کا مجمع تھا تو وہ اعرابی آیا اور حضرتؑ کی تعلیم کے مطابق حضرتؑ سے روپئے کا تقاضا کیا۔ حضرتؑ نے اس سے تین دن کی مہلت لی۔ یہ خبر متوکل کو پہنچی کہ ایک اعرابی کا اتنا قرض حضرتؑ پر ہے جس کا تقاضا کر کے وہ حضرتؑ کو تنگ کرتا ہے۔ متوکل اس سے بہت شرمندہ ہوا اور تیس ہزار درہم حضرتؑ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرتؑ

نے وہ پوری رقم اُس اعرابی کو دیدی اُس نے عرض کی یا حضرتؑ میں نے تو صرف دس ہزار کی ضرورت بیان کی تھی اسی سے میرا قرض ادا ہو جائے گا۔ باقی حضور لے لیں۔ مگر حضرت نے انکار کیا اور ایک درہم بھی اس سے نہیں لیا۔ اعرابی یہ کہتا ہوا روانہ ہو گیا۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (صواعق ص ۱۲۳)

خلیفہ متوکل کا علاج

جب حضرت شہر سر من رائے میں (جس کا دوسرا نام سامرہ بھی ہے) خلیفہ متوکل کے ہاں قید میں تھے متوکل کے ایسا زہر ملا زخم نکلا جس کے علاج سے کل حکیم اور جراح عاجز آ گئے وہ قریب بہ ہلاکت پہنچ گیا۔ اس کی ماں نے نذر کی کہ اگر متوکل اچھا ہو جائے گا۔ تو بہت مال بطور نذرانہ امام علی تقیؑ کی خدمت میں بھیجے گی پھر وزیروں نے حضرتؑ سے کہا کہ حضور کوئی دوا بتائیں تو وہ بھی لگا دی جائے۔ حضرتؑ نے فرمایا فلاں دوا لگاؤ اس سے انشاءاللہ نفع ہوگا۔ اس دوا کو دیکھ کر دربار کے لوگ ہنس دیئے کہ اس سے کیا ہوگا۔ مگر وہ دوا لگائی گئی تو فوراً زخم پھٹ گیا اور چند دنوں میں متوکل اچھا ہو گیا۔ اس کی ماں نے اپنی نذر کے مطابق دس ہزار اشرفیاں تھیلی میں بند اس پر مہر کر کے حضرتؑ کے پاس بھیج دیں۔ کچھ دنوں بعد لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی۔ کہ حضرتؑ کے گھر میں مال اور ہتھیار بھرے ہوئے ہیں۔ متوکل نے اپنے دربان سعید کو حکم دیا کہ نصف شب میں حضرتؑ کے مکان میں گھس کر کل مال اور ہتھیار اٹھا لاؤ سعید ایک سیڑھی لے کر گیا اور حضرتؑ کے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ وہاں سے نیچے اتر کر حضرتؑ کی کوٹھری یا کمرا تلاش کرنے لگا۔ رات بہت اندھیری تھی کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا تو حضرتؑ ہی نے آواز دی اے سعید ٹھہرو میں شمع بھیجتا ہوں۔ شمع کی روشنی میں سعید حضرتؑ کے پاس پہنچا تو دیکھا حضرتؑ موٹے بالوں کا ایک کپڑا پہنے اور بالوں ہی کی ایک ٹوپی سر پر رکھے بوریے پر قبلہ رُخ بیٹھے ہیں۔ سعید نے ہر جگہ تلاش کی مگر نہ کوئی مال ملا نہ ہتھیار۔ وہی مادر متوکل کی تھیلی ملی جس کی مُہر تک نہیں توڑی گئی تھی۔ خلیفہ نے وہ تھیلی دیکھ کر اس کی اصلیت پوچھی۔ جب سُنا کہ اس کی

ماں ہی نے نذر کی رقم بھیجی ہے تو اس نے اتنی ہی اشرفیوں کی ایک اور تھیلی اس کے ساتھ کر کے حضرتؑ کے ہاں واپس کر دی۔ (روائح المصطفیٰ ص۱۹۹)

حضرتؑ کا رعب

ایک دفعہ پھر لوگوں نے حضرتؑ کی چغلی کھائی تو متوکل نے غضبناک ہو کر جلادوں کو حکم دیا کہ جب وہ میرے پاس آئیں تو قتل کر دینا۔ یہ کہہ کر حضرتؑ کو بلایا۔ حضرتؑ آہستہ آہستہ کوئی دعا پڑھتے پہونچے مگر حضرتؑ کا ایسا رعب چھا گیا کہ متوکل کا سب غیظ و غضب غائب ہو گیا۔ حضرتؑ کی تعظیم کے لئے تخت سے اتر گیا۔ حضرتؑ کا استقبال کیا۔ مصافحہ کر کے ہاتھ چومے پیشانی پر بوسہ دیا اور نہایت عزت و تعظیم سے پیش آیا۔ پھر پوچھا اے میرے آقا۔ اے فرزند رسول۔ اے بہترین مخلوق خدا۔ اے مولا۔ اے میرے پیشوا و ہادی کیوں زحمت فرمائی فرمایا! تمہارا قاصد بھیجا تو میں آیا۔ اس نے کہا قاصد نے غلط کہا ہے حضور تشریف لے جائیں۔

(روائح المصطفیٰ ص۲۰۰)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ

خلیفہ معتصم باللہ۔ اس کے بعد واثق باللہ اس کے بعد متوکل علی اللہ اس کے بعد منتصر باللہ اس کے بعد معتز باللہ ہوتے رہے اور اسی کے زمانہ میں حضرتؑ شہید ہوئے تھے۔

ابن سکیت شاعر کا واقعہ

خلیفہ متوکل کو حضرت امیر المومنینؑ اور اہلبیتؑ طاہرین سے شدید عداوت تھی۔ ایک روز اس نے یعقوب ابن سکیت شاعر سے جو اس کے بیٹوں کو پڑھاتا تھا اور علوم عربیہ کا بڑا امام تھا پوچھا کہ تم کو میرے دونوں بیٹے معتز اور مؤید زیادہ محبوب ہیں یا حضرت علیؑ کے فرزندان (امام حسنؑ و امام حسینؑ) ابن سکیت نے کہا خدا کی قسم میرے نزدیک حضرت علیؑ کے غلام قنبر بھی آپ سے اور آپ کے شاہزادوں سے (لاکھ درجہ) اچھے تھے۔ یہ سن کر متوکل نے ابن سکیت کی زبان گدی سے کھنچوالی اور وہ اسی وقت مر گئے۔

(تاریخ ابو الفدا جلد ۲ ص۴۱)

روضہ امام حسینؑ کے مٹانے کی کوشش

صاحب حبیب السیر وغیرہ لکھتے

ہیں کہ ۲۳۶ھ ہجری (۸۵۱ء) میں متوکل نے حکم دیا کہ کوئی شخص مزار حیدر کرار اور ان کی اولاد بزرگوار کی زیارت کو نہ جایا کرے اور حکم دیا کہ امام حسینؑ اور شہداء کربلا کے روضے ہموار کرکے اُن پر زراعت کیلئے پانی چھوڑ دیں اور تاریخ گزیدہ میں ہے کہ ہر چند فرمانبردن نے کوشش کی مگر پانی امام اور تمام شہداء عترت طاہرہ کی قبروں پر جاری نہ ہوا جس سے خلقت کو سخت حیرت ہوئی اور اس وقت سے اور اس سبب سے اس مشہد مقدس کو حائر کہنے لگے۔ متوکل کی اس حرکت سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا اہل بغداد نے مسجدوں اور گھروں کی دیواروں پر اسے گالیاں لکھیں اور ہجویں کہیں۔ (تاریخ اسلام ص ۶۵ و تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ۲۳۶ھ ہجری میں متوکل عباسی نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کا مزار اور اس کے گرد کے مکانات وغیرہ منہدم کرکے وہاں زراعت کی جائے۔ اور لوگوں کو اس مقام میں جانے کی ممانعت کرکے یہ منادی کرائی کہ جو شخص وہاں دکھائی دیگا وہ قید کیا جائے گا۔ چنانچہ اس منادی سے لوگ اس قدر خائف ہوئے کہ انہوں نے قبر امام حسینؑ کی زیارت ترک کردی (تاریخ کامل جلد ۷ ص ۱۸) متوکل کے اس فعل پر شاعروں نے خوب خوب ہجویں کہیں۔ ایک شخص نے کہا ہے

تاللہ ان کانت امیہ قد اتت — قتل ابن بنت نبیہا مظلوما
فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ — ہذا لعمری قبرہ مہدوما
اسفوا علیٰ ان لا یکونوا شارکوا — فی قتلہ فتتبعوہ رمیما

(خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے اپنے رسولؐ کے نواسہ کو ظلم و غداری سے قتل کردیا۔ تو بنی عباس نے بھی حضرتؑ کی قبر منہدم کرکے ویسا ہی ظلم کیا۔ ان کو اس بات کا افسوس ہوا کہ وہ بھی امام حسینؑ کے قتل میں شریک کیوں نہیں ہوئے اس وجہ سے انہوں نے حضرتؑ کی ہڈیوں ہی پر دھاوا بول دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷)

درندوں کا مطیع ہونا

بعض حافظانِ اخبار بیان کرتے ہیں کہ متوکل کے سامنے ایک عورت نے سیدانی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ متوکل

نے دریافت کیا کہ کوئی ایسی صورت ہے جس سے اس عورت کی اس دعوے میں آزمائش کی جائے؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت امام علی نقیؑ سے دریافت کیا جائے۔ اس پر متوکل نے حضرتؑ کو بلا کر اپنے تخت پر بٹھایا اور اُس عورت کے دعوے سیادت میں امتحان کرنے کی صورت پوچھی۔ حضرتؑ نے فرمایا خدا نے درندوں پر حضرت امام حسینؑ کی اولاد کا گوشت حرام کیا ہے۔ تم درندوں کو اسکے پیچھے ڈال دو۔ یہ سُن کر اُس عورت نے اپنے جھوٹ کا اقرار کر لیا۔ تب لوگوں نے متوکل سے کہا کہ تم خود حضرتؑ کا امتحان بھی اسی طرح کیوں نہیں کرتے؟ متوکل نے تین درندے (شیر وغیرہ) قصر کے صحن میں چھڑوا دیئے۔ پھر حضرتؑ کو بلوایا اور اسی قصر میں داخل کر کے دروازہ بند کرا دیا اور خود چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سُنی تو خاموش ہو گئے اور جب آپ صحن میں پہنچ کر سیڑھی پر چڑھنے لگے تو درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ متوکل چھت پر تھا اور حضرتؑ نیچے صحن میں تھے۔ متوکل اوپر ہی حضرتؑ سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد اُتر آیا۔ پھر حضرتؑ صحن سے باہر تشریف لائے۔ اس کے بعد لوگوں نے متوکل سے کہا تم بھی ایسا کر کے دکھاؤ۔ متوکل نے جواب دیا واہ اس طرح تم لوگ مجھے ہلاک کرانا چاہتے ہو؟ (صواعق محرقہ ص ۱۲۴)

حضرتؑ کی وفات

حضرت امام علی نقیؑ ۳ رجب ۲۵۴ھ ہجری میں خلیفہ معتز باللہ کے زمانہ میں زہر سے شہید کئے گئے (تذکرہ خواص الامہ) حضرتؑ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ آپ بھی زہر سے شہید کئے گئے۔ ۲۴۳ھ ہجری میں متوکل نے آپ کو مدینہ سے بلا کر سامرہ میں قید کیا تھا۔ ۱۱ سال کے بعد حضرتؑ کی شہادت ہوئی اور سامرہ ہی میں حضرتؑ دفن کئے گئے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۴)

حضرتؑ کی ازواج و اولاد

آپ کی کئی بی بیاں تھیں جن سے ۴ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئیں (۱) حضرت امام حسن عسکری (۲) حسین (۳) محمد (۴) جعفر (۵) دختر۔ (ارشاد ص ۳۶۵)

گیارھواں باب

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

(آپ حضرت رسول خدا صلعم کے گیارھویں خلیفہ اور مسلمانوں کے گیارھویں امام تھے۔ جمعہ ۸ یا ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ ہجری (۸۴۶ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۳ سال کی عمر تک اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں رہے اور رجب ۲۵۴ھ میں حضرتؑ کا انتقال ہوگیا تو مسلمانوں کے امام قرار پائے اور صرف ۶ سال امام رہنے کے بعد ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ ہجری (۸۸۴ء) کو ۲۸ سال کی عمر میں بمقام سامرہ وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے)

نام، کنیت اور القاب

حضرتؑ کا اسم گرامی حسن۔ کنیت ابو محمد۔ اور القاب مخصوصہ خالص۔ ہادی۔ صامت۔ رفیق۔ زکی۔ سراج۔ مضی۔ شافی۔ مرضی۔ عسکری اور ابن رضا تھے۔ حضرت عسکریؑ اس سبب سے مشہور ہوئے کہ شہر سر من رائے (سامرہ) کے جس محلہ میں حضرت امام علی نقیؑ اور حضرت امام حسن عسکریؑ مقیم تھے۔ اس کا نام عسکر تھا۔ اُسی کی طرف منسوب ہو کر دونوں بزرگ عسکری مشہور ہوئے۔ (بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۴) یا اس سبب سے کہ آپ سر من رائے کی طرف منسوب ہیں۔ کیونکہ جب خلیفہ معتصم باللہ نے شہر سر من رائے کو آباد کیا اور اپنے لشکر کے ہمراہ اس میں اقامت کی تو اس شہر کو عسکر (لشکر) کہنے لگے امام حسن عسکریؑ اسی شہر کی طرف منسوب ہیں اس لئے کہ خلیفہ متوکل نے حضرتؑ کے پدر بزرگوار امام علی نقیؑ کو وہیں بھیج دیا تھا جہاں حضرتؑ ۲۰ سال ۹ ماہ مقیم رہے[۱]

[۱] اور صواعق محرقہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت سامرہ میں ۱۱ سال رہے ۱۲

پس حضرت اور آپ کے صاحبزادے اسی شہر کی طرف منسوب ہونے سے عسکری مشہور ہو گئے۔ (وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۱۳۵)

والدین حضرت کے والد امام علی نقیؑ تھے اور والدہ ماجدہ کے نام میں اختلاف ہے کہ حدیث یا حدیثہ۔ یا سوسن یا حوبیہ۔ یا ام حبیب یا سلیل تھا۔

حضرت کے فضائل علامہ قرمانی نے لکھا ہے حضرتؑ کے فضائل ومناقب کا کیا ذکر کیا جائے۔ آپ دُنیا میں ... اتنے دنوں رہے ہی نہیں جس سے آپ کے فضائل ومناقب اور علوم وحکم لوگوں پر ظاہر ہوتے (اخبار الدول صفحہ ۱۱۷)

حضرتؑ کے زمانہ کے بادشاہ آپ کی ولادت کے وقت واثق باللہ بادشاہ تھا۔ اس کے بعد متوکل ہوا جس نے حضرتؑ کو بھی کمسنی میں قید خانہ میں رکھا۔ پھر منتصر باللہ کا زمانہ دیکھا۔ اس کے بعد مستعین باللہ خلیفہ ہوا۔ اس کے بعد معتز باللہ کا عہد آیا۔ اس کے بعد مہدی باللہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ اس کے بعد معتمد علی اللہ کا تسلط ہوا جس کے زمانہ میں زہر سے حضرتؑ کا خاتمہ ہوا۔ اس طرح سات خلفاء عباسیہ کے جبر وظلم سے آپ کو سامنا رہا۔

بچپن کی معرفت حضرتؑ ایک روز بچپن میں چند لڑکوں کے قریب کھڑے رو رہے تھے اور سب لڑکے کھیل میں مشغول تھے۔ اتفاقاً اُدھر سے بہلول کا گذر ہوا۔ انہوں نے حضرتؑ کو روتا دیکھ کر کہا آپ افسوس نہ کریں میں آپ کے کھیلنے کے لئے بھی کوئی کھلونا خرید لاتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا اے کم عقل ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ بہلول نے پوچھا پھر کس لئے پیدا کئے گئے؟ فرمایا علم وعبادت کے لئے۔ بہلول نے کہا یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟ فرمایا قول خدائے عزوجل سے جس نے فرمایا ہے۔ افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون۔ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا

ہے کہ ہم نے تم کو عبث کھیل کود کے لئے پیدا کیا اور تمہاری بازگشت ہماری طرف نہ ہو گی (پ ۱۸ ع ۶) اس جواب سے بہلول نے یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں بلکہ ہادی خلق ہے۔ عرض کی مجھے کچھ وعظ فرمایئے۔ حضرتؑ نے چند اشعار وعظ آمیز سے بھرے ہوئے بیان فرمائے جس کے بعد خود غش کھا کر زمین پر گر پڑے رجب افاقہ ہوا تو بہلول نے عرض کی یہ وعظ فرماتے ہوئے آپ کو کیا ہو گیا تھا، جو غش کھا کر گر گئے۔ خوفِ خدا کا اثر تو ہو نہیں سکتا اس لئے کہ ابھی آپ بالکل بچہ ہیں گناہ کا نام تک نہیں جانتے رحضرتؑ نے فرمایا۔ بہلول کیا کہتے ہو میں والدہ کو دیکھتا ہوں کہ جو لہا جلاتی تو بڑی لکڑیوں سے ہی لیکن وہ بڑی لکڑیاں بغیر چھوٹی لکڑیوں کے روشن نہیں ہوتیں۔ اسی طرح میں ڈرتا ہوں کہ جہنم کے بڑے ایندھن کو روشن کرنے کیلئے جو چھوٹی چیزیں ایندھن بنیں گی اُن میں میرا شمار بھی نہ ہو" (صواعق محرقہ ص ۱۲۴ و نور الابصار ص ۱۵۱)

کنویں میں گر جانا امام حسن عسکریؑ جب بچے تھے دفعۃً کنویں میں گر گئے اُس وقت آپ کے پدر بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام نماز میں مشغول تھے عورتیں چیخنے لگیں۔ مگر حضرتؑ نے نماز قطع نہیں کی۔ جب اسلام سے فارغ ہوئے تو فرمایا ڈرو نہیں خوف کی کوئی بات نہیں ہے اس کے بعد لوگوں نے حضرت حسن عسکری علیہ السلام کی طرف کنویں میں نظر کی تو دیکھا قدرتِ خدا سے آپ پانی میں کھیل رہے ہیں۔ (خرائج)

حفاظت قرآن اسحاق کندی اپنے زمانہ میں عراق کا سب سے بڑا فلسفی شخص تھا۔ اُس نے کلام مجید میں تناقض (ایک آیت کے خلاف دوسری آیت۔ ایک مضمون کے عکس دوسرے مضمون کا ہونا) ثابت کرنا چاہا جس کے لئے کتاب تناقض القرآن لکھنی شروع کی۔ اس میں وہ ہمہ تن مشغول ہو گیا۔ حتی کہ اپنے مکان سے نکلنا یا دوسروں سے ملنا ترک کر دیا۔ اس اثنا میں اُس کا ایک شاگرد امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرتؑ نے اُس سے فرمایا

کیا تمہاری جماعت میں کوئی ایسا سمجھ دار شخص نہیں ہے جو اپنے استاد کندی کو اس کام (کتاب تناقض القرآن لکھنے) سے روک سکے؟ اس شاگرد نے کہا میں تو اُسکے شاگردوں سے ہوں کیونکر اُس پر اعتراض کر سکتا ہوں؟ حضرتؑ نے فرمایا تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں جو کہوں اُسے اُس تک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پہنچا دو؟ اُس نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا تو جاؤ پہلے اُس کے ہمراہ نہایت نرمی اور سہولت کے ساتھ بسر کر کے موانست پیدا کرو اور اُسکے کام میں اُس کی مدد کرو۔ اس طرح جب وہ مانوس ہو جائے اور تم پر اُس کا پورا اعتماد ہو جائے تو اُس سے کہو کہ یہاں مجھے شبہ پیدا ہوتا ہے اُس کا جواب بتا دو۔ اس پر وہ دریافت کرے گا تو کہنا کہ صاحب قرآن (خدا) اگر اس کتاب کو تمہارے پاس لائے تو کیا ہو سکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کا ہو وہ تمہارے سمجھے ہوئے مطالب و معانی کے خلاف ہو۔ جب وہ اس سوال کو سنے گا تو چونکہ ذہین شخص ہے فوراً کہدے گا کہ وہاں ضرور ہو سکتا ہے جب وہ یہ کہے تو تم اُس سے کہنا کہ پھر اس کتاب کے لکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ ممکن ہے تم اس کا جو معنے سمجھ کر اس پر اعتراض کرتے ہو وہ خدا کے منقصود معنے کے خلاف ہو۔ اس صورت میں تمہاری محنت ضائع جائے گی۔ کیونکہ تناقض تو جب ثابت ہوتا کہ تمہارا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور منقصود خدا کے مطابق ہوتا۔ اور جب ایسا نہیں تو تناقض کہاں؟ غرض وہ شاگرد اسحاق کندی کے پاس گیا اور کچھ دنوں موانست پیدا کرنے کے بعد اس اعتراض کو پیش کیا جسے سن کر وہ متحیر ہو گیا اور کہا پھر سے بیان کرو۔ شاگرد نے دوبارہ بیان کیا۔ اب کچھ دیر تک کندی نے غور و فکر کی اور سمجھا کہ بیشک اس قسم کا احتمال باعتبار لغت اور فکر کے ہو سکتا ہے پھر اس شاگرد کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ یہ اعتراض تم کو کس نے سکھایا اُس نے کہا میرے ہی ذہن میں خطور کیا۔ کندی نے کہا ہرگز نہیں۔ تمہارے ایسے علم والے تو کبھی بھی ایسا دقیق اعتراض نہیں پیدا کر سکتے۔ سچ بتاؤ یہ بات کس نے سکھائی اس نے کہا امام حسن عسکریؑ نے مجھ سے فرمایا تھا۔ اس پر اسحاق کندی بول اُٹھا

الا ان جئت به وما کان لیخرج مثل هذا الا من ذلك البیت۔ ہاں اب تم نے صحیح بات بتائی اس لئے کہ ایسے دقیق اور مشکل علمی مسئلے تو اس خاندان (رسالت) کے سوائے اور کہیں سے پیدا ہو ہی نہیں سکتے پھر اس نے آگ منگائی اور تناقض القرآن کا پورا مسودہ جلا دیا۔ (بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۲ ومناقب صفحہ ۱۲۷)

اسلام کی زبردست حمایت

ایک دفعہ سامرہ میں سخت قحط پڑا تو خلیفۂ وقت معتمد نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکل کر نماز استسقاء پڑھیں۔ چنانچہ سب نے ایسا کیا مگر پانی نہیں برسا چوتھے روز بغداد کے نصاریٰ کی جماعت صحراء میں آئی اور اُن میں سے ایک راہب نے آسمان کی جانب اپنا ہاتھ بلند کیا اُس کا ہاتھ بلند ہونا تھا کہ بادل چھا گئے اور پانی برسنا شروع ہوا۔ اُسی طرح اُس راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا۔ اور بدستور اس دن بھی باران رحمت کا نزول ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر سب کو نہایت تعجب ہوا۔ یہاں تک کہ اکثر اشخاص کے دلوں میں شک پیدا ہو گیا۔ بلکہ بعض اُن میں سے اُسی وقت مرتد ہو گئے۔ یہ واقعہ خلیفہ پر بہت ہی شاق گزرا اور اُس نے حضرت امام حسن عسکری ؑ کو طلب کر کے کہا کہ اے ابو محمد اپنے جد کے کلمہ گویوں کی خبر لیجئے اور ان کو اس مصیبت عظمیٰ سے بچائیے حضرت ؑ نے واقعہ دریافت کر کے فرمایا کہ اچھا راہبوں کو حکم دیا جائے کہ کل پھر وہ میدان میں آ کر دعائے باران کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں لوگوں کے شکوک زائل کر دوں گا۔ جب دوسرے دن وہ لوگ میدان میں طلب باران کے لئے جمع ہوئے تو اُس راہب نے معمول کے مطابق آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ناگہاں آسمان پر ابر نمودار ہوا اور مینہ برسنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت امام حسن عسکری ؑ نے ایک شخص سے فرمایا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز اُس کے ہاتھ میں ہو لے لو۔ اُس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی ہوئی پائی اُس سے لے کر حضرت امام حسن عسکری ؑ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت ؑ نے راہب سے فرمایا کہ اب تو ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کر۔ اُس نے ہاتھ اٹھایا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہو گیا اور دھوپ نکل

آئی، لوگ متحیر ہوئے اور خلیفہ معتمد نے حضرتؑ سے پوچھا کہ اے ابو محمد اس میں کیا راز ہے۔ فرمایا یہ کسی نبی کی ہڈی ہے جس کی وجہ سے راہب اپنے مدعا میں کامیاب ہوتا رہا۔ کیونکہ نبی کی ہڈی کا اثر ہے کہ جب وہ زیر آسمان کھولی جائے گی تو باران رحمت ضرور نازل ہوگا۔ یہ سُن کر لوگوں نے اُس ہڈی کا امتحان کیا تو اُس کی وہی تاثیر دیکھی جو حضرتؑ نے بیان کی تھی اس طرح لوگوں کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہو گئے تھے مطلقاً زائل ہو گئے اور حضرت اُس ہڈی کو لے کر اپنے قیام گاہ پر واپس آئے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۴) پھر حضرتؑ نے اس متبرک ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ (اخبار الدول ص۱۱۷)

حضرتؑ کی وفات

حضرتؑ کو خلیفہ معتمد علی اللہ نے زہر دلوایا جس سے حضرتؑ نے ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ ہجری (۸۷۳ء) کو صرف ۲۸ سال کی عمر میں بمقام سامرہ انتقال فرمایا اور وہیں اپنے والد ماجد حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے روضہ میں دفن کیے گئے۔ جب حضرتؑ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی۔ پورا شہر سامرہ ہلنے لگا۔ رونے پیٹنے کا شور برپا ہو گیا۔ سب بازار معطل ہو گئے۔ دوکانیں بند کر دی گئیں۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیئے۔ کل بنی ہاشم۔ اور قصاص کا حکم دینے والے، منشی، قاضی، ارکان عدالت۔ اعیان حکومت اور عامہ خلائق حضرتؑ کے جنازے میں شرکت کے لیے دوڑے۔ شہر سامرہ اُس روز قیامت کا نمونہ ہو گیا تھا۔ جب لوگ حضرتؑ کی تجہیز سے فارغ ہوئے تو حضرت حجۃ خدا امام عصر علیہ السلام نے حضرتؑ کے جنازے کی نماز پڑھی اور اسی گھر میں دفن کیا جس میں حضرتؑ کے والد ماجد مدفون تھے (فصول مہمہ نسخہ قلمیہ و نور الابصار ص۱۶۸)

ازواج واولاد

حضرتؑ کی بیبیاں کئی تھیں مگر سوائے جناب نرجس خاتون (یا سوسن یا ریحانہ یا مریم) کے کسی کا نام معلوم نہیں ہوتا اور حضرتؑ کی اولاد میں صرف حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کا نام ملتا ہے۔

بارھواں باب

حضرت صاحب العصر والزمان علیہ السلام

اسم گرامی وکنیت و القاب حضرتؑ کا اسم گرامی محمد۔ کنیت ابو القاسم اور القاب حجۃ اللہ۔ مہدی۔ خلف صالح قائم منتظر اور صاحب الزمان ہیں۔

تاریخ ولادت ۱۵؍شعبان سنہ ۲۵۶ ہجری (سنہ ۸۷۰ء) کو حضرت شہر سر من رائے میں پیدا ہوئے۔

والدین حضرتؑ کے والد ماجد امام حسن عسکری علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ کا نام نرجس خاتون تھا۔ سوسن یا ریحانہ یا مریم بھی کہا جاتا ہے۔

حضرتؑ کا فضل و کمال علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے ابی القاسم محمد الحجۃ وعمرہ عند وفاۃ ابیہ خمس سنین لکن آتاہ اللہ فیھا الحکمۃ ویسمی القائم المنتظر قیل لانہ ستر بالمدینۃ وغاب فلم یعرف این ذھب وقول الرافضۃ فیہ انہ المھدی حضرتؑ کی عمر آپ کے والد کے انتقال کے وقت پانچ سال کی تھی لیکن اسی عمر میں خدا نے حضرتؑ کو کمال علم و حکمت مرحمت فرمایا تھا۔ آپ کا نام قائم اور منتظر بھی ہے۔ اس لئے آپ کا نام قائم اور منتظر رکھا گیا کہ آپ پوشیدہ ہو گئے اور نہ معلوم ہو سکا کہ کہاں تشریف لے گئے۔ شیعوں کا قول ہے کہ وہی مہدی موعود ہیں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴)

حضرتؑ کا موجود ہونا مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضرتؑ پیدا ہو چکے ہیں اور کوئی قول اس کا نہیں ملا کہ حضرتؑ

نے دنیا سے انتقال کیا۔ پس جب تک کسی شخص کا مرنا معلوم نہ ہو اُس وقت تک اس کو زندہ ماننا ضروری ہے۔ حضرت کی پیدائش کو کل علماء تسلیم کرتے ہیں اور موت کا ایک شخص بھی دعویٰ نہیں کرتا۔ اس سبب سے عقل کا فیصلہ ہے کہ حضرت موجود ہیں۔ علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شیعوں کے اعتقاد کے مطابق آپ ہی بارہ امام کے بارھویں بزرگ ہیں اور آپ حجت کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں کہ منتظر، قائم اور مہدی ہیں اور آپ ہی صاحب سرداب ہیں۔ شیعہ حضرت کے ظاہر ہونے کا انتظار آخر وقت تک کرتے رہیں گے۔ حضرت روز جمعہ ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ ہجری کو پیدا ہو چکے ہیں۔ اور جب حضرت کے والد کا انتقال ہوا تو آپ ۵ سال کے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام خمط یا نرجس تھا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت جب ۹ سال کے تھے۔ ۲۶۵ھ ہجری میں سرداب میں تشریف لے گئے اس سے اب تک نہیں نکلے (وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۴۵۱) اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی نے لکھا ہے حضرت امام حسن عسکری کے خداداد شرف کے لئے یہ بات کفایت کرتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے امام مہدی کو ان کے نسب سے قرار دیا اور ان کے صلب سے پیدا کیا اور ان کی اولاد سے گردانا اور امام حسن عسکری سوائے حضرت محمد مہدی کے اولاد ذکور میں سے کوئی فرزند نہیں رکھتے تھے۔ پس قطع نظر دیگر مناقب کے ایک یہی امر حضرت حسن عسکری کی منقبت کو کافی ہے (مطالب السئول ص ۲۲۹) اور علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے محمد بن حسن عسکری۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ و ابو القاسم ہے اور آپ کے القاب ہیں، الخلف الحجۃ۔ صاحب الزمان۔ القائم۔ المنتظر۔ الباقی (تذکرہ خواص الامہ ص ۲۰۴) اور علامہ قطب ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ بسلسلہ ذکر ظہور امام مہدی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی آخر الزمان حضرت امام حسن عسکری کے فرزند ہیں۔ جو کہ شب ۱۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ ہجری کو پیدا ہوئے اور وہ قائم رہیں گے تا اینکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقی ہوں۔ پس اس حساب سے ہمارے وقت یعنی ۹۵۸ھ ہجری

تک آپ کی عمر شریف ۷۰۶ برس کی ہوئی (کتاب الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۴۵) اور علامہ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے خاص اسی باب میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ چنانچہ علامہ چلپی نے لکھا ہے۔ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان ابو عبداللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی (المتوفی ۶۵۸ ہجری) کی تالیف ہے (کشف الظنون صفحہ ۱۱۰) کتاب مذکور یعنی البیان فی اخبار صاحب الزمان میں موصوف نے اس مقام پر جہاں انہوں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے غائب ہونے کے بعد اب تک زندہ اور باقی رہنے کے . . . . دلائل لکھے ہیں ایک دلیل یہ بھی بیان کی ہے کہ مثل عیسیٰ بن مریم اور خضر اور الیاس کے جو خدا کے اولیاء ہیں، اور اعور دجال اور ابلیس لعین کی بقا ہے کہ جو دشمنانِ خدا میں سے ہیں۔ جناب مہدی کے بقا میں بھی کوئی مانع نہیں اور ان لوگوں کا باقی ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے (ارجح المطالب صفحہ ۳۴۶) اور علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے لکھا ہے کہ شیخ محدث فقیہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن محمد گنجی شافعی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی خلف امام حسن عسکری اپنے زمانہ غیبت سے اب تک زندہ و قائم موجود ہیں (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۹۳) اور علامہ ابن خشاب نے لکھا ہے۔ شیخ محمد بن یوسف گنجی شافعی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدیؑ کے زمانہ میں غیبت سے اب تک زندہ اور قائم ہونے پر یہ بھی ایک دلیل ہے کہ ممتنع نہیں ہے ان کی بقا مثل بقائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کتاب موالید اہل البیت)۔ اور علامہ شیخ شبلنجی نے لکھا ہے کہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن محمد گنجی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدیؑ کے زمانہ غیبت سے اس وقت تک حی اور قائم ہونے پر منجملہ دیگر دلائل کے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کی بقا ممتنع نہیں ہے مثل بقائے عیسیٰ بن مریم اور خضر و الیاس علیہم السلام کے (نور الابصار صفحہ ۱۵۴)

بعض مسلمان، کہتے ہیں کہ حضرتؑ ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے۔

مگر خدا دنیا کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی اپنی حجت یعنی امام اور خلیفہ سے خالی نہیں چھوڑ سکتا۔ معتبر حدیث میں ہے کہ زمین کبھی خدا کی حجۃ قائم سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اب وہ حجۃ خدا مشہور و معروف ہو کہ سب لوگ اس کو پہچانتے ہوں یا لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو۔ غرض اس کا وجود ہر زمانہ کے لئے ضروری ہے تاکہ اللہ کی حجتیں اور اس کی نشانیاں مٹنے نہ پائیں (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۴۰) مختصر یہ کہ حضرتؑ یقیناً موجود ہیں اور جب تک ظاہر ہو کر دنیا کو عدل و انصاف سے نہیں بھر دیں گے قیامت نہیں آ سکتی۔ اس لئے کہ حضرت رسولِ خدا صلعم کا قول غلط نہیں ہو سکتا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہے اگر دنیا کا پورا زمانہ ختم ہو جائے اور صرف ایک دن باقی رہ جائے جب بھی خدا اسی روز کو اتنا بڑھا دے گا۔ کہ اس میں میرے خاندان کے اس شخص (حضرت مہدیؑ) کو ضرور بھیجے گا جس کا نام بھی میرے ایسا (محمد) ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی (ترمذی صفحہ ۲۷) حضرت رسول خدا صلعم کی یہ بھی مشہور حدیث ہے من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ جو شخص مر جائے گا مگر اپنے زمانے کے امام کی معرفت نہ رکھتا ہو وہ کافروں کی موت مرے گا۔ (کنز العمال و شرح عقائد و شرح فقہ اکبر وغیرہ) اس قول کے مطابق ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں خدا کا مقرر کیا ہوا ایک امام رہے جس کی معرفت لوگ حاصل کرتے ہیں اور وہی امام حضرت محمد مہدی علیہ السلام ہیں جو حضرت رسول خدا صلعم کی مسلم بین الفریقین حدیث (کہ میرے بعد بارہ خلیفہ قریش سے ہوں گے) کے مطابق بارھویں خلیفہ ہیں اور حضرت رسول خدا صلعم کی اولاد سے ہیں۔ آپ ظلم و جور کو دنیا سے دور کر کے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینگے شرک و کفر کو دنیا سے نابود کر دینگے۔ حضرت عیسیٰ آسمان سے اتر کر آپ کی مدد کریں گے۔ اور آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور دجال کو قتل کریں گے ملا جامی نے شواہد النبوۃ میں۔ امام عبدالوہاب شعرانی نے لواقح الانوار میں شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں۔ خواجہ پارسا نے فصل الخطاب میں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ ائمہ اطہار میں۔ جمال الدین محدث نے روضۃ
الاحباب میں۔ ابن صباغ مالکی نے فصول مہمہ میں۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے
فضل مبین میں اور دوسرے بکثرت علماء نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت امام مہدیؑ
پیدا ہو کر غائب ہو چکے اور اب تک زندہ ہیں۔ اور جو لوگ حضرتؑ کے اتنے دنوں
تک غائب اور زندہ رہنے میں شک و شبہ کرتے ہیں ان کا جواب دیتے ہیں کہ خدا
جس کو زندہ رکھے اس کو موت کسی طرح نہیں آسکتی اور جس کو وہ موت دے اس
کوئی شخص زندگی نہیں بخش سکتا۔ خدا نے حضرت آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے اور
حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ حضرت خضرؑ و الیاسؑ و ادریسؑ و عیسیٰؑ
کو اب تک زندہ رکھا ہے۔ وہی خدا اگر حضرت امام مہدیؑ کو بھی دنیا میں حجت
قائم رکھنے کے لئے زندہ رکھے تو کیوں تعجب کیا جائے۔

ختم شد

(اعجاز پرنٹنگ پریس لاہور)